فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حصہ اول	
۱	(فصل اول) علم اصول حدیث کی تعریف	۹
۲	(فصل دوم) حدیث اور خبر میں فرق	۱۱
۳	(فصل سوم) خبر واحد مقبول کی اقسام	۱۴
۴	(فصل چہارم) حدیث میں نسخ کا بیان	۱۸
۵	(فصل پنجم) حدیث ضعیف اور اس کی اقسام	۱۹
۶	(فصل ششم) اسناد کی حیثیت سے احادیث کی تقسیم	۳۲
۷	(فصل ہفتم) موضوع حدیث	۳۶
۸	(فصل ہشتم) دیگر اقسام حدیث	۴۱
۹	(فصل اول) راوی پر طعن	۵۰
۱۰	(فصل دوم) معرفت رواۃ۔ روایت الاقران	۵۳
۱۱	(فصل سوم) سند عالی یا علو سند	۵۸
۱۲	(فصل چہارم) الفاظ ادائے حدیث	۶۱
۱۳	تتمہ حصہ اول	۶۳
۱۴	حافظ ابن حجر عسقلانی مصنف شرح نخبۃ الفکر	۶۵
	حصہ دوم	
۱۵	تاریخ ادب حدیث	۶۹
۱۶	(فصل اول) حدیث و سنت میں فرق ضرورت اہمیت حدیث، مقام حدیث	۷۰
۱۷	(فصل دوم) حجیت حدیث	۸۴
۱۸	تاریخ تدوین حدیث	۹۱
۱۹	(فصل اول) قرن اول و عہد رسالت و عہد صحابہ میں تدوین حدیث	
	عہد رسالت میں تدوین حدیث	۲۰۵

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۲۰	وہ صحائف اور نوشتے جو صحابہ نے خود تحریر کئے تھے	۹۴
۲۱	عہد صحابہ میں حدیث کی کتابت	۹۷
۲۲	(فصل دوم) قرن ثانی یعنی تابعین کے دور میں تدوین حدیث	۱۰۲
۲۳	(فصل سوم) قرن ثالث یعنی تبع تابعین کے عہد میں تدوین حدیث	۱۰۵
۲۴	(فصل چہارم) قرون ثلاثہ کے بعد تدوین حدیث کا کام	۱۱۱
۲۵	(فصل اول) کتب حدیث مراتب کے لحاظ سے	۱۱۶
۲۶	اقسام کتب احادیث	۱۱۷
۲۷	(فصل دوم) مشہور کتب احادیث کا تفصیلی جائزہ	۱۲۰
۲۸	صحیح مسلم	۱۲۲
۲۹	سنن ابی داؤد	۱۲۴
۳۰	جامع ترمذی	۱۲۵
۳۱	سنن ابن ماجہ	۱۲۷
۳۲	سنن نسائی	۱۲۸
۳۳	مؤطا امام مالک	۱۲۹
۳۴	مسند امام احمد بن حنبل	۱۲۹
۳۵	(فصل دوم) کثیر الروایت صحابہ کے حالات	
	کثیر الروایت صحابہ کرام	۱۳۰
۳۶	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۳۲
۳۷	حضرت انس بن مالک	۱۳۲
۳۸	ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۱۳۴
۳۹	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۱۳۶
۴۰	حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	۱۳۸
۴۱	حضرت ابو سعید بن خدری رضی اللہ عنہ	۱۳۸
	(فصل سوم) مشہور محدثین امت	۱۴۰

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۴۳	امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۰
۴۴	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۳
۴۵	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۵
۴۶	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۷
۴۷	(فصل چہارم) اصحاب صحاح ستہ	۱۴۹
۴۸	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۰
۴۹	امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۲
۵۰	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۴
۵۱	امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۵
۵۲	امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۶
۵۳	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۷
۵۴	(فصل پنجم) منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات منکرین حدیث کا مشن	۱۵۸
	حصہ سوم	
۵۵	احادیث نبویہ کا ترجمہ و تشریح	۱۶۱
۵۶	کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)	۱۶۲
۵۷	باب المواقیت (نمازوں کے اوقات کا بیان)	۱۷۷
۵۸	باب تعجیل الصلوٰۃ (نماز میں جلدی کرنے کا بیان)	۱۸۱
۵۹	باب فی فضائل الصلوٰۃ (نماز کے فضائل کا بیان)	۱۹۱
۶۰	باب الاذان (اذان کا بیان)	۱۹۹
۶۱	باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن (اذان کی فضیلت نیز اذان کا جواب دینے کا بیان)	۲۰۱
۶۲	باب فی بیان الاحکام الاذان (اذان کے بعض احکام کا بیان)	۲۰۵

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۶۳	باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ (مسجدوں اور نماز پڑھنے کی جگہوں کا بیان)	۲۰۸
۶۴	باب الستر (نماز میں پردے کا بیان)	۲۱۸
۶۵	باب السترۃ (سترہ کا بیان)	۲۱۹
۶۶	باب صفۃ الصلوٰۃ (نماز کی صفات کا بیان)	۲۲۲
۶۷	باب القراءۃ فی الصلوٰۃ (نماز میں قرأت کا بیان)	۲۲۴
۶۸	باب الرکوع (رکوع کا بیان)	۲۲۶
۶۹	باب السجود و فضیلۃ (سجدہ اور اس کی فضیلت کا بیان)	۲۲۸
۷۰	باب التشہد (تشہد کا بیان)	۲۳۲
۷۱	باب الدعاء فی التشہد (تشہد میں دعا کا بیان)	۲۳۵
۷۲	باب الذکر بعد الصلوٰۃ (نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان)	۲۳۷
۷۳	باب ما یجوز من العمل فی الصلوٰۃ و ما یباح منہ (نماز میں جائز اور ناجائز کا بیان)	۲۳۸
۷۴	باب السہو (نماز میں بھولنے کا بیان)	۲۴۲
۷۵	باب سجود القرآن (سجدہ تلاوت کا بیان)	۲۴۵
۷۶	باب اوقات النہی (ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا منع ہے)	۲۴۸
۷۷	باب الجماعۃ و فضلہا (جماعت اور اسکی فضیلت کا بیان)	۲۵۰
۷۸	باب تسویۃ الصف (صف کو سیدھا کرنے کا بیان)	۲۵۵
۷۹	باب الموقف (امام اور مقتدی کے کھڑے ہونیکی جگہ کا بیان)	۲۶۳
۸۰	باب الامامۃ (امامت کا بیان)	۲۶۱
۸۱	باب ما علی الامام (جو بات امام پر واجب ہے اس کا بیان)	۲۶۳
۸۲	باب ما علی الماموم من المتابعۃ و حکم المسبوق (امام کی اقتدا اور مسبوق کے احکام کا بیان)	۲۶۷
۸۳	باب من صلی صلوٰۃ مرتین۔ (اس شخص کے بیان میں جو دوبارہ نماز پڑھے	۲۷۰

نمبر صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۲۷۱	باب السنن وفضائلھا (سنتوں کا بیان اور ان کے فضائل)	۸۴
۲۷۵	باب صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز کا بیان)	۸۵
۲۷۹	باب التحریض علی قیام اللیل (رات کی عبادت میں رغبت دلانے کا بیان)	۸۶
۲۸۸	باب القصد فی العمل (اعمال میں میانہ روی کا بیان)	۸۷
۲۹۴	باب الوتر (وتر کا بیان)	۸۸
۲۹۷	باب القنوت (قنوت کا بیان)	۸۹
۳۰۱	باب قیام شہر رمضان (ماہ رمضان کی عبادت کا بیان)	۹۰
۳۰۳	باب صلوٰۃ الضحٰی (اشراق اور چاشت کی نمازوں کا بیان)	۹۱
۳۰۷	باب التطوع (نفل کی نماز کا بیان)	۹۲
۳۰۹	باب صلوٰۃ السفر (نماز سفر کا بیان)	۹۳
۳۱۴	باب الجمعہ (جمعہ کا بیان)	۹۴
۳۱۷	باب وجوبھا (جمعہ کے واجب ہونے کا بیان)	۹۵
۳۱۸	باب تنظیف وتکبیر (پاکی حاصل کرنے اور نماز جمعہ کو سویرے جانے کا بیان)	۹۶
۳۲۰	باب الخطبۃ والصلوٰۃ (خطبہ اور نماز جمعہ کا بیان)	۹۷
۳۲۵	باب صلوٰۃ الخوف (نماز خوف کا بیان)	۹۸
۳۲۹	باب صلوٰۃ العیدین (عیدین کی نماز کا بیان)	۹۹
۳۳۵	باب فی الاُضحیۃ (قربانی کا بیان)	۱۰۰
۳۳۸	باب العتیرہ (عتیرہ کا بیان)	۱۰۱
۳۳۹	باب صلوٰۃ الخسوف (نماز خسوف کا بیان)	۱۰۲
۳۴۵	باب فی الریاح (ہواؤں کا بیان)	۱۰۳
۳۴۷	کتاب الصلوٰۃ پر اہم امتحانی سوالات	۱۰۴
۳۵۲	کتاب الزکوٰۃ	۱۰۵
۳۶۳	باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ (جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا بیان)	۱۰۶
۳۷۴	باب صدقۃ الفطر (صدقہ فطر کا بیان)	۱۰۷

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۰۸	بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ (ان لوگوں کا بیان جن کو زکوٰۃ لینا حلال نہیں)	۳۷۶
۱۰۹	بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهُ (ان لوگوں کا بیان جن کو سوال کرنا جائز ہے اور جن کو جائز نہیں)	۳۸۵
۱۱۰	باب الانفاق وکراهية الامساك (خرچ کرنے کی فضیلت اور بخل کرنے کی کراہیت کا بیان	۳۹۳
۱۱۱	باب فضل الصدقة (صدقہ کی فضیلت کا بیان	۴۰۷
۱۱۲	باب افضل الصدقة (بہترین صدقہ کا بیان)	۴۳۱
۱۱۳	باب ما تنفقه المرأة من مال زوجها (شوہر کے مال سے بیوی کے خیرات کرنے کا بیان)	۴۳۹
۱۱۴	کتاب الصَّوم (روزہ کا بیان)	۴۵۲
۱۱۵	باب رُؤية الهلال (چاند دیکھنے کا بیان)	۴۶۰
۱۱۶	سحری اور افطار کا بیان	۴۶۵
۱۱۷	باب تنزيه الصوم (روزہ کو پاک کرنے کا بیان)	۴۷۱
۱۱۸	باب صوم المسافر (مسافر کے روزے کا بیان)	۴۷۴
۱۱۹	باب القضاء (روزہ کی قضا کا بیان)	۴۸۱
۱۲۰	باب الصيام التطوع (نفلی روزوں کا بیان)	۴۸۵
۱۲۱	(باب) زوال سے پہلے روزہ کی نیت کا بیان	۵۰۳
۱۲۲	باب ليلة القدر (شب قدر کا بیان)	۵۰۶
۱۲۳	باب الاعتكاف (اعتکاف کا بیان	۵۰۹

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! ایم۔ اے کے طلباء کو امتحان کی تیاری کے سلسلے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اہل علم پر مخفی نہیں۔ سب سے بڑی دشواری محدود وقت میں لامحدود نصاب کو عبور کرنا ہے۔ نصاب کی طوالت کا صحیح اندازہ ایم اے کیلئے یونیورسٹی کے مرتبہ سلیبس کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ ایم اے کا ایک مبتدی طالب علم اس قدر طویل نصاب کو دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے۔ اس نصاب کے مطالعہ کے لئے جن کتابوں کی سفارش کی جاتی ہے۔ وہ بھی بار شتر سے کم نہیں ہوتیں۔ اول تو کئی ایک کتابیں نایاب ہوتی ہیں اگر نایاب نہ ہوں تو کمیاب ضرور ہوتی ہیں۔ پھر ان کے خریدنے کا مسئلہ الگ ہے اس لئے کہ ان میں اکثر اس قدر گراں قیمت کی ہوتی ہیں۔ کہ ایک غریب طالب علم تو درکنار ایک متوسط حیثیت کا طالبعلم بھی ان کو خریدنے کی ہمت نہیں پاتا۔ یونیورسٹی یا کسی کالج سے منسلک طلباء کو پھر بھی کئی ایک سہولتیں مہیا ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ لائبریری سے نصاب سے متعلقہ کتب لے کر استفادہ کر سکتے ہیں۔ اساتذہ انہیں (NOTES) وغیرہ تیار کروا دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں امتحان کی تیاری کے سلسلے میں ضروری رہنمائی کرتے ہیں۔ مگر پرائیویٹ طلباء اس لحاظ سے نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہوتے ہیں۔ امتحان کی تیاری کرتے ہیں انہیں ان گنت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے اکثر تو نامساعد حالات کی وجہ سے نصاب کی ساری کتابیں ہی خرید نہیں سکتے۔ اگر کسی طرح خرید بھی لیں تو ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرسکیں اس لئے کہ اکثر کو تو شکم پری کے لئے معاش کا دھندا بھی کرنا ہوتا ہے۔ ایسے طلباء کی مذکورہ مشکلات کا حل سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ کہ ان کی رہنمائی کے لئے ایسی جامع قسم کی کتابیں مہیا کی جائیں۔

Marfat.com

جو نصاب کی کسی ایک کتابوں کے نصاب میں شامل حصوں کو اختصار کے ساتھ یکجا جمع کر دیں اس قسم کی کتابیں بی اے تک امتحانات کے لیے تو عام مل جاتی ہیں۔ مگر ایم اے کے امتحانات کیلئے ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں۔ ایم اے کے طلباء کی مذکورہ بالا مشکلات کو محسوس کرتے ہو اس قسم کی مفید کتابیں مہیا کرنے کی ضرورت کو جن حضرات نے شدت کیساتھ محسوس کیا ان میں محترم الحاج ملک نذیر احمد صاحب مالک تاج بک ڈپو لاہور بھی قابل ذکر ہیں موصوف اس سلسلے میں ایم اے اردو کے مختلف پرچوں کے لئے مناسب رہنمائی کرنے والی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ امسال ایم اے اسلامیات کے لئے اس قسم کی کتابیں شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے پرچے کیلئے کتاب لکھنے کے لیے اس ناچیز کو منتخب فرمایا۔ اس تصنیف و تالیف کے میدان میں علمی کم مائیگی کے پیش نظر یہ کام میرے لئے انتہائی دشوار تھا۔ تاہم محترمی و مکرمی جناب پروفیسر ڈاکٹر بہاؤ الحق اشک ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج لاہور کی رہنمائی اور سب سے بڑھ کر توفیق الٰہی نے مجھے اس کام کرنے کی ہمت بخشی۔ خدا کا نام لیکر کام شروع کر دیا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّی وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو بعون اللہ تعالیٰ و بعون حبیبہ صلے اللہ علیہ وسلم کتاب مستطاب ریاض الحدیث مکمل کر رہا ہوں۔

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ علم اصول حدیث۔ دوسرا تاریخ الحدیث اور تیسرا مشکوٰۃ المصابیح میں سے منتخبہ احادیث۔ چونکہ کتاب ایم۔ اے اسلامیات کے طلباء کے لئے خاص امتحانی نقطہ نظر سے مرتب کی گئی ہے اس لئے اس کے مذکورہ حصے اسلامیات کے دوسرے پرچے کے تینوں حصوں کے مطابق ہیں۔ انہیں ایم اے اسلامیات کے دوسرے پرچے کے گذشتہ کئی ایک سالوں میں آنے والے سوالات کی روشنی میں اس طرح ترتیب دیا گیا ہے۔ کہ کتاب اس پرچے کے نصاب پر پوری طرح حاوی ہو۔ نیز طلبا اس کتاب کو پڑھنے کے بعد امتحان کی تیاری کے لئے دوسری کسی کتاب کو پڑھنے کی

Marfat.com

ضرورت محسوس نہ کریں۔
کتاب کے پہلے حصے میں اصول حدیث کے اہم مباحث مثلاً خبر احاد اور اس کی اقسام حدیث صحیح اور ضعیف کی اقسام، موضوع حدیث۔ راوی پر طعن کی وجوہ وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ اصول حدیث کی نصابی کتاب شرح نخبۃ الفکر اور اس کے مصنف حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے کے اہم موضوعات ضرورت واہمیت حدیث۔ حجیت حدیث۔ حدیث کا مقام۔ حدیث کی جمع وتدوین نیز مشہور کتب احادیث پر تبصرہ اور شہرۂ آفاق محدثین کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارنامے ہیں ان موضوعات کے علاوہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات جن سے وہ سادہ لوح کم علم مسلمانوں کے دلوں میں حدیث نبوی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں بیان کر کے ان کے مدلل جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔
تیسرے حصے میں مشکوٰۃ المصابیح کا وہ حصہ جو داخل نصاب ہے یعنی کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم کے ابواب کی پہلی فصول۔ ان میں سے منتخب شدہ احادیث کا متن، بامحاورہ سلیس اردو میں ترجمہ اور ضروری تشریح پیش کی گئی ہے تشریح کرتے وقت اگر کسی مسئلہ میں محدثین امت یا آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہو تو اسے بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ نیز جہاں کہیں بعض احادیث متعارض نظر آئیں ان میں تطبیق بھی دے دی گئی ہے۔ ہر حصے کے آخیر پر اہم امتحانی سوالات بھی دے دیئے گئے ہیں۔
کتاب مرتب کرتے وقت نصاب میں شامل کتب کے علاوہ دیگر مستند کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ تاہم اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی

Marfat.com

ہو تو قارئین در گذر فرمائیں۔ ذیل سے مجھے پورا وثوق ہے۔ کہ یہ کتاب جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے۔ انشاء اللہ العزیز اس میں طلباء کو پوری طرح مطمئن کرے گی۔

آخر میں، میں محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر راناں بہاؤ الحق اشک ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی اور محترمی پروفیسر سید خورشید حسین بخاری ایم۔اے کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ نیز محترمی ملک نذیر احمد صاحب اور عزیز گرامی مولینا مولوی محمد ذوالفقار صاحب قادری رضوی صدر مدرس جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلاہل کا ممنون اور شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں کئی ضروری کتابیں فراہم کیں۔

جزاھم اللہ خیرا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ

بندۂ ناچیز

عبد الغنی قادری

اسلامیہ کالج سانگلاہل ضلع شیخوپورہ

۲۳ رمضان المبارک

سنہ ۱۳۸۸ ہجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پہلا باب

فصلِ اوّل

علمِ اصولِ حدیث کی تعریف۔ اس کا مقصد، تصانیف، اصطلاحات

علمِ اُصولِ حدیث کی تعریف

علمِ اُصولِ حدیث وہ علم ہے۔ جو راوی اور مروی (حدیث) کے حال قبولیت یا عدمِ قبولیت کی حیثیت سے بحث کرتا ہے۔ نیز صحیح حدیث کو موضوع سے اور مقبول کو مردود سے الگ کرتا ہے۔ اس علم کو علم درایت بھی کہتے ہیں۔

مقصد ۔ اس علم کا مقصد ایسے اُصول و ضوابط فراہم کرنا ہے جس کی روشنی میں صحیح حدیث کو موضوع سے۔ مقبول کو مردود سے علیحدہ کیا جا سکے۔ اس لئے کہ محققین علماء کے نزدیک صحیح حدیث، اُمت پر حجت ہے۔ اس کا احکام و قوانینِ اسلامیہ کا مُستقل ماخذ ہوتا۔ نیز ادلہ شرعیہ میں کتاب اللہ کے بعد اس کا مقام دوسرے درجے پر آتا ہے ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے جب اس کی صحت کا علم یقینی ہو۔

تصانیف ۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آئمہ محدثین نے اس علم کی طرح ڈالی مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف المحدث الفاصل ہے

Marfat.com

جس کے مصنف قاضی ابو محمد رامہرمزی ہیں۔ اس کے بعد خطیب ابو بکر نے بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ قوانین روایت کے سلسلہ میں "الکفایہ" لکھی۔ علم حدیث کا شاید ہی کوئی فن چھوڑا ہو گا۔ ورنہ اکثر فنون حدیث میں خطیب نے ایک مستقل تصنیف لکھی۔ یہاں تک کہ ان کے بعد آنے والے محدثین نے انہی کی کتابوں سے خوشہ چینی کی خطیب کے بعد اس فن کی تکمیل کے سلسلہ میں جن حضرات نے قلم اٹھایا۔ ان میں سے قاضی عیاض قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب مسمّٰی المارع لکھی۔ اور ابو حفص میانجی نے ایک رسالہ مسمّٰی مالایسع المحدث جہلہ تحریر کیا۔ جب حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن الصلاح شہرزوری کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے فنون حدیث کی اچھی طرح تنقیح کی اور اپنی مشہور و معروف تصنیف "مقدمہ ابن الصلاح" لکھی۔ اس کتاب میں ابن الصلاح نے پہلے محدثین خصوصاً خطیب ابو بکر کی تصانیف کے متفرق مضامین کو یکجا کر دیا۔ گویا یہ کتاب جامع المتفرقات تھی۔ ابن الصلاح نے اس کتاب میں کئی ایک اضافے بھی کئے حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیص کر کے اور چند امور کا اضافہ کر کے ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر رکھا۔ بعدہٗ اس کے مخفی مطالب کی تشریح و توضیح کر کے شرح نخبۃ الفکر نام رکھا جس میں شرح کو اصل عبارت المتن کے ساتھ اس طریق سے ملا دیا گیا۔ کہ دونوں مل کر ایک ہی کتاب بن جاتی ہے۔ نیز اس میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ عبارت کی توضیح و ترجیح کی کوشش کی جائے نیز مخفی مطالب اور اشارات کو حل کیا جائے۔ علامہ عسقلانی کی یہ تصنیف علم اصول حدیث پر ایک مستند کتاب ہے۔ جس کے مطالعہ کرنے سے کافی حد تک اس فن سے شناسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

اصطلاحات:

راوی: جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنی سند سے حدیث روایت کرتا ہو راوی کہلاتا ہے۔ جس کی جمع رواۃ ہے۔

مروی: راوی کی روایت کردہ حدیث یا قول کو مروی کہتے ہیں۔ قول خواہ حضور کا

Marfat.com

طرف منسوب ہو۔ یا اصحابہ وتابعین کی طرف۔

اسناد:۔ سلسلۂ روایت کے طریق کو اسناد کہا جاتا ہے۔

متن:۔ حدیث کا وہ حصہ جس پر اسناد منتہی ہو۔ متن کہلاتا ہے۔ مثلاً

عن مالک عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الشہر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین حدیث میں عن مالک سے عن ابن عمر تک کو اسناد اور ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثلاثین تک کو متن کہیں گے۔

فصل دوم

خبر متواتر۔ نیز خبر واحد اور اس کی اقسام (مشہور۔ عزیز۔ غریب)

حدیث اور خبر میں فرق:۔

علم اصول حدیث کے علماء کے نزدیک حدیث اور خبر میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ البتہ بعض کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی (قول۔ فعل۔ تقریر) کو حدیث اور جو غیر سے مروی ہو اسے خبر کہتے ہیں اسی لئے مؤرخ قصہ گو کو اخباری کہتے ہیں۔ اور عالم حدیث کو محدث۔ بعض علماء نے عموم وخصوص کی قید لگائی ہے۔ گویا ہر حدیث خبر بھی ہے۔ مگر ہر خبر حدیث نہیں۔

خبر متواتر:۔ متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ہر طبقے کے اتنی کثرت سے راوی روایت کرنے والے ہوں جن کا جھوٹ پر اتفاق عادتاً وعقلاً محال ہو۔

شرائط:۔ ۱۔ جس کے راویوں کی تعداد بلا تعیین کثیر ہو۔ جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کی تائید فرماتے ہیں۔

Marfat.com

وہ فرماتے ہیں۔کہ صحیح قول کے مطابق عدد متعین کرنے کا کوئی مقصد نہیں :
اگرچہ بعض نے رواۃ کی تعداد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے زنا کی
شہادت پر قیاس کر کے کم از کم چار بتائے ۔ کسی نے لعان پر قیاس کر کے
پانچ۔ کسی نے دس۔ بعض نے نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے پیش نظر بارہ۔
کسی نے چالیس۔ کسی نے ستر۔ کسی نے تین سو تیرہ مرد اور دو عورتیں۔
مگر صحیح وہ بات ہے۔ جو ابتدا میں گزر چکی ہے۔

۲۔کثرت رواۃ ابتدا سے انتہا تک یکساں ہو۔ کسی جگہ کمی واقع نہ ہو۔

۳۔اس کا تعلق حس سے ہونا چاہیئے۔ نہ کہ محض عقل سے۔ مثلاً ایک راوی کہے۔
رأیت رسول اللہ صلی اللہ وسلم فعل کذا وکذا یا سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا وکذا۔ مثال اول کا تعلق حس باصرہ سے ہے۔
اور دوم کا حس سامعہ سے۔

۴۔اس سے علم یقینی ضروری حاصل ہو۔ نہ کہ محض نظری گو بعض نے مثلاً ابو الحسین
بصری وکعبی کا اسبات سے اتفاق نہیں۔ مگر صحیح قول یہی ہے۔

مثال۔ ابن الصلاح کی تحقیق کے مطابق حدیث مَن کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ
مِنَ النَّارِ خبر متواتر ہے۔

اقسام خبر متواتر :۔خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی۔

۱۔متواتر لفظی :۔ایسی حدیث جس کو راویوں کی مذکورہ جماعت اول سے آخر
تک ایک ہی قسم کے الفاظ سے روایت کرتی ہو۔

مثالیں۔ حدیث من بنیٰ لِلّٰہِ مسجداً بنی اللہ لہٗ بیتاً فی الجنۃ ۔

(۲) حدیث شفاعت

(۳) شق قمر کی حدیث

(۴) اُستُن حنانہ کے گریہ زاری کرنے کی حدیث۔

Marfat.com

۵۔ معراج شریف کی حدیث

متواتر معنوی۔ اس حدیث میں الفاظ کا یکساں ہونا شرط نہیں۔ بلکہ مفہوم کا متحد ہونا شرط ہے۔ مثلاً (۱) دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حدیث۔

(۲) حدیث اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔

خبر واحد۔ لغت کے اعتبار سے خبر واحد ایسی خبر یا حدیث کو کہتے ہیں جس کو روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو۔ مگر اصطلاح میں ایسی خبر کو کہتے ہیں جس میں متواتر کی کل شرائط نہ پائی جائیں۔

اقسام:۔ (۱) مشہور (۲) عزیز۔ (۳) غریب

مشہور۔ ایسی حدیث جس کو طبقات رواۃ کے ہر طبقے میں کم از کم تین راویوں نے روایت کیا ہو۔ نیز ایسی حدیث بھی مشہور کہلاتی ہے۔ جس میں متواتر حدیث کی جملہ شرائط بجز شرط افادۂ علم یقین پائی جائیں۔ گویا اس میں متواتر کی پانچ شرائط میں سے چار شرائط موجود ہوں گی۔

حدیث شق القمر ایسے لوگوں کے نزدیک مشہور ہے۔ جو اجرام سماوی میں خرق عادت کو محال سمجھتے ہیں۔

مستفیض۔ ایسی مشہور حدیث جس کے ہر طبقے میں راویوں کی تعداد یکساں ہو مستفیض کہلاتی ہے۔

عزیز۔ عزیز وہ ہے جسے رواۃ کے ہر طبقے میں کم از کم دو راویوں نے روایت کیا ہو۔ اگر کسی مقام میں دو سے زائد بھی ہوں۔ تو مضائقہ نہیں۔

مثال۔ "اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ" الحدیث۔ اس حدیث کو انس سے قتادہ اور عبد العزیز ابن صہیب نے روایت کیا ہے۔ پھر قتادہ سے شعبہ وسعید نے اور عبد العزیز سے اسمٰعیل بن علیہ و عبد الوارث نے پھر ہر ایک سے راویوں کی ایک مستقل جماعت نے روایت کیا۔

غریب۔ ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی

Marfat.com

ہو۔ جس کا اور کوئی شریک نہ ہو۔ غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔

فرد مطلق۔ فرد مطلق اسے کہتے ہیں جس میں صحابی سے روایت کرنے والا راوی منفرد ہو۔ مثلاً حدیث النہی عن بیع الولاء کو صرف عبداللہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح حدیث شعب الایمان کو صرف ابو صالح نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا

فرد نسبی۔ ایسی حدیث جس کی اسناد میں صحابی کو چھوڑ کر اور کسی سے راوی سے۔ روایت کرنے والا منفرد ہو۔

نوٹ:۔ فرد مطلق کو فرد اور فرد نسبی کو غریب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا باب

فصل سوم

خبر واحد مقبول کی اقسام

صحیح حدیث کی اقسام ۱۔ صحیح لذاتہ (۲) صحیح بغیرہ۔

صحیح لذاتہ۔ ایسی حدیث جس کے کل راوی عادل اور کامل الضبط ہوں۔ اس کی سند متصل ہو۔ اور معلل و شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔ صحیح حدیث سے مراد بھی صحیح لذاتہ ہی ہوتا ہے

چنانچہ حدیث زہری عن سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ و حدیث محمد بن سیرین عن عبیدہ بن عمرو عن علی و حدیث ابراہیم نخعی عن علقمہ عن ابن مسعود۔ ان احادیث کے رواۃ میں اعلیٰ درجے کا ضبط اور عدل پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ احادیث صحیح لذاتہ ہیں۔

یاد رکھیں۔ کہ ایسی حدیث جس کے رواۃ کی صفات عدل و ضبط دوسری احادیث کے رواۃ کی صفات سے اعلیٰ ہوں۔ اُسے ان پر ترجیح دی جائے گی۔

حدیث صحیح لغیرہ۔ جو حدیث اوصاف میں صحیح لذاتہ سے کمتر درجہ رکھتی ہو صحیح لغیرہ کہلاتی ہے۔ ایسی حدیث جو حسن لذاتہ ہو۔ مگر اس کے رواۃ کی تعداد کثیر ہو۔ تو وہ صحیح لغیرہ بن جاتی ہے۔ اس لئے کہ حسن لذاتہ میں جو ضبطِ راوی کا نقص پایا جاتا ہے۔ وہ تعدد رواۃ کے وصف سے پورا ہو جاتا ہے۔

تفاوت مراتب احادیث صحیحہ:۔ ایسی احادیث جس کی تخریج شیخین نے بالاتفاق کی ہو۔ سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے بعد وہ جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہو اس کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی تخریج صرف امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے کی ہو اس کے بعد جس کی تخریج صحیحین کی شرائط کے مطابق ہو۔ پھر جو حدیث صرف بخاری کی شرائط کے مطابق تخریج کی گئی ہو۔ اور اس کے بعد وہ جو حسب شرائط مسلم کے مطابق تخریج کی گئی ہو۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح۔ صحیح بخاری کی صحت کا دار و مدار جن اوصاف پر ہے وہ صحیح مسلم کے صحت اوصاف سے زیادہ قوی و اکمل ہیں۔ یہ اوصاف مندرجہ ذیل ہیں

(۱) اتصال سند:۔ بخاری کی اتصال سند کی شرائط مسلم سے زیادہ قوی ہیں اسلئے کہ اُن کے نزدیک صحت کے لئے شرط ہے۔ کہ راوی جس راوی سے روایت کرتا ہے اُس کے ساتھ کم از کم ایک بار اُس کی ملاقات ثابت ہو مگر مسلم کے نزدیک ملاقات شرط نہیں۔ صرف معاصرت کافی ہے۔

(۲) عدالت اور ضبط کا معیار جو بخاری نے قائم کیا ہے۔ وہ مسلم سے زیادہ ارفع ہے اس لئے کہ بخاری کے رواۃ مسلم کے رواۃ کی نسبت کم مجروح ہیں۔ امام بخاری مجروح رواۃ سے بخلاف امام مسلم کے بہت کم روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری کے مجروح راویوں میں بھی اکثر اُن کے بالواسطہ مشائخ ہیں جن کو یہ اچھی طرح جانتے تھے۔

(۳) صحیح بخاری میں صحیح مسلم کی نسبت شاذ اور معلل حدیثیں بہت ہی کم ہیں۔

علماء اس بات پر متفق ہیں۔ کہ امام بخاری کا پایہ علم حدیث میں خصوصیت کے ساتھ امام مسلم سے ارفع ہے چنانچہ دارقطنی کہتے ہیں۔ کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے۔ تو فن

Marfat.com

حدیث میں امام مسلم اتنی شہرت حاصل نہ کر سکتے۔

حدیث حسن :- ایسی حدیث جس کی سند متصل ہو۔ راوی عادل اور قلیل الضبط ہو نیز یہ حدیث شاذ اور معلل بھی نہ ہو۔

اقسام :- اس کی اقسام دو ہیں۔

(۱) حسن لذاتہ۔ (۲) حسن لغیرہ

حسن لذاتہ :- جس حدیث کو بغیر کسی قید کے حسن کہا جائے۔ اس سے مراد حسن لذاتہ ہی ہوتی ہے۔ اور حدیث حسن کی تعریف اوپر گذر چکی ہے۔ حدیث حسن لذاتہ میں حدیث صحیح کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ البتہ اس کے رواۃ کامل الضبط نہیں ہوتے۔

حسن لغیرہ :- جس حدیث کے راویوں میں کوئی راوی مستور الحال ہو۔ یعنی اسکی صلاحیت یا عدم صلاحیت کا پتہ نہ چل سکے۔ مگر وہ کذب کے ساتھ متہم نہ ہو۔ تغافل سے بچنے والا اور کثیر الخطاء نہ ہو۔ نیز کوئی اور حدیث اس کی تائید کرتی ہو۔ ایسی حدیث کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔

امام ترمذی کی اصطلاحات کی توضیح :-

۱۔ حدیث حسن صحیح :- جو حدیث ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہو۔ امام ترمذی ایسی حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ اسکا درجہ حسن سے زیادہ مگر صحیح سے کم ہوگا۔

۲۔ حسن صحیح غریب :- ایسی حدیث جو صحیح ہو۔ مگر ایک ہی سند سے مروی ہو۔ اُسے امام ترمذی حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔

حدیث شاذ و محفوظ : اگر کسی ثقہ راوی نے ایسے راوی کی مخالفت کی ہو جو ترجیح کی وجوہ مثلاً ضبط یا تعداد وغیرہ میں اس سے زیادہ قابل ترجیح ہو۔ تو اس راوی کی حدیث کو شاذ اور دوسری کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں حدیث شاذ کی سادہ تعریف یہ ہے۔ کہ ایسی حدیث، جسے کسی ثقہ راوی نے اپنے سے بہتر راوی کی مخالفت کر کے روایت کیا ہو۔

Marfat.com

منکر اور معروف :۔ اگر کسی ضعیف راوی نے اپنے سے بہتر راوی کی مخالفت کرکے کوئی حدیث روایت کی ہو۔ تو ایسی حدیث کو منکر اور دوسرے راوی کی روایت کردہ حدیث کو معروف کہتے ہیں۔ شاذ اور منکر میں اگرچہ نفس مخالفت مشترک ہے۔ مگر شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے جبکہ منکر کا ضعیف۔

حدیثِ منکر کی مثال۔ حدیث ابن حاتم باسناد حبیب بن حبیب عن ابی اسحاق عن العیزار بن حریث عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ وحج البیت وصام وقری الضیف دخل الجنۃ۔ ابوحاتم نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ اس لئے کہ ثقہ راویوں نے جو ابواسحاق سے روایت کی ہے۔ وہ معروف ہے۔

حدیث متابع و شاہد۔ متابع ایسی حدیث فرد جس کے راوی کی تائید دوسرے راوی سے ہو۔ اور تائید کرنے والا راوی اس قابل ہو۔ کہ اس کی روایت تسلیم کی جاسکے۔ نیز تائید کرنے والا راوی پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ملتے الفاظ میں روایت کرے۔ جو راوی کے بیان کردہ الفاظ سے ملتے جلتے ہوں۔

متابع کی دو اقسام ہیں۔ (۱) متابع تام (۲) متابع قاصر

متابع تام :۔ ایسی حدیث جس میں ایک راوی دوسرے راوی کی تائید کرتا ہو۔ متابع تام کہلاتی ہے۔

مثال۔ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس کو کتاب الام میں روایت کیا۔ وہ یہ ہے عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الشھر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔

اس حدیث میں امام شافعی کی متابعت تامہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن سلمہ قعنبی پر ہوئی ہے۔

متابع قاصر:۔ ایسی حدیث جس میں تائید کرنے والا راوی دوسرے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ کی تائید کرتا ہو۔ متابع قاصر کہلاتی ہے۔

Marfat.com

مثال۔ صحیح ابن خزیمہ بن محمد بن زید اور صحیح مسلم میں نافع امام شافعی کے شیخ الشیخ عبداللہ بن دینار کی روایت بلال کی حدیث میں تائید کرتے ہیں۔

شاہد:۔ ایسی حدیث جو کسی فرد حدیث کے متن سے لفظاً یا معناً مشابہ ہو۔ شاہد کہلاتی ہے۔ اگر لفظاً مشابہ ہو۔ تو شاہد لفظی اور اگر معناً مشابہ ہو۔ تو شاہد معنوی کہلاتی ہے۔

مثال۔ حدیث نسائی بروایت محمد بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الشہر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروا الہلال۔ الحدیث یہ متن شافعی کی ابن عمر والی حدیث کے لفظاً و معناً مشابہ ہے۔

فصل چہارم

حدیث میں نسخ کا بیان

نسخ:۔ کسی شرعی حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ جو اس سے متاخر ہو۔ دلیل شرعی کے ساتھ اٹھا دینا نسخ کہلاتا ہے۔ موخر الذکر کو ناسخ اور اول الذکر کو منسوخ کہتے ہیں چنانچہ ایسی مقبول احادیث جن میں تعارض واقع ہو۔ اور تطبیق کی صورت نہ ہو۔ مگر تاریخ یا نص کے ذریعے ایک کا دوسرے سے تاخر ثابت ہو جائے۔ تو متاخر کو ناسخ اور متقدم کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

نسخ معلوم کرنے کا طریقہ:۔ ۱۔ نص کے ذریعہ۔ اس کی مثال صحیح مسلم کی حدیث بریدہ ہے جس کا متن یہ ہے۔

"کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ" یہ حدیث اس حدیث کے لیے ناسخ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ احادیث کا نسخ اس امر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ دو حکم متعارض ہوں۔

Marfat.com

مگر ایک حکم کے لئے صحابی اپنا تعین ظاہر کرے۔ کہ یہ متاخر ہے چنانچہ اصحاب سنن اربعہ جابر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مستہ النار۔

وہ امور جن سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا:۔

۱۔ متاخر الاسلام ہونا۔ ایک صحابی کا دوسرے صحابی سے متاخر الاسلام ہونا نسخ کی دلیل نہیں۔ اسلئے کہ یہ ممکن ہے کہ متاخر الاسلام صحابی نے جس صحابی سے روایت کی ہو۔ وہ دوسرے صحابی سے متقدم الاسلام ہو۔ مگر حدیث روایت کرتے وقت اس نے فروگذاشت کر کے اس صحابی کا نام چھوڑ دیا ہو اور حدیث کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا ہو۔ ویسے اگر اس نے صراحت کر دی ہو۔ کہ میں نے خود حضور سے یہ حدیث سنی۔ تو یہ نسخ کی دلیل ہو سکتی ہے۔

۲۔ اجماع:۔ اجماع تو درحقیقت اجماع امت ہی ہوتا ہے۔ حدیث کے نسخ کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ البتہ اجماع حدیث۔ نسخ کی دلیل ہو سکتا ہے۔

متعارض احادیث میں متوقف فیہ:۔ ایسی متعارض احادیث جن میں تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو۔ نہ تو وہ ایک دوسری کے لئے ناسخ و منسوخ بن سکتی ہو۔ نہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی وجوہ ہوں۔ تو ایسی صورت میں ان احادیث پر عمل متوقف کیا جائیگا۔

فصل پنجم

حدیث ضعیف اور اسکی اقسام

(مرسل۔ منقطع۔ معضل۔ معلق۔ مدلس۔ معلل۔ مضطرب۔ مقلوب۔ متروک)

حدیث ضعیف: اس کی بہترین تعریف جو علامہ سیوطی نے التدریب میں کی ہے مالم یجتمع فیہ صفات الصحیح ولا صفات الحسن۔ یعنی ایسی حدیث

جس میں صحیح و حسن کی صفات نہ پائی جائیں ضعیف کہلاتی ہے۔

اقسام:۔

مُرسل: جس حدیث میں آخیر سند میں صحابی کا نام ساقط ہو گیا ہو۔ مُرسل کہلاتی ہے۔ مثلاً نافع جو تابعی ہیں۔ یوں کہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا اَوْ فَعَلَ کذا اوفعل بحضرتہ کذا۔ اس میں نافع نے اس اصحابی کا نام نہیں لیا جن سے انہوں نے حدیث سُنی۔

حدیث مُرسل میں علماء کا اختلاف:۔ امام مسلم کے نزدیک مُرسل حدیث دین میں حُجت نہیں۔ چنانچہ مقدمہ صحیح مسلم میں فرماتے ہیں " ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق مُرسل حجت نہیں ہے " مگر اکثر علماء جن میں امام سعید بن یحییٰ بھی شامل ہیں اصحابہ کی مرسل احادیث کو ضعیف نہیں سمجھتے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ کل اصحابہ عادل ہیں لہٰذا اگر مُرسل حدیث کے اصحابی راوی نے صغر سنی یا اور کسی وجہ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کا سماع نہ کیا ہو۔ پھر بھی یہ بات اُن کی روایت کردہ مُرسل حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو گی چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے وقت صرف ۱۲ سال تھی۔ اکثر مُرسل روایات روایت کرتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں اس قسم کی مُرسل احادیث لاتعداد موجود ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مراسیل صحابہ مفقود ہیں۔ دراصل اُن کا یہ فیصلہ تشدد پر مبنی ہے۔

حدیث مُرسل کے مراتب:۔ سب سے اعلیٰ مُرسل حدیث وہ ہے جس کو ایسا صحابی مرسل بیان کرے۔ جس کا سماع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اس کے بعد اس اصحابی کی مُرسل حدیث کا جس نے حضور کو دیکھا تو ہو۔ مگر سماع ثابت نہ ہو پھر مخضرم صحابی (جس نے کفر و اسلام کے دونوں زمانے دیکھے ہوں) کی مُرسل روایات اس کے بعد ثقہ تابعین مثلاً سعید بن المسیب پھر اُن راویوں کی روایات جو شیوخ کا انتخاب بڑی احتیاط اور غور و فکر سے کرتے ہوں۔

Marfat.com

منقطع :۔ اختصار علوم الحدیث میں اس کی تعریف ان الفاظ میں رقم ہے "الحدیث الذی سقط من اسنادہ رجل او ذکر فیہ رجل مبھم"۔ یعنی منقطع حدیث وہ ہے۔ جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو۔ یا اس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو۔

منقطع حدیث کی سند چونکہ متصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے ضعیف ہی شمار کیا جاتا ہے۔

مثال۔ اس کی مشہور مثال وہ حدیث ہے۔ جسے عبدالرزاق نے ثوری سے انہوں نے ابو اسحاق سے۔ انہوں نے زید سے۔ انہوں نے حذیفہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر تم ابوبکر کو خلیفہ بنا دو تو وہ قوی بھی ہے اور امانت دار بھی"۔ اس حدیث میں ثوری اور ابو اسحاق کے درمیان شریک نامی ایک راوی ساقط ہے۔ اس لئے کہ ثوری نے ابو اسحاق سے خود حدیث کا سماع نہیں کیا۔

مبہم راوی کی مثال وہ حدیث ہے۔ جو ابو العلاء عبداللہ نے دو آدمیوں سے روایت کی۔ اور انہوں نے شداد بن اوس سے۔ حدیث یہ ہے "اللھم انی اسئلک الثبات فی الامر"۔ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ وہ دونوں آدمی مبہم ہیں۔

منقطع اور مرسل میں فرق :۔ اگرچہ یہ دونوں اقسام سلب ضعف کے اعتبار سے مماثل ہیں۔ مگر ان میں واضح فرق یہ ہے۔ کہ مرسل میں راوی کا سقوط تابعی سے اوپر یعنی طبقہ صحابہ میں واقع ہوتا ہے۔ جب کہ منقطع میں یہ سقوط تابعین کے طبقہ یا نچلے طبقہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی " کفایہ فی علم الروایہ" میں فرماتے ہیں "حدیث منقطع مرسل کی مانند ہوتی ہے۔ مگر یہ اصطلاح وہاں استعمال کی جاتی ہے۔ جہاں تابعی سے نچلے درجے کا راوی صحابہ سے روایت کرے۔ مثلاً امام مالک عبداللہ ابن عمر سے روایت کریں۔ یا سفیان ثوری جابر بن عبداللہ سے یا شعبہ بن حجاج انس بن مالک سے"۔ گویا اس ضمن میں فیصلہ کن امر یہ ہے۔ کہ اگر صحابی راوی ساقط ہو۔ تو حدیث مرسل کہلائے گی۔ اور اگر صحابی کے علاوہ نچلے طبقات میں سے کوئی راوی ساقط ہو۔

۱۶۲۷۹

تو وہ منقطع ہو گی۔

معضل: جس خبر کی اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے ساقط ہو گئے ہوں۔ خواہ مصنف کے تصرف سے یا بغیر اس کے تصرف کے وہ معضل کہلاتی ہے۔

مثال: اس کی مثال اعمش کی روایت کردہ حدیث ہے۔ انہوں نے شعبی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا "آدمی سے قیامت کے دن کہا جائیگا۔ کہ تو نے فلاں فلاں کام کیئے؟ وہ کہیگا "نہیں" پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی" اس حدیث کو اصل میں شعبی نے انس سے اور انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ مگر اعمش نے روایت کرتے وقت انس اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سند سے ساقط کر دیا۔ گویا ایک ہی مقام پر دو راوی ساقط کر دیئے۔

معلق: جس خبر کے اوائل سند سے مصنف کے تصرف سے ایک یا متعدد راوی ساقط ہو گئے ہوں۔ معلق کہلاتی ہے۔ مثلاً مصنف کل سند کو حذف کر کے یوں کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا یا صحابی و تابعی کے علاوہ باقی سند کو حذف کر دے۔ یا یہ کہ مصنف اس شخص کو جس نے اس سے حدیث بیان کی ہے۔ چھوڑ کر اوپر کے شخص سے روایت کرے۔

تعدیل مبہم: اگر مصنف بیان کرے۔ کہ جس قدر راوی اس نے حذف کیئے ہیں سب ثقہ ہیں۔ تو اس صورت کو تعدیل مبہم کہتے ہیں۔ جمہور محققین کے نزدیک تعدیل مبہم مقبول نہیں۔ مگر ابن الصلاح کے نزدیک اگر یہ حذف بخاری و مسلم میں ہو۔ تو اسے قبول کیا جائے گا۔

معلق اور معضل میں فرق: معلق اور معضل میں عموم اور خصوص کا فرق ہے اگر اوائل سند میں بتصرف راوی ایک ہی مقام سے متعدد راوی ساقط ہوں۔ تو اس پر معلق اور معضل دونوں کا اطلاق ہو گا۔ اور اگر اوائل سند سے مصنف کے تصرف سے متفرق مقامات سے متعدد راوی ساقط ہوں۔ تو اس پر صرف معلق کا

Marfat.com

اطلاق ہو گا۔ اور اگر درمیانی سند سے متعدد راوی ایک ہی مقام سے مُصنّف کے تصرف کے بغیر ساقط ہوں۔ تو وہ صرف مُعْضَل کہلائے گی۔

مُدلّس :۔ ایسی خبر جس میں راویوں کا سقوط اس قدر پوشیدہ ہو۔ کہ آسانی سے معلوم نہ ہوسکے۔ مُدلّس کہلاتی ہے۔ مدلّس دراصل دَلَس سے متعلق ہے۔ دَلَس کے لغت میں معنی نور و ظلمت کا اختلاط ہے۔ مُدلّس حدیث کا راوی بھی دُوسرے شخص کو اس امر سے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ اُس نے کس سے حدیث سُنی۔ اس کی دو اقسام ہیں :۔

(۱) مُدلّس الاسناد ۔ (۲) تدلیس الشیوخ

مُدلّس الاسناد :۔ ایسی حدیث جس کا راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اُس کا ہمعصر ہو۔ اور اُس سے اُسکی ملاقات بھی ہو چکی ہو۔ مگر سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہمعصر سے روایت کرے جس سے اُس کی ملاقات ہی نہ ہوئی ہو۔ مگر وہ یہ تاثر دے۔ کہ اُس نے اُس سے سُن کر یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس کی مثال علی بن خشرم کا یہ قول اختصار العلوم الحدیث میں مندرج ہے۔ کہ :۔

" ہم سفیان بن عیینہ کے یہاں حاضر تھے۔ سفیان نے کہا۔ زہری نے یوں فرمایا سفیان سے پُوچھا گیا۔ کیا آپ نے زہری سے سُنا ہے؟ سفیان نے کہا۔ کہ مجھے عبدالرزاق نے بتایا اُس نے معمر سے سُنا۔ اور معمر نے زہری سے سُنا "

مذکورہ بالا قول کی اسناد سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اگرچہ زہری سفیان کے ہمعصر تھے۔ مگر اُنہوں نے زہری سے روایت نہیں سُنی۔ مگر اُن کے روایت کرنے کے طریق سے دُوسرے شخص کو وہم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے خود زہری سے سُنا جو سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ یہی تدلیس الاسناد ہے۔ محدّثین تدلیس کی اس قسم کو بدترین تصور کرتے ہیں۔ شعبہ فرماتے ہیں۔ کہ تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے اور امام شافعی ایسے شخص کی روایت رد کر دیتے تھے جس کی تدلیس ایک بار بھی ثابت ہو جائے۔

Marfat.com

تدلیس الشیوخ :۔ اس سے مُراد یہ ہے۔ کہ راوی اپنے شیخ کو ابہام میں رکھنے کی غرض سے اُس کا نام اس طریق سے لے۔ کہ معلوم نہ ہو سکے۔ مثلاً بہت بڑھا چڑھا کر یا کنیت کے بغیر ذکر کرے۔ مثلاً وہ یُوں کہے "مجھے یہ حدیث فلاں علامہ امام ضابط اور حافظ نے سُنائی ہے" روایات میں اس کی مشہور مثال وہ حدیث ہے۔ جو ابو بکر بن مجاہد المقری نے ابو بکر بن ابی داؤد سے روایت کی۔ اس نے کہا۔ کہ مجھے عبداللہ بن ابی عبداللہ نے حدیث سُنائی۔ اُس نے ابو بکر محمد بن حسن نقاش مفسر سے سُنا۔ اُس نے کہا۔ ہمیں محمد بن سند نے بتایا۔

اس اسناد میں راوی کی نسبت بجائے اُس کے والد کی طرف کرنے کے اس نے دادا کی طرف کر دی گئی ہے۔ حالانکہ والد کی جانب اُس کی نسبت زیادہ مشہور ہے۔

ابن الصلاح کے خیال کے مطابق اس قسم کی تدلیس خطیب بغدادی کی تصانیف میں ملتی ہے۔ ابن الصلاح نے استشہاد کے طور پر چند مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً خطیب بغدادی اپنی تصانیف میں ابو القاسم ازہری سے نیز عبداللہ بن ابی الفتح الفاسی اور عبداللہ بن احمد بن عثمان العرقی سے حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ تین جداگانہ آدمیوں کے نام نہیں۔ بلکہ ایک ہی شخص کے تین مختلف نام ہیں۔ اسی طرح وہ حسن بن محمد خلال۔ حسن بن ابی طالب نیز ابو محمد خلال سے بھی روایت کرتے ہیں۔ یہ تینوں بھی ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

تدلیس العطف :۔ بعض علماء نے تدلیس کو متعدد اقسام میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک تدلیس العطف ہے۔ مثلاً راوی یُوں کہے "حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَ فُلَانٌ"۔ حالانکہ اُس نے دوسرے شخص سے کچھ بھی نہ سُنا ہو جس کا ذکر وہ واوِ عطف کے بعد کرتا ہے۔

تدلیس السکوت :۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ راوی روایت کرتے وقت حَدَّثَنَا۔ سَمِعْتُ کے الفاظ کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہتا ہے۔ پھر کہے اَعْمَش۔ تو

اس صورت میں سننے والا یہ تاثر لے گا۔ کہ اس نے اعمش سے سنا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔

تدلیس تسویہ تدلیس تسویہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اس لئے نہ لیا جائے کہ وہ صغیر السن ہے یا ضعیف العمر ہے اس کے بجائے یہ ظاہر کیا جائے کہ حدیث صرف ثقات سے مروی ہے۔

تدلیس کی یہ قسم بدترین ہے۔ اس میں صریحاً دھوکہ پایا جاتا ہے۔ ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے۔ اس لئے کہ وہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کر کے صرف یہ کہہ دیتے کہ حدیث ثقات سے سنی ہے۔

تدلیس و مرسل خفی میں فرق تدلیس کی اصطلاح اس راوی کے لئے مخصوص ہے جو ایسے شخص سے روایت کرے جو ان کا معاصر ہو اور ان سے اسکی ملاقات مشہور ہو مگر اس صورت میں کہ وہ شخص اس کا معاصر تو ہو مگر اس کی ملاقات مشہور نہ ہو اسے مرسل خفی کہتے ہیں

دونوں اصطلاحات بظاہر ایک دوسری کی مترادف ہیں مگر اصل میں علیحدہ علیحدہ ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی شرح نخبۃ میں فرماتے ہیں: "جو شخص تدلیس کی تعریف میں محض معاصرت بلا ملاقات کو کافی سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک تدلیس اور مرسل خفی دونوں ایک ہی چیز ہیں مگر صحیح بات یہ ہے۔ کہ مرسل خفی اور تدلیس ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ہیں۔

تدلیس اور مرسل خفی کے درمیان تمیز کے سلسلہ میں خطیب بغدادی نے الکفایہ میں بڑی فیصلہ کن بات کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"اگر راوی یہ بیان کر دے کہ جس شیخ کا نام اس نے ذکر کیا ہے۔ اس نے اس سے حدیث نہیں سنی تو اس کی وضاحت کے بعد وہ ارسال کرنے والا ہو گا۔ مدلس نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ ارسال کرنے والا سامع کو یہ تاثر نہیں دیتا کہ اس نے سنا ہے حالانکہ اس نے سنا نہیں ہوتا۔ البتہ جس تدلیس کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ کہ نتیجۃً ارسال پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ تدلیس اس شخص کا ذکر نہ کرنا اور مخفی ہوتا ہے: در کہیں

کرتا ہے۔ تدلیس اور مرسل کے درمیان فرق یہ ہے۔ کہ تدلیس سامع کو اس بات کا تاثر دیتا ہے۔ کہ اس نے سنا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ اس نے سنا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تدلیس ارسال کو متضمن ہے۔ البتہ ارسال تدلیس کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ ارسال میں سامع کو اس وہم میں مبتلا کرتا نہیں چاہتا کہ اس نے سنا ہے حالانکہ سنا نہیں ہوتا اس لئے علما ارسال کرنے والے کی مذمت نہیں کرتے۔ مگر تدلیس کو ناپسند کرتے ہیں۔"

معلل: مُعَلَّل یا معلول۔ امام سیوطی کے نزدیک ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو بظاہر تو سالم نظر آتی ہے مگر حقیقتاً اس میں کوئی ایسی علت پائی جاتی ہے جو اس حدیث میں قدح وار دکر دیتی ہے۔ جبکہ حافظ ابن حجر کے نزدیک معلل حدیث ایسی حدیث کو کہتے ہیں۔ جس کے متعلق راوی کا وہم ثابت ہو جائے۔ یعنی راوی بالیقین نہ کہہ سکے کہ حدیث منقطع ہے یا موصول یا مرفوع ہے یا موقوف ہے۔

مُعَلَّل حدیث میں علت کے پائے جانے کو تعلیل کہتے ہیں۔ اس کا معلوم کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اس کے لئے وسعت علم بہترین قوت حافظہ اور فہم دقیق درکار ہیں

علماء محدثین نے معلل احادیث کے سلسلے میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد ہیں نے کتاب العلل میں ابن ابی حاتم کی کتاب العلل۔ امام ترمذی نے کتاب العلل جس کی ابن رجب نے شرح لکھی، امام احمد بن حنبل نے "کتاب العلل" لکھی۔ محدث دارقطنی نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع تصنیف لکھی۔ اسی طرح دیگر محدثین مثلاً امام بخاری ابن الجوزی۔ ابن حجر وغیرہم نے بھی اسی موضوع پہ کتابیں لکھیں۔

معاملہ حدیث بنکت
تدلیس السکوت:۔ اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق واسناد کو جمع کرکے راویوں کے اختلاف درضبط، مثلاً سمعت کے الفاظ کے الخ۔ اسی سلسلہ میں علی بن المدینی فرماتے ہیں

Marfat.com

"جب تک کسی حدیث کے طرق و اسانید یکجا نہ ہوں۔ اس کی خطا کا پتہ نہیں چلتا۔
معلول حدیث بیان کرنے والے راوی کا فرض ہے۔ کہ ایسی حدیث بیان کرتے وقت اس کی علت واضح طور پہ بیان کرے۔

معلل احادیث کی اقسام

امام حاکم کے نزدیک اس کی دس اقسام ہیں۔ مگر صحیح تر قول یہ ہے کہ اس کی تمام اقسام اپنی نوع کے اعتبار سے دس اقسام ہی میں محدود نہیں۔ تاہم مشہور علل و اسباب کے پیش نظر ذیل میں پانچ اقسام کا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ ایک حدیث جو ایک خاص اصحابی سے مروی ہونے کی بنا پہ صحیح اور محفوظ ہو۔ اسے ایک اور راوی سے روائت کر دیا جائے جس کی جائے سکونت پہلے راوی سے بالکل مختلف ہو۔

مثلاً موسیٰ بن عقبہ کی ابو اسحاق سے روائت کردہ حدیث جیسے ابو بردہ اپنے والد سے مرفوعاً روائت کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں دن میں سو مرتبہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (بظاہر یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے) مگر اس کی اسناد میں ایک مدینہ کا راوی کوفہ کے راوی سے روائت کرتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک بات مشہور ہے۔ کہ مدنی راوی کوفی راوی سے روائت کرتے وقت غلطی کر جاتا ہے

۲۔ معلول حدیث کی ایک قسم یہی ہے کہ کسی شخص کے شیخ کے نام سے یا تو اختلاف کیا جائے یا اُسے بغیر نام کے ذکر کیا جائے۔ مثلاً ابو شہاب سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں وہ حجاج سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابو مسلم سے اور ابو مسلم ابو ہریرہ سے مرفوعاً روائت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن بھولا بھالا اور سخی ہوتا ہے۔ اور بد کار فریب کار

اور کنجوس ہوتا ہے"۔

امام حاکم کے نزدیک مندرجہ بالا حدیث کی سند اگر مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کی جائے تو یہ معلول بن جائے گی۔

"ابن کثیر نے کہا میرے پاس ابی سفیان نے حجاج سے سن کر بیان کیا اور حجاج نے ایک شخص سے روایت کیا اور اس نے ابو مسلم سے"

گویا اس میں ایک تو سفیان کے شیخ کے نام سے اختلاف کیا گیا نیز حجاج کے شیخ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

۳۔ معلول کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ کہ حدیث کا راوی جس شخص سے روایت کرتا ہے اس سے اس کی ملاقات ثابت ہو۔ اور اس سے حدیثیں بھی سنی ہوں مگر زیر بحث حدیث کا سماع اس سے ثابت نہ ہو۔ لہذا جب وہ اس قسم کی احادیث اس سے بلا واسطہ روایت کرے گا۔ تو ان میں یہ علت ہوگی کہ ان کا سماع ثابت نہیں۔

مثلاً یحیٰی بن ابی کثیر کی انس سے روایت کردہ حدیث کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر روزہ افطار کرتے تو فرمایا کرتے۔

"روزہ داروں نے تمہارے یہاں روزہ افطار کیا"

امام حاکم مندرجہ بالا حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ یحیٰی بن ابی کثیر انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں مگر اس حدیث کو یحیٰی بن ابی کثیر نے انس بن مالک سے نہیں سنا۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ بات سنداً ثابت ہے کہ یحیٰی نے ذکر کیا کہ یہ حدیث میں نے خود انس بن مالک سے نہیں سنی کسی شخص نے ان سے سن کر مجھے سنائی۔

۴۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ معلول حدیث بظاہر صحیح معلوم ہو مگر اس کی اسناد میں کوئی ایسا راوی ہو۔ جس کا سماع اپنے شیخ سے معروف نہ ہو۔ تو یہ علت اسی حدیث کو معلول بنا دے گی۔

Marfat.com

مثلاً موسیٰ بن عقبہ سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابو ہریرہ سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھا ہو۔ جہاں بہت شور و غل ہو۔ اور مجلس برخاست ہونے سے قبل یہ کلمات کہے۔ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" تو اس سے جو گناہ اس مجلس میں صادر ہوئے تھے۔ وہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اس حدیث کے متعلق امام مسلم نے امام بخاری سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ "یہ حدیث بڑی خوبصورت حدیث ہے اور دنیا بھر میں اس مضمون کی یہ واحد حدیث ہے مگر معلول ہے۔ اس لئے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل بن ابی صالح جس سے وہ روایت کرتے ہیں معروف نہیں

۵۔ معلول احادیث کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ کہ اس میں ظاہری طور پر کوئی عیب یا نقص واقع ہو۔ اگر اس کی اسناد صحت کے اعتبار سے بالکل درست ہوں۔ تو علمائے علت ظاہر نقص کی بنا پر یعنی جس سے اس حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث کو معلل قرار دے دیتے ہیں۔

۷۔ مُضْطَرِب :- ایسی حدیث جس کا راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی اسناد میں سے کسی راوی کو اس طرح تبدیل کر دے۔ کہ اسناد کے تقابل کے پیش نظر ترجیح کی کوئی صورت نہ ہو مُضْطَرِبَ کہلاتی ہے۔

ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دے سکنے کی صورت یہ ہے۔ کہ دونو روایتوں کے راوی برابر طور پر ثقہ ہوں۔ مگر چونکہ ایسی روایت کرنے والا راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔ جن کے نزدیک وہ روایت اس کی بیان کردہ اسناد سے ثابت نہیں تو اس سے اس روایت میں ضعف واقع ہوگا۔ اور یہ مضطرب کہلائے گی۔

Marfat.com

حدیث میں اضطراب عموماً اسناد ہی میں واقع ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات متن میں بھی ہو جاتا ہے۔ متن کی تبدیلی کو محدثین اضطراب سے بہت کم تعبیر کرتے ہیں۔

مضطرب فی الاسناد کی مثال

اس کی مشہور مثال حدیث ابوداؤد جو اس روایت سے ہے۔

اسماعیل بن امیہ عن ابی عمرو بن محمد بن حریث عن جدہ حریث عن ابی ھریرۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ قال اذا صلی احدکم فلیجعل شیئاً تلقاء وجھہ فان لم یجد عصا ینصبھا بین یدیہ فلیخط خطاً۔

اس میں شک نہیں کہ بشر بن المفضل اور روح بن القاسم نے تو اسمٰعیل سے اس طرح روایت کی ہے۔ مگر سفیان ثوری نے اسماعیل سے ان الفاظ میں روایت کی ہے جو مذکورہ بالا روایت کے الفاظ سے مختلف ہیں وہ الفاظ یہ ہیں

عن ابی عمرو بن محمد بن حریث بن سلیم عن ابیہ عن ابی ھریرۃ

مضطرب فی المتن کی مثال

حدیث فاطمہ بنت قیس ہے۔ یہ ہے۔ قالت سألت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الزکوٰۃ فقال ان فی المال حقا سوی الزکاۃ۔ ترمذی میں یہ حدیث انہی الفاظ سے مذکور ہے۔ مگر ابن ماجہ میں اس کے الفاظ یہ ہیں لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ۔

جس طرح معلل حدیث کی پہچان ایک مشکل امر ہے اس طرح مضطرب حدیث کی شناخت بھی اتنا آسان کام نہیں چنانچہ محدث علائی اپنی تصنیف التوضیح میں فرماتے ہیں۔

"حدیث مضطرب کی پہچان علوم الحدیث کے نہایت دقیق و عویص

...ائل میں سے ایک ہے وہی شخص اسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ
...روشن دماغ وسعت علم اور رواۃ رجال کے مراتب کی پہچان میں مہارت
...سے نوازا ہو۔

مقلوب :- ایسی حدیث جس کو راوی روایت کرتے وقت متن کے
...اظ یا سند میں راویوں کے اسماء میں تقدم یا تاخر کر دے۔ حدیث میں یہ نقص
...راوی کے ضبط میں نقص کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر ایسی تبدیلی راوی
...سہواً واقع ہو تو حدیث ضعیف ہو جائے گی۔ اور اگر عمداً پائی جائے
...ایسی حدیث کو موضوع قرار دیا جائے گا۔

...قلوب فی المتن مثال اس کی مثال صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث ہے جس کا متن یہ
" ورجل تصدق بصدقۃ اخفاھا حتی لا تعلم یمینہ
...تنفق شمالہ۔
اصل حدیث یوں ہے : حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ

...قلوب فی السند کی مثال مثلاً ایک روایت میں سند یوں ہے عن مرۃ بن کعب اس کو
اگر کعب بن مرہ بیان کر دیا جائے تو حدیث مقلوب بن
...ے گی۔ کیونکہ پہلی سند کے اعتبار سے کعب مرہ کے والد ہیں جبکہ دوسری
...سند کے اعتبار سے مرہ کعب کے والد ہیں۔
خطیب بغدادی نے مقلوب احادیث کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھی
...جس کا نام " رفع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب"
...بعض اوقات محدثین کا امتحان لینے کی غرض سے بعض حضرات متن یا سند
...ل دیتے۔ جیسے محدث ابو نعیم اور امام بخاری کا واقعہ کتب احادیث
...ند کو رہے۔ مگر نقاد حدیث اس کو مستحسن نہیں سمجھتے۔

متروک:۔ ایسے راوی کی روایت جس پہ عمداً جھوٹی حدیث روایت کرنے کی تہمت ہو۔ یا اس پہ دروغ گوئی کا الزام ہو۔ متروک کہا جاتا ہے۔ مثلاً صدقہ بن موسٰی کی فرقد سے روایت جو اس نے مرہ سے اور اس نے ابوبکر سے سنی۔ اسی طرح عمرو بن شمر کی جابر سے روایت جو اس نے حارث اعور سے اور اس نے حضرت علی سے سنی۔

فصل ششم

اسناد کی حیثیت سے احادیث کی تقسیم

۱۔ مرفوع ۲۔ موقوف ۳۔ مقطوع

مرفوع:۔ ایسی حدیث جس کی اسناد حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہو۔ نیز اس کے الفاظ سے یہ پتہ چلے کہ یہ صریحاً یا حکماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فعل یا تقریر ہے۔ مرفوع حدیث کہلاتی ہے۔

صریحاً قولی مرفوع کی مثال یہ ہے کہ صحابی یوں کہے "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کذا یا حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا یا صحابی یا غیر صحابی کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا یا عن رسول اللہ علیہ وسلم انہ قال کذا

صریحاً حدیث فعلی مرفوع کی مثال ہے کہ صحابی کہے کہ رائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذا یا صحابی یا غیر صحابی کہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل کذا۔

Marfat.com

صریحاً حدیث تقریری مرفوع کی مثال کہ صحابی کہے فعلت بحضرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا یا صحابی یا غیر صحابی کہے۔ کہ فعل فلانٌ بحضرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا انکار یا ناپسندیدگی کا اظہار ثابت نہ ہو۔

حکماً قولی مرفوع صحابی کا وہ قول جس میں نہ تو اجتہاد کو دخل ہو اور نہ ہی حل لغت و تغیر حدیث سے اس کا کوئی تعلق ہو۔ مثلاً انبیائے سابقہ نیز ابتدائے خلقت وغیرہ کے متعلق اخبار ماضیہ یا حروب، فتن و قیامت کے متعلق اخبار مستقبلہ اسی طرح ایسی اخبار جو اعمال و افعال کے مخصوص ثواب یا عتاب کے متعلق ہے۔ ان سب کو حکماً مرفوع کہا جائیگا۔

اس لئے ان اخبار کے متعلق یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی خبر دینے والے سوائے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں۔ کیونکہ اصحابہ بنی اسرائیل کے قصص سے محترز رہتے تھے۔ اس لئے اصحابی کی اس قسم کی خبر کو حکماً حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اصحابی نے ایسی خبر حضور سے بالواسطہ سنی ہو یا بلا واسطہ۔

اسی طرح **حدیث حکماً مرفوع فعلی** کی مثال صحابی کا ایسا فعل ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ مثلاً حضرت علی کا نماز کسوف پڑھنا۔ اسی سے امام شافعی نے فرمایا کہ نماز کسوف میں ہر رکعت میں دو سے زائد رکوع ہوتے ہیں۔

حکماً حدیث تقریری مرفوع اس کی مثال یہ ہے کہ اصحابی کہے انھم کانو یفعلون فی زمان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کذا۔

(اصحابہ کا فعل حکماً حدیث تقریری اس طرح بن جاتا ہے۔ کہ اصحابہ کو دینی امور میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تحقیق و تجسس کا بے حد شوق تھا۔ اور یہ بات قابل یقین نہیں کہ انہوں (اصحابہ) نے کوئی فعل حضور کو اطلاع دیئے بغیر

کیا ہے۔

حکماً مرفوع میں کنایہ کا بیان ایسی حدیث جس کو کنایۃً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جائے وہ بھی حکماً مرفوع کے حکم میں ہو گی۔ مثلاً صحابی سے تابعی نقل کر کے کہے یرفع الحدیث یا یرویہ یا ینمیہ یا روایۃ یا یبلغ بہ یا رواہ۔ اسی طرح اصحابی کا قول امرنا بکذا یا نھینا عن کذا بھی اکثر کے نزدیک حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ امر و نہی کا تعلق بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے۔

موقوف:۔ اگر روائت کی اسناد اصحابی پر ختم ہو اور روائت کے الفاظ اس امر کے مقتضی ہوں کہ یہ صحابی کا فعل۔ قول یا تقریر ہے۔ تو اسے حدیث موقوف کہا جاتا ہے۔

مثلاً راوی اس طرح کہے۔ "قَالَ عُمَرُ ابن خطاب کذا" "قال عَلیّ کذا" یا "فعل فلان بحضرۃ ابوبکر کذا"۔ یعنی فلاں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس طرح کہا۔ آپ نے منع نہ فرمایا۔

مثالیں ا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا۔"

اسی طرح جب موذن اذان دے رہا ہو اور کوئی شخص مسجد میں موجود ہو تو اس کے متعلق اصحابی فرماتے ہیں "اس نے ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی"۔

مقطوع:۔ تابعی کے قول و فعل یا تقریر کو حدیث مقطوع کہتے ہیں۔

مقطوع اور منقطع میں فرق اگرچہ مجازاً ان میں کوئی فرق نہیں ایک کا دوسری پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ان میں فرق ہے وہ یہ ہے۔ کہ مقطوع صفت متن ہے۔ اور منقطع صفت اسناد ہے۔

اثر: موقوف اور مقطوع حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں۔

مُسند مرفوع صحابی کو جو ایسے اسناد سے ثابت ہو کہ بظاہر متصل ہو مُسند کہا جاتا ہے۔

اصحابی کی تعریف جس شخص کو ایمان کی حالت میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ اصحابی کہلاتا ہے۔ ملاقات کے لئے باہمی گفتگو شرط نہیں۔ اس لئے کہ ملاقات باہمی نشست و برخاست سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض نے ملاقات کی جگہ رویت شرط عاید کی مگر یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ اس شرط کے پیش نظر نابینا اصحابی مثلاً ام کلثوم شرف صحابیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس شخص نے بحالت کفر حضور کو دیکھا ہو اور تا دم آخر اسی حالت پر رہا ہو۔ یا وہ کتابی ہو تو ایسی صورت میں وہ اصحابی نہیں کہلا سکتا۔

اگر کوئی شخص حالت ایمان میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا یعنی اس کی ملاقات ہوئی بعد میں مرتد ہو گیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو وہ بھی اصحابہ میں شامل نہیں۔ مگر ایسا شخص جو بعد میں دوبارہ ایمان لے آیا بقول اجرا اصحابہ میں شامل رہے گا۔ اس کی مثال عبداللہ بن جحش اور ابن اخطل۔

صحابی کی شناخت یا تو تواتر سے ہوتی ہے یا شہرت سے اور کبھی کسی صحابی یا ثقہ تابعین کے بیان سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات صحابی کے دعوے سے بھی ہوتی ہے۔

تابعی کی تعریف: تابعی وہ ہے جس کو صحابی کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہو۔ اور بحالت ایمان دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ ملاقات کے لئے یہاں بھی وہ معنی مراد لئے جائیں گے۔ جو صحابی کی تعریف میں لئے گئے۔ بعض کے نزدیک تابعی کے لئے شرط یہ ہے۔ کہ وہ اصحابی کی خدمت میں مدت تک رہا ہو۔ اور اس سے اس کا سماع حاصل ہو۔ مگر یہ قول جمہور

محدثین کے قول کے خلاف ہے۔

فصل ہفتم

موضوع حدیث

(تعریف۔ قواعد معرفت اور اسباب وضع)

موضوع حدیث کی تعریف ایسی حدیث جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد نہ ہوئی ہو، بلکہ اس کو روایت کرنے والا اسے خود بخود گھڑ لے اور عمداً جھوٹ بول کر اسے حضور کی طرف منسوب کرے موضوع کہلاتی ہے۔

ایسی حدیث کے الفاظ مع سند واضع کے خود وضع کردہ ہوتے ہیں محدثین نے ایسی احادیث کے امتیاز کے لئے ایسے اصول وضوابط بنائے ہیں، جن سے موضوع حدیث کی شناخت ہو سکتی ہے۔ گو یہ اصول بہت سے ہیں۔ تاہم مندرجہ ذیل پانچ ضوابط یا قواعد ہی کافی ہیں

قواعد معرفت پہلا قاعدہ:۔ موضوع حدیث وضع کرنے والا خود اعتراف کرے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی ہے، جیسے ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے جو نوح الجامع کے لقب سے مشہور تھا قرآن پاک کی سورتوں کے فضائل کے متعلق احادیث وضع کیں اور ان کو حضرت عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب کر دیا۔ مگر خود اس کا اعتراف کر لیا۔ البتہ یہ

جمہور محدثین نے اس قاعدہ کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ ابن دقیق العید کہتے ہیں۔ کہ خود اقرار کرنے سے اس حدیث کا موضوع ہونا یقینی امر نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ اقرار ہی جھوٹا ہو۔ مگر ابن حجر عسقلانی کے قول کے مطابق اس حدیث پر ظن

غالب کے طور پر وضع کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ قتل کا اقرار کرنے والے کو قتل کا اور زنا کا اقرار کرنے والے کو رجم کا حکم دیا جاتا ہے۔

دوسرا قاعدہ ۔ نحو کے اعتبار سے۔ یا معنی اور مفہوم کے لحاظ سے حدیث میں کوئی خرابی نظر آئے۔ جس حدیث میں ایسی خرابی ہو اس کے موضوع ہونے پر اس لئے حکم لگایا جاتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے اور مذکور غلطی کا حضور سے صدور ممکن ہی نہیں۔ ماہرین حدیث اس قاعدہ کی مدد سے فوراً موضوع حدیث پہچان لیتے ہیں۔

حدیث میں معنوی نقص لفظی اور لغوی (نحوی) نقص سے زیادہ قابل مذمت ہے چنانچہ "التدریب" میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ اصل عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:- "جہاں بھی معنوی فساد پایا جائے گا۔ ہم سمجھیں گے وہ حدیث موضوع ہے۔ اگرچہ اس میں غیر معیاری الفاظ نہ بھی ہوں۔ اس لئے کہ اسلام کا دامن نحویوں سے مالا مال ہے بسا اوقات غیر معیاری الفاظ سے حدیث کا موضوع ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ احتمال یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ راوی نے یہ روایت بالمعنیٰ کی ہو۔ اور حدیث کی اصلی الفاظ کی جگہ اپنے الفاظ رکھ دیئے ہوں جو فصیح نہ ہوں۔ البتہ اگر راوی دعویٰ کرے کہ یہ حضور کے الفاظ ہیں۔ تو وہ کذاب ٹھہرے گا:

تیسرا قاعدہ :- اگر کوئی حدیث عقل سلیم یا حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو کہ اس میں تاویل بھی نہ ہو سکے۔ تو ایسی حدیث موضوع قرار دی جائے گی۔ مثلاً محدث ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں محمد بن شجاع سے یہ حدیث روایت کی۔ جو یہ ہے۔ کہ "محمد بن شجاع نے حبان بن ہلال سے حبان بن ہلال نے حماد بن مسلم سے اس نے ابو المہزم سے اس نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالےٰ نے گھوڑے کو پیدا کر کے دوڑایا تو وہ پسینہ سے شرابور ہو گیا۔ پھر اپنی ذات سے اسے جنم دیا" اس حدیث کے موضوع ہونے کے قاعدہ سے میں علامہ سیوطی "التدریب" میں فرماتے ہیں۔ کوئی مسلم ایسی حدیث دیا کر

کرسکتا۔ اس کو وضع کرنے والا محمد بن شجاع ہے جو بڑا بے دین شخص تھا۔ ویسے بھی یہ حدیث عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

چوتھا قاعدہ:۔ ایسی حدیث جس میں بالکل معمولی سی بات جیسے فعل مستحب کرنے پر بہت زیادہ اجر کا وعدہ کیا گیا ہو۔ اور معمولی سی بات مثلاً فعل مکروہ کے سرزد ہو جانے سے جہنم کی وعید ہو موضوع ہو گی۔ اس قسم کی موضوع احادیث بالعموم افسانہ گو لوگ، محض عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے وضع کرلیا کرتے ہیں۔

پانچواں قاعدہ:۔ جس شخص کی دروغ گوئی اور بے دینی ثابت ہو اور وہ محض اپنے خیالات و نظریات کی تائید کرنے کے لئے باقاعدہ احادیث وضع کرتا ہو۔ تو اس کی روایت کردہ حدیث کو موضوع قرار دیا جائے گا

مثلاً "التدریب" میں ہے کہ حاکم نے سیف بن عمر سے واقعہ نقل کیا۔ کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اچانک اس کا ایک لڑکا مدرسہ سے روتا ہوا آیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اسے استاد نے پیٹا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں انہیں یعنی استادوں کو آج ذلیل کرکے چھوڑوں گا۔ اس نے اسی وقت ایک حدیث گھڑ کر سنا دی کہ مجھے عکرمہ نے ابن عباس سے سن کر مرفوعاً بتایا کہ تمہارے بچوں کے استاد شریر ترین لوگ ہوں گے۔ وہ یتیموں پر بہت کم رحم کرنے والے اور مسکینوں پر بہت سخت ہوں گے۔ (التدریب)

زمانہ وضع

اسباب وضع تاریخی نقطہ نظر سے احادیث وضع کرنے کا مذموم فعل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے عہد خلافت میں ۴۱ھ سے شروع ہو کر جب کہ کئی ایک نئے فرقے مثلاً روافض و خوارج نمودار ہوئے۔ انہوں نے اپنے عقائد و نظریات کی تائید میں احادیث کو خود اختراع شروع کر دیں۔ اسی طرح اصحاب بدعت بھی محض اپنی بدعات کو شرعی قرار دینے کی غرض سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کرتے رہے۔

Marfat.com

چنانچہ عبداللہ بن یزید المقری فرماتے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"ایک بدعتی آدمی نے جب اپنا مسلک و مشرب چھوڑ دیا تو کہنے لگا جب تم کوئی حدیث روایت کرنے لگو تو دیکھو کہ تم یہ حدیث کس سے حاصل کر رہے ہو۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب کوئی نظریہ اختیار کرتے تو اس کی تائید میں کوئی حدیث وضع کر لیتے۔

۲۔ بعض اوقات علماء سوء محض صاحب اقتدار لوگوں کی نظر میں مقرب اور مقبول بننے کے لیے ان کی مدح سرائی میں موضوع احادیث وضع کر لیتے اور یہ موضوعات کی سب سے بڑی قسم ہے۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی کا واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ وہ خلیفہ عباسی مہدی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس کے پاس ایک کبوتر تھا جس کیساتھ وہ کھیل رہا تھا۔ غیاث بن ابراہیم سے کہا گیا کہ حدیث سنائیے۔ اس نے فوراً ایک مرفوع حدیث سنا دی اور کہا کہ "لاسبق الا فی خف او نصل او حافر او جناح"۔ اس میں او جناح صرف خلیفہ کی خوشنودی کے لیے بڑھا دیا۔ مگر خلیفہ کو معلوم ہو گیا تو اس نے خود کبوتر کو ذبح کروا دیا۔

۳۔ بعض ہوا و ہوس اور جھوٹی شہرت کے خواہاں محض اپنی شہرت کے لیے حدیثیں وضع کر لیتے ہیں۔ تاکہ ان کو سنا کر عوام الناس میں مقبول ہو جائیں۔

چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ محدث ابن الجوزی اپنی سند کے ساتھ جعفر بن محمد طیالسی سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رصافہ تشریف لے گئے۔ مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ایک واعظ کھڑا ہو گیا اور ایک حدیث بیان کرنے لگا۔ کہ "مجھے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث سنائی۔ انہوں نے عبدالرزاق سے اس نے معمر سے اس نے قتادہ سے اس نے انس سے روایت کی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

شخص لا الٰہ الا اللہ کے الفاظ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر لفظ کے عوض ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور پر مرجان کے غرض یہ کہ اس قسم کے کوئی بیس صفحے سنا دیتے۔ یہ حدیث سن کر یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہر ایک نے اس حدیث کے متعلق اپنی بے خبری کا اظہار کیا۔ جب واعظ سے فارغ ہوا۔ تو ان حضرات نے اسے اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا کہ اس نے یہ حدیث کہاں سے سنی۔ اس نے کہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو کہنے لگا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی یحییٰ اور احمد نہیں ہے۔

۴۔ کبھی علم کی نمائش کرنے والے مشہور اسناد جو انہیں از بر ہوتی ہیں کوئی حدیث گھڑ کر کسی ایک سند کے ساتھ چسپاں کر دیتے ہیں۔

۵۔ اس ضمن میں سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ متصوفین میں سے بعض نے ترہیب و ترغیب کی غرض سے وضع احادیث کا کام شروع کر دیا۔ اور اسے کار خیر اور خدمت دین تصور کیا۔ حالانکہ یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ گویا ایسے لوگوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پر از حکمت ارشادات کا لازوال سرمایہ ناکافی تھا۔ اس سلسلہ میں یحییٰ بن قطان کہتے ہیں "جس قدر جھوٹ میں نے اہل خیر میں شمار کئے جانے والوں لوگوں میں دیکھا ہے اور کسی میں نہیں دیکھا"

وضع حدیث پر وعید

حدیث کو وضع کرنا یا موضوع حدیث کا روایت کرنا بالاتفاق حرام ہے ایسے شخص کے لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی۔ فرمایا "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار"۔ امام الحرمین ابو محمد جوینی نے تشدداً ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دیا ہے جو عمداً حضور پر جھوٹ باندھتا ہے۔

موضوعات پر ضروری تبصرہ

موضوع احادیث کی تعداد بے شمار ہے حماد بن زید کے قول کے مطابق زندیقوں کی وضع کردہ حدیثوں کی تعداد چودہ ہزار ہے مہدی عباسی کے عہد میں

Marfat.com

جب ایک واضع احادیث عبدالکریم بن ابی العوجاء کو قتل کے لیے لایا گیا تو اس نے اعتراف کیا تو اس نے چار ہزار ایسی موضوع احادیث روایت کیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا گیا تھا۔ موضوع احادیث کے بارے میں محدثین کی کئی ایک تصانیف ہیں خصوصاً ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ کی کتاب الموضوعات جو ان سب سے مشہور ہے مگر اس میں بھی ابن جوزی نے قدرے تجاوز کیا ہے کہ بعض صحیح اور حسن روایات کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی ایک مرفوع حدیث اور مسند امام احمد کی پندرہ احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے نیز امام سیوطی نے ابن جوزی پر تنقید کی اور دلائل سے ثابت کیا کہ اس کا ان احادیث کو موضوع قرار دینا درست نہیں۔

فصل ہشتم

(دیگر اقسام حدیث)

مُدرَج۔ مُسلسَل۔ مُصحّف۔ مُتفق۔ مُؤتلف۔ مبہم

مدرج: ایسی حدیث جس کے متن یا سند میں تغیر کر دیا گیا ہو مُدرَج کہلاتی ہے
اس کی دو اقسام ۱۔ مُدرج الاسناد۔ ۲ مُدرج المتن۔

۱۔ مدرج الاسناد کی مندرجہ ذیل معروف صورتیں ہیں۔

اولاً یہ کہ چند اشخاص نے ایک حدیث کو مختلف اسناد سے روایت کیا ہو پھر ایک راوی نے سب کو ایک ہی سند پر متفق کر کے اسی ایک سند سے اس حدیث کو روایت کر دیا ہو۔ اور اسناد کے اختلاف کا ذکر نہ کیا ہو۔ اس کی مثال ترمذی کی وہ حدیث ہے جسے سفیان نے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں عن بندار عن عبد الرحمٰن بن مھدی عن سفیان الثوری عن واصل ومنصور والاعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبیل عن عبد اللہ ابن مسعود

قال قلت یارسول اللہ ای الذنب اعظم (الحدیث)

اسی حدیث کے متعلق واصل، منصور اور اعمش کی علیحدہ علیحدہ اسناد ہیں مگر سفیان نے ان تینوں حضرات کو ایک ہی اسناد پر متفق کرکے حدیث کو روایت کیا اور اسناد کے اختلاف کو واگذاشت کر دیا۔

ثانیاً ایک راوی کے نزدیک کسی حدیث کے متن کا ایک حصہ ایک اسناد سے اور دوسرا حصہ دوسری اسناد سے ثابت ہو۔ وہ دونوں حصوں کو ملا کر ایک ہی سند سے روایت کر دے۔

چنانچہ سفیان بن عیینہ کی روایت جو نسائی میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں "عن سفیان بن عیینہ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن ابی وائل بن حجر فی صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیہ۔ ثم جئتھم فی زمان فیہ برد شدید الخ عاصم کے نزدیک حدیث کے متن کے یہ الفاظ ثم جئتھم فی زمان اس اسناد سے ثابت نہیں بلکہ اس اسناد سے ثابت ہے مگر اس کے شاگرد سفیان نے متن کے اس حصے کو دوسرے حصے کے ساتھ ملا کر بایں اسناد روایت کر دیا۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی نے متن کا ایک حصہ بلا واسطہ اپنے شیخ سے اور دوسرا حصہ بالواسطہ اپنے شیخ سے سنا پھر دونوں حصوں کو اپنے شیخ سے روایت کر دیا۔

ثالثاً۔ راوی کے نزدیک دو مختلف متن دو مختلف اسناد سے ثابت تھے۔ مگر اس کے شاگرد نے دونوں کو ملا کر ایک ہی اسناد کے ساتھ روایت کر دیا۔ چنانچہ حدیث سعید بن ابی مریم عن مالک عن الزھری عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولا تنافسوا ولا تدابروا۔ الحدیث۔ اب ولا تنافسوا اس متن کا حصہ نہیں بلکہ اور متن کا حصہ ہے۔ مگر مالک کے شاگرد نے اس کو اس متن کے ساتھ

Marfat.com

ملا کر روایت کر دیا۔

رابعاً۔ اسناد میں تغیر کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ شیخ نے ایک اسناد بیان کی اور قبل اس کے کہ وہ متن بیان کرے کسی ضرورت سے کوئی کلام کی۔ شاگرد نے اس خیال سے کہ یہ کلام بھی اسناد کا حصہ ہی ہے۔ اسے اسناد ہی میں بطور متن شامل کر لیا۔ اور اس اسناد سے اس کلام کو اس شیخ سے روایت کرنے لگا

مدرج المتن :- جیساکہ ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ مدرج المتن وہ حدیث ہے۔ جس کے متن میں تغیر کر دیا گیا ہو۔ یہ تغیر کبھی تو متن کے ابتدائی حصے میں ہوتا ہے کبھی وسط میں اور کبھی آخری حصہ میں ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ متن کے ابتدائی حصہ میں تغیر :- خطیب بغدادی نے بطریق ابو قطن و شبابہ از شعبہ از محمد بن زیاد از ابی ھریرہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ وَیْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ۔"

اس حدیث کے آغاز میں اسبغوا الوضوا کے الفاظ حضور نے نہیں فرمائے بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے درج کئے ہیں۔ ابو قطن اور شبابہ نے جب شعبہ سے روایت کی تو انہوں نے حدیث کے اس حصے کو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھا۔ اس ادراج کا ثبوت احادیث کثیرہ سے ہوتا ہے۔ جن میں یہ دونوں الفاظ موجود نہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے یہی حدیث بطریق آدم از شعبہ از محمد بن زیاد عن ابی ہریرہ نقل کی ہے۔ مگر اس میں اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ کے الفاظ درج نہیں کئے۔

۲۔ متن کے وسط میں ادراج کی مثال :۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام نسائی نے حضرت فضالہ سے مرفوعاً روایت کیا متن یہ ہے۔ اَنَا زَعِیْمٌ وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَاَسْلَمَ وَھَاجَرَ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ - اس حدیث میں "وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ" کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ بلکہ راوی ابن وہب کے الفاظ ہیں۔ انہوں نے یہ الفاظ زعیم اپنی طرف سے حدیث کی تشریح کی غرض سے بڑھا

دیئے۔ مگر ان سے روایت کرنے والے راوی نے اسے حدیث کا ایک حصہ ہی بنا دیا۔

آخر حدیث میں ادراج :۔ حدیث کے آخری حصہ میں ادراج عموماً واقع ہوتا ہے اس لیے کہ بعض راوی حدیث کی توضیح و تشریح کی غرض سے حدیث کے آخر میں چند الفاظ ذکر دیتے ہیں۔ اس کی مثال ابوہریرہ کی صحیح مرفوع روایت ہے کہ "غلام کو دو اجر ملیں گے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر جہاد، حج اور والدہ کی اطاعت کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں مرنے کو ترجیح دیتا۔" اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ صرف یہ ہیں۔ "غلام کو دو اجر ملیں گے" ابوہریرہ نے غلام بننے کی آرزو کا اظہار کر کے حدیث میں مذکور اجر و ثواب کی تائید کر دی۔ ظاہر ہے کہ جب حضور غلاموں کو آزاد کرنے کی تعلیم دیں تو آپ ایسی خواہش کا اظہار کیسے فرما سکتے ہیں۔

ادراج کے اسباب :۔

یہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ راوی بعض اوقات حدیث میں استعمال ہونے والے بعض نادر الفاظ کی تشریح کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے ادراج کر دیتا ہے۔

۲۔ راوی حدیث کے آغاز میں چند کلمات بطور تمہید ذکر کر دیتا ہے۔

۳۔ راوی حدیث سے کوئی شرعی مسئلہ اخذ کرتا ہے۔ حدیث کے وسط یا آخر میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے۔

مدرج کی پہچان :۔

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کی نسبت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف محال ہو۔

مثلاً حدیث "الطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا ۔۔۔۔" اس حدیث میں آخری عبارت حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی درج کردہ ہے۔ اس لیے مشرکیہ کلمات کو حضور کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صحابی خود تصریح کر دے کہ یہ فقرہ میں نے خود

Marfat.com

ادراج کیا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فقرہ کہتے سنا "مَنْ جَعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا اُدْخِلَ النَّارَ۔ اور دوسرا فقرہ میں خود کہتا ہوں۔

مَنْ مَاتَ لَا یَجْعَلُ لِلّٰہِ نِدًّا دَاخِلَ الْجَنَّۃَ۔"

چنانچہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے " ایک فقرہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور دوسرا میں خود کہتا ہوں۔

۲۔ مدرج حدیث کی پہچان کا تیسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ راوی صراحتہً مرفوع حدیث سے مدرج حدیث کو علیحدہ کرے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود تشہد کے بارے میں حدیث ذکر کرنے کے بعد خود فرماتے ہیں " جب تم نے یہ سب کچھ کر لیا کر تو تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ اگر چاہو تو اٹھ جاؤ ورنہ بیٹھے رہو۔ (ابو داؤد) یہ عبارت مدرج ہے چنانچہ ثبابہ بن سوار نے عبداللہ بن مسعود سے جو روایت بیان کی ہے اس بات سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

مسلسل:- ایسی حدیث جس کے تمام راوی اول تا آخر ایک ہی قسم کے الفاظ مثلاً سمعت یا حدثنا سے حدیث کو روایت کریں۔ یا سب کے سب ایک ہی قول پر متفق ہو جائیں۔ گویا اس حدیث میں ایک ہی قول یا فعل کی بار بار تکرار پائی جائے نیز وہ متصل بھی ہو اور تدلیس سے بھی پاک ہو مسلسل کہلاتی ہے۔

ابن کثیر کے قول کے مطابق ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔ کیونکہ اقوال و افعال کو نقل کرنے میں ایسا تسلسل بہت دشوار ہوتا ہے۔ حدیث کی صحت کے لئے محض اس کا مسلسل ہونا کافی نہیں بلکہ اس کی اسناد اور اس کے متن کی تحقیق و تلاش کی جائے گی۔

امام ابن حجر کی تحقیق کے مطابق مسلسل ہونا اسناد کی صفت ہے

مثال صحیح ترین مسلسل حدیث کی مثال وہ ہے جو سورۃ صف کی تلاوت کے میں مذکور ہے۔

Marfat.com

"الفتاں رب" میں یہ حدیث بایں الفاظ منقول ہے۔ کہ عبداللہ بن سلام روایت کرتے ہیں کہ ہم چند صحابہ آپس میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کام کونسا ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کریں۔ اس پر سورہ صف نازل ہوئی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ یہ سورۃ عبداللہ بن سلام نے ہمیں سنائی۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ سورہ ابو سلمہ نے ہمیں پڑھ کر سنائی۔ اوزاعی کا بیان ہے کہ یحییٰ نے یہ سورت تلاوت کی۔ محمد بن کثیر کہتے ہیں۔ کہ اوزاعی نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی۔ محدث دارمی کہتے ہیں کہ محمد بن کثیر نے سورہ صف تلاوت کی۔

حدیث مسلسل کے قاری کی ایک ہی طرح کے فعل میں تسلسل کا پایا جانا حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ مثلاً محدث حاکم نے حدیث بیان کی کہ احمد بن حسین قاری نے میرے پنجہ میں پنجہ ڈالا۔ اور کہا ابو عمر عبدالعزیز بن عمر بن حسن نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا میرے باپ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابراہیم بن ابی یحییٰ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا۔ اور کہا صفوان بن مسلم نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ایوب بن خالد انصاری نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا۔ اور کہا عبداللہ بن رافع نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابو ہریرہ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا۔ اور کہا ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا۔ اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا۔ پہاڑوں کو اتوار کے دن۔ درختوں کو سوموار کے دن مکروہات کو منگل کے دن نور کو بدھ کے دن۔ مویشیوں کو جمعرات کے دن اور آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔"

اگرچہ مسلسل حدیث میں اقوال و افعال کا بار بار تکرار شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مگر امام حاکم کے نزدیک ان میں بھی صحیح اور حسن پائی جاتی ہیں۔ منصوصاً ایسی مسلسل حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ہوگا۔ جس کے راوی حفظ و ضبط

Marfat.com

کے اوصاف سے متصف ہوں اور وہ حدیث کو روایت کرتے وقت سمعت حدثنا اور اخبرنا کے الفاظ کے ساتھ حدیث کو روایت کریں۔ حتیٰ کہ یہ حدیث نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

مسلسل حدیث کی ایک قسم وہ بھی ہے۔ جو قطعی علم کا فائدہ دیتی ہے۔ اس قسم کی حدیث وہ ہے۔ جس کے راوی حفظ و ضبط و دیگر اعلےٰ قسم کی صفات کے ساتھ موصوف ہوں۔

اَلْمُصَحَّف :۔ ایسی حدیث جس میں لفظوں کی تبدیلی کر کے ایک حرف یا چند حروف کو بگاڑ دیا گیا ہو۔ مگر اس کی ظاہری صورت میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔ اس کو مصحف کہتے ہیں۔ اور اگر حرف کی شکل بھی تبدیل ہو جائے تو اسے محرف کہتے ہیں۔

مثال ”من صام رمضان ثم اتبعہ ستاً من شوال۔“ ابوبکر الصولی نے تصحیف کر کے ستاً کو شیئاً بنا دیا۔

تصحیف عموماً احادیث کے متون ہی میں ہوتی ہے۔ مگر بعض اوقات اسناد کے ناموں میں بھی ہو جاتی ہے۔

”اختصار علوم الحدیث“ میں تصحیف فی السند کا واقعہ یوں مذکور ہے۔ کہ جب محمد بن یحییٰ ذہلی کا انتقال ہو گیا تو محش نام کے ایک شیخ نے اس مشہور حدیث ”یا ابا عمیر ما فعل النغیر؟“ پڑھاتے وقت نغیر کی بجائے نعیر پڑھا دیا۔ تصحیف فی المتن کی مثال پہلے گذر چکی ہے۔

پہچان :۔ تصحیف کی اصل درحقیقت درس و مطالعہ میں غلطی ہے۔ سماع حدیث میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

مثلاً راوی کا نام یا لقب یا اس کے باپ کا نام اور لقب کسی دوسرے نام اور اس کے باپ کے نام کے وزن پر ہو۔ اگرچہ یہ حروف شکل و صورت اور نقطوں کے لحاظ سے مختلف ہوں مگر سماع میں شبہ پڑ جاتا ہے۔

Marfat.com

مثلاً عاصم احول کو واصل احدب لکھ دیا جائے۔ سماع میں غلطی سے احادیث میں تصحیف کا ہو جانا ایک حقیقت ہے۔ آئمہ اصول نے مصحف احادیث کی پہچان کے لیے رواۃ احادیث کے نام مع ان کے القاب کنیتیں، ان کی جائے سکونت ان کے پیشے قلمبند کر دیئے۔ اور ایسے راویوں کے متعلق تحقیق کی جو کئی ایک ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ یا وہ جو کنیت کی بجائے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ یا ایسے القاب و انساب جو ظاہری طور پر ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ مگر اصل میں علیحدہ تھے۔ اس ضمن میں نقاد حدیث کی کد و کاوش کا یہ نتیجہ ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں تصحیف فوراً معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی تصحیف چھپی نہیں رہ سکتی۔

معنعن:۔ جو حدیث "فلان عن فلان" کے الفاظ سے روایت کی گئی ہے۔ اور صراحتہً سماع حدیث کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ حدیث معنعن کہلاتی ہے۔

جمہور محدثین کے مذہب کے مطابق معنعن حدیث کو متصل قرار دیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔

۱۔ راوی عادل ہو۔ ۲۔ راوی کی ملاقات اپنے استاد سے ثابت ہو۔ ۳۔ راوی تدلیس کے عیب سے پاک ہو۔

حدیث معنعن کے متعلق محدثین کا اختلاف

صحیح مسلم میں بہ نسبت دیگر صحاح کی معنعن احادیث کی تعداد زیادہ ہے۔ امام مسلم کے نزدیک اس حدیث کو متصل قرار دینے کے لیے راوی کو اپنے شیخ سے ملاقات کی شرط تسلیم نہیں کرتے۔ بخلاف امام بخاری اور ان کے شیخ ابن المدینی و دیگر اکابر محدثین امام مسلم نے حدیث معنعن کے متعلق اپنے مسلک کی بنیاد ان متقدمین اور متاخرین علماء حدیث پر رکھی ہے۔ جن کے نزدیک عن عن کے ساتھ روایت کردہ حدیث دین میں حجت سمجھی جاتی ہے۔ بشرطیکہ راوی و مروی ثقہ و باہم عصر ہوں۔ مگر امام نووی کے نزدیک امام مسلم کا یہ نظریہ ضعیف ہے۔ وہ فرماتے ہیں "محدثین نے امام مسلم کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جس نظریہ کی انہوں نے

Marfat.com

تردید کی ہے۔ صحیح مذہب وہی ہے۔ اور سب آئمہ حدیث اسی کو درست خیال کرتے ہیں۔
حدیث معنعن کے متعلق حافظ ابن حجر فیصلہ کن بات فرماتے ہیں جو یہ ہے۔

۱۔ عَنْ عَنْ کے الفاظ سے روایت کی ہوئی حدیث حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا ہی کی مانند ہے۔

۲۔ جب کوئی مُدَلِّس راوی ایسی روایت بیان کرے تو اس صورت میں یہ حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا کے مانند نہیں ہو گی۔

۳۔ عَنْ عَنْ کیساتھ کی ہوئی روایت ایسی حدیث کی مانند ہے جیسے اَخْبَرَنَا سے روایت کو کیا جائے مگر اس کی روایت کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔ البتہ اس کا مرتبہ سماع سے کم تر ہو گا۔

مُؤَنَّن :۔ جس حدیث کی سند میں حَدَّثَنَا فُلَانٌ اَنَّ فُلَانًا کے الفاظ ہوں اُسے مُؤَنَّن کہتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک حدیث مُعَنْعَنْ اور مُؤَنَّن میں کوئی فرق نہیں بلکہ مساوی ہیں۔ علمائے لسانیات کے نزدیک ان الفاظ کو بھی سماع ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ البتہ امام بردیجی اس قسم کی روایات کو منقطع قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ کہ اور کسی سند سے اس کا سماع ثابت ہو جائے۔

مبہم ۔ بعض اوقات رواۃ حدیث اختصار کی غرض سے دوسرے راوی کا نام جس سے حدیث روایت کر رہے ہوں ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ اخبرنی فلانٌ او شیخٌ اور رجلٌ او بعضھم اور ابن فلان اس قسم کی روایت کو مبہم کہتے ہیں۔ ایسی روایات کے متعلق بھی آئمہ فن نے المبہمات کے نام سے کتابیں لکھیں ہیں۔

مبہم حدیث کو اصح قول کے مطابق قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ قبولیت حدیث کے لئے راوی کی عدالت شرط ہے۔ مگر جب سند میں اس کا نام ہی مذکور نہ ہو تو عدالت کی تشخیص کیسے ہو گی۔

Marfat.com

تیسرا باب

فصل اوّل

راوی پر طعن

راوی کی عدالت پر طعن | حدیث کے اسناد کے میں راوی کی عدالت پر طعن بالعموم پانچ وجوہ سے ہوتا ہے۔ یہ وجوہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ راوی کا قصداً عمداً ایک من گھڑت اور جھوٹی روائت کا حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا۔ ایسے راوی کی اس قسم کی روائت کو موضوع کہا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل مکمل طور پر پہلے آچکی ہے۔ ایسا فعل بالاتفاق حرام ہے۔ اور حدیث میں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس کیلئے سخت وعید ہے۔ بعض نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اس لیئے کہ وہ قصداً حضور پر جھوٹ باندھتا ہے۔

۲۔ راوی کا قصداً جھوٹی حدیث روائت کرنا ثابت تو نہ ہو مگر تہمت ہو۔ کہ اس کی جانب سے یہ حدیث روائت ہوئی ہے۔ ایسے راوی کی روائت کردہ حدیث کو بھی متروک قرار دیا جاتا ہے۔ نیز ایسا راوی جو دروغگوئی میں مشہور ہو اگرچہ حدیث نبوی کے متعلق اس کی دروغگوئی ثابت نہ ہو۔ اس کی حدیث بھی قبول نہیں کی جاتی۔ اور اسے بھی متروک کیا جاتا ہے۔

۳۔ راوی کا قولاً یا فعلاً فسق میں مبتلا ہونے کا خدشہ پایا جائے۔ ایسے راوی کی روائت کو منکر کہتے ہیں۔

۴۔ راوی کا اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا بایں طور کہ وہ روائت کی اسناد میں یا اس کے متن میں تغیر پیدا کردے۔ اس کا ذکر بالتفصیل مُدرج

Marfat.com

حدیث کے ضمن میں آ چکا ہے۔

۵۔ راوی میں بدعت کا پایا جانا۔ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جس سے کفر لازم آئے دوسری وہ جس سے فسق ثابت ہو سکے۔ اول الذکر قسم کی بدعت جس راوی میں پائی جائے اس کی حدیث جمہور کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی۔

مؤخر الذکر قسم کی بدعت جس راوی میں پائی جائے اس کے متعلق اختلاف ہے بعض کے نزدیک مردود ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ ایسا بدعتی جو اپنی بدعت کی دعوت نہ دے اور نہ ہی اس کی روایت اس کی بدعت کی مؤید ہو تو اس صورت میں اس کی روایت کردہ حدیث قبول کی جائے گی۔ ابن حبان کا یہی قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے کتاب معرفتہ الرجال میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ کہ اگر راوی صادق الکلام ہو اگرچہ خود سنت کا مخالف ہو تو اس کی روایت اس شرط پہ قبول کی جائے گی۔ کہ وہ اس کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔

راوی کے ضبط پر طعن کے وجوہ

۱۔ راوی سے کثرت کیساتھ غلطی سرزد ہوتی ہو۔ ایسے راوی کی روایت کو منکر کہا جاتا ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

۲۔ راوی سے بکثرت غفلت و نسیان کا ہونا۔ اس قسم کے راوی کی روایت کو بھی منکر کہا جاتا ہے۔

۳۔ راوی کے ضبط میں نقص کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ اس میں وہم پایا جائے۔ حدیث مرسل یا موصول کو منقطع، مرفوع کو موقوف بتلائے یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دے۔ ایسے راوی کی مرویات کو معلل کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

۴۔ راوی کا دوسرے ایسے راوی سے روایت کرنا ہو ——— مجہول ہو یا مبہم ہو یا قلیل الحدیث ہو۔ راوی کے مجہول ہونے کی صورت یہ

Marfat.com

ہے کہ ایک ہی راوی نام کے لقب. کنیت ونسب وغیرہ دیگر اوصاف بھی رکھتا ہو۔ مگر ان اوصاف میں سے ایک میں مشہور اور باقی میں غیر مشہور تو راوی اس سے روایت کرتے وقت اس کے مشہور وصف کو چھوڑ کر غیر مشہور سے ذکر کرے۔ مثلاً محمد بن السائب بن بشر الکلبی اپنے اسی نام سے مشہور ہے مگر اس کو محمد بن بشر کہہ کر بھی بلاتے ہیں۔ بعض حماد بن سائب کہہ کر بعض ابو النضر اور بعض ابو سعید و ابو ہشام کہہ کر بلاتے ہیں۔ اب حقیقت کو نہ سمجھنے والا یہ سمجھے گا۔ کہ ایک جماعت کے نام ہیں۔ حالانکہ سب کا منتہیٰ ایک ہی ہے۔ المختصر یہ کہ محمد بن السائب جب اپنے کسی غیر مشہور نام سے ذکر کیا جائے گا۔ تو مجہول ہو گا۔

مبہم کی صورت یہ ہے۔ کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے اس کا نام ہی نہ لے۔ بلکہ اخبرنی فلان کہہ دے۔ اور قلیل الحدیث راوی بھی بمنزلہ مجہول شخص کے ہے اس لئے کہ قلیل الحدیث راوی سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہوتی ہے۔ ان تینوں مذکورہ صورتوں میں حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

۵۔ راوی کا بدحافظہ ہونا۔ سوءِ حفظ دو قسم ہے۔ (۱) لازم۔ (۲) طاری۔ لازم اسے کہتے ہیں جو راوی کے ساتھ ہمیشہ رہے۔ ایسے راوی کو روایت بعض کے نزدیک شاذ کہلاتی ہے۔ طاری وہ ہے جو راوی کے ساتھ ہمیشہ نہ آئے۔ بلکہ بڑھاپے، بیماری یا نابینائی کی وجہ سے یا ان کتابوں کی گمشدگی کی وجہ سے جن پر اس کو اعتماد تھا۔ ایسے راوی کو مختلط کہتے ہیں۔ ایسے راوی کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس کی ایسی روایت جو اس نے قبل از اختلاط سنی۔ اور اس نے محفوظ رکھی۔ وہ مقبول ہو گی۔ اس کے سوا باقی میں توقف کیا جائے گا۔

Marfat.com

فصل دوم

معرفت رواۃ۔ روائت الاقرآن

راویانِ حدیث کی معرفت:۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ جب تک راوی کے ضبط اور اس کی عدالت کا صحیح علم نہ ہو۔ اس سے روائت کردہ حدیث کی صحت کے بارے میں قطعی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور راوی کے ضبط اور عدالت کو معلوم کرنے کے لئے راوی کے متعلق اس کے مفصل حالات مثلاً اس کا نام کنیت۔ القاب۔ باپ کا نام۔ شہر یا قصبے کا نام۔ اس کے اساتذہ ومشائخ کے نام ان سے اس کے سماع کا ثبوت سماع عمر کے کس حصے میں کیا۔ وغیرہ وغیرہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ راوی سے متعلق ضروری معلومات کا ہونا معرفت رواۃ کہلاتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ راوی کے نام کیساتھ اس کی کنیت کا بھی علم ہونا چاہیئے۔ ورنہ جس روائت میں اس کے نام کی بجائے اس کی کنیت کا ذکر آئے گا۔ اس روائت کو کسی دوسرے راوی کی طرف منسوب کرنے کا احتمال ہو گا۔ اسی طرح جو راوی کنیت سے مشہور ہو اس کے نام کی بھی خبر ہو ورنہ اشتباہ واقع ہو جائے گا۔

۲۔ ایسے راوی کا بھی پہچاننا ضروری ہے۔ جس کا نام اور کنیت متحد ہوں۔ اگرچہ ایسے راویوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔

۳۔ اگر کسی راوی کی کنیت میں اختلاف ہو۔ تو اسے بھی معلوم کرنا چاہیئے۔

۴۔ جس راوی کی کنیت یا القاب کئی ایک ہوں اس کا بھی علم ہونا چاہیئے۔ مثلاً ابن جریج کی دو کنیتیں ہیں۔ ابوالولید اور ابوخالد۔

Marfat.com

۵ - بعض اوقات راوی کی کنیت اس کے والد کے نام کے ساتھ موافق ہو جاتا ہے ایسے راویوں کی بھی شناخت ہونی چاہیئے - چنانچہ ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق المدنی تابعی - چونکہ ابو اسحاق اسحاق کا بیٹا ہے - اس لیئے ان کو ابن اسحاق کہنا غلط نہیں ہوگا - اسی طرح اس راوی کا بھی علم ہونا چاہیئے - جس کا نام اس کے والد کی کنیت کیساتھ موافق ہو - مثلاً اسحاق بن ابی اسحاق سبیعی - اسی طرح ایسا راوی بھی علم میں ہونا چاہیئے - جس کی کنیت اس کی زوجہ کی کنیت کے ساتھ ملتی ہو -

مثلاً ابو ایوب انصاری اور ام ایوب دونوں ہی مشہور اصحابی ہیں - پھر وہ راوی جس کے شیخ کا نام اس کے والد کے ساتھ موافق ہو - چنانچہ صحیح بخاری میں ایک روائت کی سند یوں ہے " عن عامر بن سعد عن سعد " اس سے ظاہر ہی ہوتا ہے کہ عامر اپنے والد سعد سے روائت کرتے ہیں مگر یہ خیال غلط ہے - وہ اپنے والد سے نہیں بلکہ اس نام کے اپنے شیخ سے روائت کرتے ہیں -

۶ - ایسے راوی کا بھی علم ہونا چاہیئے جس کی نسبت اس کے والد کی بجائے اور کسی شخص کی طرف ہو - مثلاً مقداد بن الاسود الزہری - سند کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے - مقداد اسود کے بیٹے ہیں مگر یہ غلط ہے - مقداد کے والد عمرو ہیں - اسود نے مقداد کو متبنیٰ بنا لیا تھا - تو ان ہی کی طرف منسوب ہو گئے - اسی طرح کئی راوی بجائے والد یا کسی شخص کے اپنی والدہ کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں - ان کی بھی معرفت ضروری ہے - چنانچہ ابن علیہ اسماعیل بن ابراہیم جو ثقہ ہیں اور امام شافعی اس طرح فرمایا کرتے تھے - اخبرنا اسماعیل الذی یقال له ابن علیه - بعض راوی ایسی چیز کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں - جو جلدی سمجھ نہ آسکے - ان کی بھی شناخت ہونا ضروری ہے - مثلاً حذاء بظاہر نہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پاپوش بناتے تھے یا ان کی تجارت کرتے تھے - مگر اصل حقیقت یہ نہیں - بلکہ یہ پاپوش بناتے

Marfat.com

والوں کے ساتھ مل کر بیٹھا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو بھی حذاء کہا گیا۔

پھر ایسے راوی کا بھی علم ضروری ہے۔ جس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کی گئی ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا اشتباہ اس کے ہمنام شخص کے ساتھ نہ ہو۔ جس کا دادا اس کے والد کا ہمنام ہو۔

۸۔ اس راوی کی شناخت بھی ضروری ہے کہ جس کا نام اس کے باپ اور دادا کے نام سے ملتا ہو۔

مثلاً حسن بن حسین بن حسن۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ کہ راوی اپنے والد کا اور راوی کا والد اپنے دادا کا ہمنام تھا۔ جیسا کہ اس سند میں "ابوالیمن الکندی زید بن الحسن بن زید بن الحسن"۔ اور ایسے راوی کا بھی علم ہوتا ہے جو اپنے شیخ الشیخ کا ہمنام ہو چنانچہ عمران عن عمران عن عمران اس سند میں عمران اگرچہ ایک ہی نام ہے مگر یہ تینوں ہمنام حضرات علیحدہ علیحدہ ہیں پہلے کو قصیر کہا جاتا ہے۔ دوسرے کو ابو رجاء العطاردی اور تیسرے ابن حصین مشہور صحابی ہیں۔ کبھی اس طرح بھی ہو جاتا ہے۔ راوی کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام وہی ہو جو اس کے شیخ کا اور شیخ کے باپ دادا کا نام ہے۔ چنانچہ ایک راوی ہیں۔ حسن بن احمد بن الحسن بن احمد اور شیخ بھی حسن بن احمد بن الحسن بن احمد اب ان دونوں یعنی راوی اور اس کے شیخ میں یوں تمیز کی جاتی ہے۔ کہ دونوں کی کنیت دیکھی جائے چنانچہ اس مثال میں راوی اور اس کے شیخ کی لیکن مختلف نام راوی کو ابوالعلا الہمدانی العطار کہا جاتا ہے۔ اور شیخ کو ابو علی الاصفہانی حداد ہیں۔

۹۔ ایسے راوی بھی علم میں ہونے چاہئیں۔ جن کے شیخ اور شاگرد ایک ہی نام کے ہوں مثلاً امام بخاری کے شیخ کا نام بھی مسلم ہے اور ان کے شاگرد کا نام بھی مسلم مگر شیخ مسلم بن ابراہیم ہیں جبکہ شاگرد مسلم بن

الحجاج القشیری صاحب صحیح مسلم ہیں۔ ایسی متعدد مثالیں ہیں۔ مثلاً یحییٰ بن کثیر کے شاگرد اور شیخ دونو کا نام ہشام ہے، مگر شیخ ہشام بن عروہ ہیں کے شاگرد ہشام بن ابی عبداللہ ہیں۔

۱۰۔ ان تمام راویوں کے ناموں کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جو بغیر کنیت ذکر کئے گئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی خیثمہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب "کتاب الجرح واستقلال" میں بلا قید تمام راویوں کے اسماء کا ذکر کیا۔ ابن حبان اور ابن شاہین نے صرف ثقات کے ناموں کو جمع کیا۔ ابن عدی نے مجروحین کے ناموں کو ابوالنصر القلاباذی نے صرف بخاری کے رجال کو ابوبکر منجویہ نے صرف مسلم کے رواۃ کو۔ عبدالغنی مقدسی نے صحاح ستہ کے رجال کو اپنی کتاب مسمیٰ الکمال میں درج کیا۔ علامہ ابن حجر نے اسی موضوع پر تہذیب التہذیب لکھی۔

۱۱۔ ایسے راویوں کا بھی علم ہونا چاہیے۔ جن کا ہمنام کوئی نہ ہو۔ حافظ ابوبکر احمد بن ہارون بردیجی نے اس کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اس میں اس قسم کے کئی ایک نام مذکور ہیں۔ چنانچہ صغدی بن سنان۔ حافظ ابوبکر کے نزدیک اس نام کا اور کوئی راوی نہیں۔

۱۲۔ تمام راویوں کی کنیتوں کے ساتھ ان کے القاب وغیرہ کا بھی علم ضروری ہے۔ چنانچہ سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور کبھی بعنوان کنیت جیسے ابوتراب۔ القاب کا تعلق کبھی عیب سے بھی ہوتا ہے۔ جیسے اعمش کبھی پیشے سے بھی جیسے عطار۔

۱۳۔ راویوں کی نسبتوں کو بھی پہچاننا چاہیے۔ چنانچہ راوی کی نسبت کبھی قبیلہ کی طرف کبھی شہر کی طرف کبھی وطن کی طرف کبھی کوچہ کی طرف کبھی محل مجاورت کی طرف کبھی ہنر کی طرف کبھی پیشے کی طرف وغیرہ وغیرہ۔ اسماء کی طرح ان نسبتوں میں بھی اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔ کبھی نسبت لقب ہی بن جاتی ہے۔ چنانچہ خالد بن مخلد کوفی ان کا لقب قطوانی ہو گیا تھا۔

Marfat.com

۱۴- اگر راوی کا لقب یا نسبت ظاہر کے خلاف ہو تو اس کا سبب معلوم ہونا چاہیے۔
۱۵- جو راوی مولیٰ ہو۔ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ اس کی بھی تحقیق کی جائے۔ کہ اس کے مولیٰ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ بوجہ غلامی کے یا بوجہ امدادی معاہدے کے یا کسی کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ ان تینوں مذکورہ وجوہ سے مولیٰ ہی کہا جاتا ہے جب تک تصریح نہیں ہو گی۔ مولیٰ کہنے کی وجہ کا پتہ نہیں چل سکے گا۔
۱۶- یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کون راوی کس کی ہمشیرہ ہے۔ یا کس کا باپ یا کس کا بھائی ہے
۱۷- راوی کے متعلق یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث کا سماع کرنے اور اس کو ادا کرنے کی قابلیت کتنی عمر میں ہوئی۔ اگرچہ محدثین بچوں کو بھی اپنی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت لکھ دیتے تھے۔ مگر سماع حدیث کے لیے سن تمیز درکار ہے۔ اسی طرح گو طلب حدیث کے لیے بھی عمر کی قید نہیں۔ قابلیت شرط ہے۔ اگر کسی نے بحالت کفر حدیث اخذ کی اور پھر اسلام میں آنے پر اسے ادا کیا تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی فاسق نے حالت فسق میں حدیث اخذ کی اور توبہ کے بعد اسے ادا کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ حدیث پہنچانے کے لیے کسی زمانہ کی شرط نہیں قابلیت ضروری ہے۔ اور قابلیت مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہے۔ ابن خلاد کے نزدیک حدیث پہنچانے کی عمر ۵۰ سال ہے۔ تاہم اگر ۴۵ سال کی عمر میں پہنچا دی گئی۔ تو جائز ہے۔ امام مالک نے چالیس سال سے پہلے ہی حدیث کو پہنچانا شروع کر دیا تھا۔

روایت الاقران اگر راوی اور اس کا مروی عنہ عمر میں یا معین شیخ سے روایت کرنے میں یا روایت سے متعلقہ امور میں سے کسی امر میں شریک ہوں۔ تو وہ روایت جو وہ راوی اپنے مروی عنہ سے کرے گا۔ روایت الاقران کہلائے گی۔ اس روایت کو روایت الاقران اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا راوی اپنے مروی عنہ کا قرین و ہمسر ہے۔ روایت الاقران کے متعلق

Marfat.com

ابو شیخ اصفہانی نے کتابیں لکھیں۔

فصل سوم

سند عالی یا علوّ سند

علو سند:۔ علو سند کی دو اقسام ہیں۔ ۱۔ علو مطلق ۔ ۲۔ علو نسبی۔

علو مطلق:۔ اگر کسی حدیث کی متعدد اسناد حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک ثابت ہوں۔ مگر ان میں سے ایک اسناد کے راویوں کی تعداد دوسری اسانید میں راویوں کی تعداد کی نسبت کم ہو۔ تو اُسے علو مطلق کہا جاتا ہے۔ اور مقابل کو نزول مطلق۔

علو نسبی:۔ اگر ایسے امام حدیث تک جو ثقاہت، ضبط، تصنیف وغیرہ صفات کی وجہ سے دوسروں کی نسبت راجح ہو۔ (مثلاً اصحاب صحاح ستہ یا امام مالک، ثوری، شعبہ) ایک ہی حدیث کی متعدد اسناد ہوں۔ اور ایک اسناد کے رجال دوسری اسانید کے رجال سے تعداد میں کم ہوں تو اسے علو نسبی اور مقابل کو نزول نسبی کہا جاتا ہے۔

علو نسبی کی اقسام:۔ علو نسبی کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ۱۔ موافقت ۔ ۲۔ بدل ۔ ۳۔ مساوات ۔ ۴۔ مصافحہ۔

۱۔ موافقت:۔ مصنف کے شیخ تک ایسی اسناد چلا دینا جو مصنف کی اسناد کے جو مصنف تک پہنچی ہوں مغائر ہو۔ نیز تعداد رواۃ میں بھی اس کی اسناد سے کم ہو موافقت کہلاتی ہے۔

مثلاً ایک حدیث کی اسناد بخاری تک پہنچی ہے۔ اور بخاری نے قتیبہ سے اور قتیبہ نے مالک سے روایت کی۔ پس اگر اس اسناد سے حدیث مذکور روایت

Marfat.com

کی جائے۔ تو قتیبہ تک راویوں کی تعداد آٹھ ہوگی۔ اسی حدیث کی دوسری اسناد جو پہلی کے مغائر ہے اور ابو العباس سراج تک پہنچتی ہے۔ اور ابو العباس نے قتیبہ سے روایت کی۔ اس اسناد میں قتیبہ تک رجال کی تعداد سات ہے۔ اب یہ اسناد اور اول الذکر دونوں بخاری کے شیخ قتیبہ پہ جا ملتی ہیں۔ نیز اس میں تعداد رواۃ دوسری کی نسبت کم نہیں۔ اس لئے اس میں موافقت پائی جائے گی۔

نیز مؤخر الذکر اسناد کو علو نسبی کہیں گے۔ جب کہ اول الذکر کو نزول نسبی۔

۲۔ بدل:۔ کسی مصنف کے شیخ الشیخ تک ایسی اسناد ملا دینا جو مصنف کی اسناد کے مغائر ہو اور تعدادِ رجال میں اس سے کم ہو بدل کہلاتا ہے۔

مثلاً ایک اسناد ابو العباس سراج تک پہنچتی ہے۔ اور ابو العباس نے قعنبی سے جو بخاری کے شیخ الشیخ ہیں روایت کی۔ اس اسناد میں قتیبہ کی جگہ قعنبی آ گئے گویا قعنبی۔ قتیبہ کا بدل ہیں۔ علاوہ ازیں یہ سند عالی شمار ہوگی۔ جب کہ دوسری نازل۔

۳۔ مساوات:۔ مساوات یہ ہے کہ ایک حدیث ایک ایسی اسناد سے جو دوسری اسناد سے عالی تھی۔ روایت کی گئی۔ اور یہ حدیث تعداد رجال میں اسی حدیث کے لئے مصنف کی اسناد کی تعدادِ رجال کے مساوی ہو

مثلاً ایک حدیث کو نسائی نے ایک اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ اسی حدیث کو کسی اور شخص نے دوسری اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ نسائی اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تعداد رواۃ گیارہ ہیں۔ اگر دوسرے شخص کی اسناد میں بھی تعداد رواۃ گیارہ ہی ہو۔ تو یہ مساوات کہلائے گی نیز یہ اسناد عالی ہوگی۔ اور دوسری نازل۔

۴۔ مصافحہ:۔ ایسی روایت جو ایسی اسناد سے بیان کی جائے جس میں رجال کی تعداد مصنف کے شاگرد کی اسی روایت کے لئے اسناد میں رجال کی تعداد مساوی ہو تو اسے مصافحہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

علو نسبی کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ راوی اپنے شیخ سے پہلے ہی فوت ہو جائے۔ اگرچہ دونوں اسناد میں راویوں کی تعداد مساوی ہے۔ مثلاً جس نے مسند احمد کا سماع بطریق احمد علی علاوی از ابو العباس حلبی از نجیب کیا ہو۔ وہ اس شخص کی نسبت عالی ہو گا۔ جس نے بجمال کتانی از فرغنی از زینب بنت مکی کی سند سے مسند کا درس کیا ہو۔ اس لئے کہ اوّل الذکر تینوں راوی مؤخر الذکر سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس لئے احمد مسند احمد سے قریب تر ہیں۔

علاوہ ازیں علو نسبی تقدم سماع سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ جس نے کسی شیخ سے پہلے سماع حدیث کیا ہے۔ وہ بعد میں سماع کرنے والے سے اعلےٰ ہو گا۔ مثلاً ایک شیخ کے دو شاگردوں نے اس سے حدیث کا سماع کیا۔ مگر اس کو اس استفادہ کئے ہوئے ساٹھ برس گزرے دوسرے کو چالیس تو اس صورت میں پہلا دوسرے سے اعلےٰ ہو گا۔

علو سند پر تبصرہ:- متاخرین علماء حدیث کو علو سند (مطلق و نسبی) سے بے حد شغف تھا۔ یہاں تک کہ بقول علامہ ابن حجر عسقلانی انہوں نے اس سے بھی زیادہ اہم امور کو نظر انداز کر دیا۔ اور اسی کو سرمایۂ افتخار بنا لیا۔ دراصل علو سند کے اتنی زیادہ مرغوب ہونے کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس میں صحت کے امکانات زیادہ اور خطاء کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ سند میں راویوں کی تعداد جتنی کم ہو گی۔ اتنا ہی غلطی کا امکان بھی کم ہو گا۔ اور سند جتنی لمبی ہوتی جائے گی۔ غلطی کا احتمال بڑھتا جائے گا۔ اس لئے محدثین کے نزدیک یہ حقیقت ایک مقولہ بن گیا ہے۔ کہ "سند نازل گھٹیا ہوتی ہے"

فصل چہارم

الفاظ ادائے حدیث

الفاظ ادائے حدیث کے مراتب :- وہ الفاظ جن سے کوئی حدیث روائت کی جاتی ہے۔ مراتب کے لحاظ سے آٹھ ہیں۔

(۱) سمعت وحدثنی۔ (۲) اخبرنی و قرأت علیہ۔ (۳) قرئ علیہ وانا اسمع۔ (۴) انبأنی۔ (۵) ناولنی۔ (۶) شافهنی بالاجازة ۷۔ کتب الی بالاجازة۔ (۸) عن وغیرہ۔ ایسے الفاظ جن میں سماع یا عدم سماع اور اجازت کا احتمال ہو۔ مثلاً قال۔ ذکر۔

مندرجہ بالا الفاظ ادائے حدیث پر تبصرہ :- سمعت و حدثنی۔ یہ الفاظ ایسے راوی کے لئے مستعمل ہیں جو تنہا اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے اس صورت میں حدثنی کی بجائے اخبرنی بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ لغت کے لحاظ سے ان دونوں صیغوں میں کوئی فرق نہیں اصطلاح معنی کے اعتبار سے کچھ فرق ہے۔ وہ بھی زیادہ تر علمائے مشرق کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ علمائے مغرب کے نزدیک ان دو الفاظ (حدثنی۔ اخبرنی) میں کوئی فرق نہیں۔

اگر راوی سماع حدیث کے لئے واحد متکلم کی جگہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے۔ مثلاً حدثنی کی بجائے حدثنا اور اخبرنی کی بجائے اخبرنا کہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوگی۔ کہ یا تو اس نے اور کسی کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہے۔ یا وہ اس صیغہ کو بطور تعظیم استعمال کر رہا ہے۔ مگر یہ کم شائع ہے حدیث کے

Marfat.com

تحفظ وضبط کے پیش نظر لفظ سمعت دیگر تمام الفاظ اداسے کہ حدثنی سے بھی زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے۔ اس میں نہ تو تدلیس کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور نہ کسی واسطے کی حدثنی کا اطلاق کبھی اجازت پر بھی ہو جاتا ہے۔

اَخْبَرَنِی وقرأت علیہ۔ ان دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ ان کا استعمال ایسے راوی کے لئے ہوتا ہے۔ جس نے شیخ کے سامنے تنہا پڑھا ہو۔ اور باقی نے سنا۔ قرأت علیہ کا لفظ شیخ کے سامنے حدیث کی قرأت سے اخبرنی سے زیادہ افضل ہے۔ اس لئے کہ قرأت میں اخبرنی کی نسبت صراحت زیادہ ہے۔

جمہور محدثین کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے حدیث کی قرأت کی جائے۔ اگرچہ عراق کے علماء نے اس سے انکار کیا ہے۔ مگر امام مالک امام بخاری و دیگر محدثین کا مسلک یہی ہے۔ بعض نے تو قرأت کو سماع پر بھی ترجیح دی۔

اَنْبَأَنِی۔ انباء لغت و اصطلاح متقدمین میں بمنزلہ اخبر سمجھا جاتا ہے البتہ متاخرین کے نزدیک عن کی طرح یہ لفظ اجازت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے

عَنْ۔ اس لفظ سے کہ روایت سماع پر محمول کی جاتی ہے بشرطیکہ راوی کا شیخ اس کا معاصر ہو۔ اور مدلس نہ ہو۔ ہم عصر نہ ہونے کی صورت میں روایت مرسل یا منقطع سمجھی جائے گی۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کو سماع پر محمول کرنے کے لیے راوی کا شیخ سے کم از کم ایک بار ملاقات کرنا شرط ہے۔ ورنہ اس لفظ سے روایت کے مرسل خفی ہونے کا بھی احتمال رہے گا۔ امام بخاری ان کے شیخ علی بن مدینی نیز حافظ ابن حجر کا یہی مذہب ہے۔

شافھنی بالاجازۃ۔ ان الفاظ سے حدیث کو روایت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ نے کسی کو ایک مخصوص حدیث کے روایت کرنے کی زبانی اجازت دی۔ اگرچہ اس صورت میں مجازاً اجازت بالمشافہہ سمجھی جائے گی۔ حقیقتاً اجازت

Marfat.com

اس طرح ہوگی کہ حدیث کو سنا کر یا پڑھوا کر اجازت دی جائے۔

کتب الیّ بالاجازۃ - اگر شیخ کسی حدیث کو روایت کرنے کی اجازت لکھ کر دے تو اُسے مجاز اً اجازت بالمکاتبہ کہتے ہیں۔ اور راوی ایسی حدیث روایت کرتے وقت کتب الیّ بالاجازۃ الفاظ استعمال کرے گا۔ متاخرین کے نزدیک اس قسم کی اجازت ان کی عام عبارات میں پائی جاتی ہے۔ البتہ متقدمین کے نزدیک مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ روایت حدیث کو طالب حدیث کی طرف لکھ کر ارسال کرے۔ اجازت ہو یا نہ ہو۔

ناولنی :- اگر راوی اس لفظ سے روایت شروع کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے شیخ نے حدیث کا لکھا ہوا نسخہ یا اس کی نقل راوی کو دے دی۔ اسی طریق سے روایت کرنے کی دو شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ شیخ راوی کو کہے کہ فلاں شخص سے یہ میری روایت ہے تم مجھ سے یہ روایت کردو۔ دوم شیخ راوی کو حدیث کے لکھے ہوئے نسخے کا مالک بنا دے یا اسے عاریۃً دے دے۔

حصہ اول متعلقہ اصول حدیث تمام شد

حوالہ... حافظ
...یث از ... اسی
... علم حدیث میں کتاب
... کہ علم حدیث

Marfat.com

تتمّہ حصّہ اوّل

حدیث مقرون بالقرائن:۔ ایسی حدیث جو متواتر تو نہ ہو بلکہ احاد ہی ہو مگر اس کے ساتھ ایسے قرائن منضم ہوں۔ جن کی وجہ سے بقول مختار علم نظری کے لئے مفید ہو جائے۔ حدیث مقرون بالقرائن کہلاتی ہے۔ وہ ضروری قرائن جو ایک خبر واحد کو اس درجہ پر فائز کر دیتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شیخین (امام بخاری و امام مسلم) نے بالاتفاق اس کی تخریج کی ہو۔

ایسی غیر متواتر خبر کا علم نظری کے لئے مفید ہو جانے کی چند وجوہات ہیں۔

اول۔ فن حدیث میں شیخین کی جلالت شان کا مسلم ہونا۔

دوم۔ صحیح و سقیم کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے میں۔ ان کا سب سے سبقت لے جانا۔

سوم۔ صحیحین کا علماء میں اعلیٰ رتبہ کی قبولیت کا ہونا۔

اس قرینہ کے ساتھ شرط یہ ہے۔ کہ ان احادیث پر حفاظ حدیث میں سے کسی نے جرح نہ کی ہو۔ اور نہ ہی ان میں ایسا تعارض پایا جاتا ہو کہ ایک کو دوسری پر ترجیح نہ دی جا سکے۔ المختصر صحیحین کی ایسی احادیث جو جرح و تعارض مذکور سے محفوظ ہوں اجتماعی طور پر علم نظری کے لئے مفید ہیں۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی۔ امام الحدیث ابو عبداللہ الحمیدی و ابو الفضل بن طاہر وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

۲۔ مشہور ہو اور اس کی متعدد اسناد مختلف ایسے طرق سے ہوں جن میں ضعف اور علت نہ پائی جائے۔ ابو منصور بغدادی نے اس امر کی توثیق کی ہے۔

شافعی ... شیخ علی بن المدینی ... کے معنی یہ ہیں کہ شیخ ... دی ۔ اگرچہ اس صورت

۲-وہ حدیث غریب نہ ہو اور اس کے سلسلہ سند میں تمام روات ائمہ حفاظ ہوں۔ مثلاً امام احمد بن حنبل نے ایک حدیث کی روایت اور شخص کیساتھ امام شافعی سے کی۔ پھر امام شافعی نے اور شخص کے ساتھ امام مالک سے کی۔ تو ایسی حدیث علم نظری کے لئے مفید ہو گی اس لئے کہ اس کے رواۃ میں ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جو کثرت طرق کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا قرائن جن احادیث کے ساتھ منضم ہوں وہ علم نظری کے لئے مفید تو ضرور ہوں گی۔ مگر ایسے شخص کے لئے جو فن حدیث میں متبحر ہو اور رواۃ حدیث کے حالات سے پوری طرح باخبر ہو۔ نیز علل قادحہ سے واقفیت رکھتا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مصنف شرح نخبۃ الفکر

ابتدائی حالات: حافظ ابن حجر کا پورا نام احمد بن محمود بن حجر الکنانی ثم المصری شافعی کنیت ابوالفضل اور لقب شہاب الدین تھا آپ کے اجداد میں کسی بزرگ کا نام حجر تھا۔ اس لئے اغلب یہی ہے کہ اسی بنا پر آپ کو حافظ ابن حجر کہا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۲ شعبان ۷۷۳ھ میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ علم کی تشنگی کو پورا کرنے کے لئے متعدد متعارف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ جن دور دراز ممالک میں تشریف لے گئے ان میں مصر، اسکندریہ، شام، قبرص، یمن، حجاز اور حلب خاص طور پر قابل ذکر ہیں بے شمار شیوخ حدیث سے درس حدیث لیا۔ اس سلسلے میں جن کی صحبت سے زیادہ مستفیض ہوئے اور علم میں تبحر حاصل ہوا۔ وہ حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی ہیں۔ آپ کو کئی لاکھ احادیث ازبر تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کو حافظ حدیث کے لقب سے نوازا گیا۔ آپ کے بعد علم حدیث میں آپ کے پائے کا دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث

Marfat.com

کی ریاست کی حدود آپ پر ختم ہوگئیں۔

تصانیف: آپ نے ڈیڑھ سو سے زائد تصانیف چھوڑیں۔ چونکہ تحقیق و تنقیح کا عنصر آپ کی تصانیف میں غالب ہے۔ اس لئے آپ کی زندگی ہی میں آپ کی کتابوں نے شرف قبولیت حاصل کر لیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں جن کتابوں کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی وہ فتح الباری شرح بخاری و شرح نخبۃ الفکر ہیں اول الذکر کتاب محققین امت کی نظر میں باتفاق رائے بخاری کی جملہ شروح میں سب سے زیادہ بلند درجہ رکھتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے جب اپنی اس مایۂ ناز تصنیف کو مکمل کیا۔ تو ایک شاندار جلسہ منعقد کیا۔ پانچ صد درہم مستحق لوگوں میں تقسیم کئے۔ موخر الذکر تصنیف کی قبولیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ عرب و عجم کے مدارس کی درسیات میں شامل ہے۔ بڑے بڑے مستند علماء نے اس کی شروح و حواشی لکھے ہیں۔ یہ کتاب دراصل محدث ابن اصلاح کی کتاب " مقدمہ ابن الصلاح " کا خلاصہ ہے۔ اس کو نہایت موزون تر تیب سے مرتب کیا۔ شرح نخبۃ الفکر حافظ ابن حجر کی کتاب " نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر " کی شرح ہے۔ کہ اس میں مشکل عبارت کی توضیح و تشریح کردی گئی ہے۔ کمال یہ ہے کہ شرح کو متن کے ساتھ اس طریقے سے پیوست کر دیا گیا ہے۔ کہ دونوں مل کر ایک ہی بسیط کتاب بن جاتی ہے۔

وفات: حافظ ابن حجر کی وفات ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ آپ کے جنازے کو بادشاہ مصر نیز امراء و رؤساء نے کندھا دیا۔ علم حدیث کا یہ ایک بیش بہا خزانہ " نہایت حسرت و یاس کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں شہاب منصوری شاعر سے منقول کیا ہے۔ کہ جب آپ کے جنازے کو مصلے کے قریب لایا گیا تو آپ کے جنازے کی برکت سے بوندا باندی ہونے لگی۔ حالانکہ یہ بارش کا موسم نہ تھا۔

Marfat.com

اصول حدیث کے متعلق اہم امتحانی سوالات

۱۔ خبر اور حدیث میں کیا فرق ہے۔ (1958)

۲۔ خبر واحد کی تعریف کیجئے۔ اور اس کے تحت جو مختلف اقسام حدیث ہیں۔ بیان کیجئے۔ (1960، 63)

۳۔ خبر متواتر کی شرائط کیا ہیں۔ بالتفصیل لکھیئے۔ (1958-65)

۴۔ مندرجہ ذیل اقسام حدیث میں فرق بیان کیجئے۔
صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہٖ۔ حسن لذاتہ و حسن لغیرہٖ۔
اس امر کی مرفوع، متصل اور موقوف (1960، 62، 64، 65)

۵۔ درج ذیل حدیث کی اصطلاحات کی تشریح کیجئے۔
ثابت ہوں۔ کہ ان۔ معلق معنعن۔ مدلس۔ متابع۔ مشاہد۔ مبہم۔ فرد نسبی
والوبکر بن فورک۔ روایت۔ مقرون بالقرائن۔ (1960، 61، 62)

[illegible] ق میں اصطلاحاً کیا فرق ہے۔ (1959)

۷۔ موضوع حدیث سے کیا مراد ہے۔ اس کی اپنی حیثیت واضح کیجئے۔ نیز اسباب وضع پر روشنی ڈالئے۔ (1960)

(۸) حدیث میں نسخ کے قرائن اور وجوہ بیان کرو۔ (1961، 67)

(۹) شرح نخبۃ الفکر میں معرفۃ الرواۃ کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے اسے بیان کیجئے۔ (1962)

(۱۰) علو سند سے کیا مراد ہے۔ اس کی کتنی اقسام ہیں تفصیلاً بیان کیجئے۔ (1962)

(۱۱) اصول حدیث میں کن امور پر بحث کی جاتی ہے۔ اور اس فن تدوین میں کن کن ائمہ نے حصہ لیا ان کا ذکر کیجئے۔ نیز ان کی اس سلسلہ میں تصانیف کا بھی ذکر کیجئے۔ (1957)

(۱۲) حدیث کے اسناد میں راوی کی عدالت اور ضبط کے اعتبار سے جو طعن وارد ہوئے ہیں۔ قلمبند کیجئے۔ (1964-66)

Marfat.com

۱۳۔ حدیث بیان کرنے کے مختلف الفاظ یا صیغے بالترتیب لکھیے۔ (1961)

(۱۴) مرسل خفی کی باوضاحت تشریح کیجیے۔ 1959

(۱۵) حدیث مرسل کے تحت علماء کے اختلاف کو بیان کیجیے۔ (1963)

(۱۶) صحابی و تابعی کی تعریف لکھیے (1965)

(۱۷) صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فضیلت حاصل ہے تبصرہ کیجیے۔ (1964)

Marfat.com

حصّہ دوم

تاریخ ادب حدیث

(ضرورت و اہمیت حدیث۔ مقام حدیث۔
حجیت حدیث۔ جمع و تدوین حدیث)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

فصل اوّل

حدیث و سنت میں فرق ضرورت و اہمیت حدیث مقام حدیث

حدیث کی تعریف باعتبار لغت :- عربی میں حدیث کا لفظ لغت کے اعتبار سے خبر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ابو البقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی الکفوی (متوفی ۱۰۹۴ھ) کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ تحدیث سے اسم ہے اور تحدیث کے معنی خبر دینا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل بھی اہل عرب حدیث کا لفظ زیادہ تر انہی معنی میں استعمال کرتے تھے۔ عربی کا مشہور محاورہ ہے صار حدیثاً یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔ لفظ حدیث کے مادہ کو خواہ کسی طرح بھی تبدیل کر دیا جائے۔ اس میں خبر دینے کا مفہوم ضرور پایا جائے گا۔

قرآن پاک میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں مستعمل ہے۔ مثلاً فلیأتوا بحدیث مثلہٖ اور اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھاً

۲۔ خبر کے علاوہ حدیث کا لفظ بات چیت اور گفتگو کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے

فبای حدیث بعدہ یؤمنون (پس وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے)

بعض علماء کے نزدیک حدیث کے لفظ میں جدت کے معنی و مفہوم پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قدیم کی ضد ہے۔

Marfat.com

یہ حضرات قدیم سے قرآن پاک اور جدید سے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی مشہور معروف تالیف فتح الباری میں فرماتے ہیں: "حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن قدیم ہے"

حدیث کا اصطلاحی مفہوم:- اصطلاح دین میں لفظ حدیث کا اطلاق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ۔ افعال مبارکہ نیز آپ کے احوال پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کی تین اقسام ہیں:-

(۱) حدیث قولی۔ ۲۔ حدیث فعلی ۔ ۳۔ حدیث تقریری۔

۱۔ حدیث قولی:- جس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ کا ذکر پایا جائے۔ حدیث قولی کہلاتی ہے۔

مثلاً حضور نے رویت ہلال کے سلسلہ میں فرمایا: "صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ" (یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو)

۲۔ حدیث فعلی:- وہ حدیث جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کا ذکر ہو۔ حدیث فعلی کہلاتی ہے۔

مثلاً حضور نے وضو کیسے کیا۔ نماز کیسے ادا کی۔ حج کے مناسک کیسے ادا کئے وغیرہ وغیرہ

ایسی حدیث جمہور امت کے نزدیک دین میں حجت اور واجب الاتباع ہیں۔

۳۔ حدیث تقریری:- حدیث کی اصطلاح میں تقریر کے معنی یہ ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا۔ مگر حضور نے اسے دیکھ کر سکوت فرمایا۔ اور منع نہ فرمایا۔ اسی طرح کسی صحابی کے فعل پر پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ ایسی حدیث

Marfat.com

جس میں اس قسم کے احوال پائے جائیں حدیث تقریری کہلاتی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے۔ کہ جس کام سے حضور نے منع نہیں فرمایا۔ اور خاموش رہے اس میں اباحت ہے۔ یعنی وہ مباح ہے۔ اور جس پہ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا وہ مکروہ ہے۔

سُنّت:۔ لغوی معنی کے لحاظ سے سنت راہ عمل یا اس راستے کو کہتے ہیں۔ جس پہ چلا جائے۔ اور عربی زبان میں اس کی ضد بدعت ہے۔ چنانچہ سنت اور بدعت اپنے ان معنی میں عربوں میں کثیر الاستعمال تھے۔ قرآن حکیم میں بھی سنت کا یہ لفظ متعدد آیات میں مذکورہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مثلاً لِيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (تاکہ تمہیں تم سے پہلے گذرے ہوؤں کی راہ پہ چلائے)

نیز سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ (یہ ان لوگوں کے بارے میں اللہ کا طریقہ ہے جو گذر چکے)

سُنّت کا شرعی مفہوم:۔ شریعت مطہرہ میں سنت سے مراد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ راہ عمل ہے جس پہ حضور اپنی سیرت مطہرہ میں گامزن رہے۔ طریق کار یا راہ عمل کے معنی میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سنت کا لفظ خود استعمال فرمایا۔ مثلاً حضور نے فرمایا۔

۱۔ النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

(یعنی نکاح میرا طریقہ ہے اور جو اس سے منہ پھیرے گا وہ مجھ سے نہیں۔)

۲۔ عليكم بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔

(تم پہ میری راہ اور میرے خلفائے راشدین کی راہ ضروری ہے۔)

حدیث اور سنت میں فرق:۔ محدثین کے نزدیک ان دو الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ مگر فقہاء ان دونوں الفاظ کو مترادف خیال نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک

Marfat.com

لفظ حدیث حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سب کے لئے عام ہے مگر سنت کا لفظ صرف آپ کے افعال کے ساتھ مخصوص ہے۔ گویا اپنے اصلی لغوی معنوی کے اعتبار سے سنت کا لفظ حدیث کے لفظ کے مساوی یا مترادف نہیں ہے۔ نیز حدیث میں اچھے طریقے کے لئے سنت حسنہ اور برے طریقے کے لئے سنت سیئہ بھی آیا ہے۔

مگر جہاں تک لفظ حدیث کا تعلق ہے اس کے ساتھ حسنۃ یا سیئۃ کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

کتب حدیث میں بعض احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے نقاد حدیث یوں کہہ دیا کرتے ہیں۔

" ھذا الحدیث خلاف للقیاس والسنۃ والاجماع۔

(یعنی یہ حدیث، قیاس، سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے واضح ہوتا ہے۔ کہ ان دونو الفاظ کا مفہوم جداگانہ نوعیت کا ہے۔ چنانچہ ابن ندیم نے اپنی ایک کتاب کا نام " کتاب السنن لمشواھد الحدیث " رکھا ہے۔ جس سے صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ صحیح مفہوم کے اعتبار سے ان دونو لفظوں میں کافی فرق ہے۔

ضرورت و اہمیت حدیث

مقصد حیات اسلامی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ قرآن حکیم اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ یعنی ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا۔ عبادت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے مختصر الفاظ میں ہدایت ربانی کے تحت زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ گویا مقصد حیات کی تکمیل کے لئے انسان ہدایت الٰہیہ کا محتاج ہے۔ خالق کائنات نے

Marfat.com

ازراہِ رحمت وکرم اپنی ہدایت کا پیغام مخلوق تک پہنچانے کے لئے خاص بندوں کو منتخب فرمایا۔ بارگاہِ خداوندی کے ان مقرب ترین بندوں ہی کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ ان میں سب سے آخر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے آخری پیغام ربانی جسے قرآن مجید کہتے ہیں۔ دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔

قرآن پاک آسمانی دستورِ حیات ہے۔ جس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے ہی سے مقصدِ حیات پورا ہو سکتا ہے۔

حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہے:۔ جیساکہ سطورِ بالا میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اہل اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید گو مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن اس میں بہت حد تک اصول وضوابط ملتے ہیں۔ اور جب تک ان اصول وضوابط کی تشریح وتوضیح کے لئے حدیث کا تتبع نہ کیا جائے۔ ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً نماز ہی کو لیجئے۔ اسلام میں اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ کلام الٰہی سینکڑوں بار اس کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔

اولاً تو قرآن پاک میں حکم خداوندی یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ میں لفظ الصلوٰۃ کے مقصود معنیٰ حدیث کی طرف رجوع کئے بغیر سمجھے ہی نہیں جا سکتے اس لئے کہ لغت میں اس کے کئی ایک معنی ہیں۔ مثلاً دعا کرنا۔ انگلی سے اشارہ کرنا۔ بانس کو تیل لگا کر سیدھا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کونسے معنی منشائے خداوندی کو پورا کرتے ہیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لی جائے۔ تو اس کی تفصیلات نماز کی تعداد اس کے اوقات، شرائط نماز، ہر نماز میں رکعات کی تعداد، قرآن پاک میں تو موجود نہیں۔ ان کا تعین کیسے ہوگا۔ اور اگر ہر مسلمان اپنی مرضی کے مطابق تعین کرے گا تو امت میں انتشار وافتراق پیدا ہو جائے گا۔

Marfat.com

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" پر عمل کیسے ہوگا۔
اسی طرح زکوٰۃ کو لیجیے۔ اس کی ادائیگی کے طریقے کی تفصیل قرآن میں نہیں ملتی۔ مثلاً زکوٰۃ کس شخص پر واجب ہے۔ کن کن چیزوں پر زکوٰۃ ضروری ہے۔ اس کا نصاب کیا ہے۔
حج کے سلسلہ میں "وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا" کا حکم خداوندی موجود ہے۔ مگر یہ کہ زندگی میں حج کتنی بار فرض ہے اس کے مناسک کی تفصیل کیا ہے۔ کس ترتیب سے انہیں ادا کرنا چاہئے۔ قرآن میں مذکور نہیں۔
حلال و حرام اشیاء کے بارے میں قرآن پاک نے اصول بتا دیا کہ طیب چیزیں حلال ہیں اور گندی و ناپاک چیزیں حرام مگر ان اشیاء کی تفصیل نہیں بتائی۔
چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم قرآن میں موجود ہے "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا" مگر ہاتھ کہاں تک کاٹا جائے۔ چور کتنا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ نیز چوری کی یہ سزا دینے کا مجاز کون ہے۔ ان سب باتوں سے قرآن خاموش ہے۔
الغرض مندرجہ بالا احکام ربانی کی مثل سینکڑوں ایسے احکام ہیں جن کی تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی۔ ان کی تشریح و توضیح شارع اسلام حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی۔ تاوقتیکہ حضور کی فرمودہ تشریح یعنی حدیث کو پیش نظر رکھا جائے۔ کلام الٰہی کو نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔
اسی لئے اللہ تبارک و تعالےٰ نے بندوں پر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض کی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔
(۱) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۲) وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (۳) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ

Marfat.com

بِاذْنِ اللّٰہِ۔

حدیث قرآن کی شرح ہے :-

قرآن احکام شرعیہ کا اجمال پیش کرتا ہے۔ تشریح اقوال و افعال نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ اور یہی تشریح ایک مسلمان کے لیئے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ اس لیئے کہ صاحب کتاب سے بڑھ کر منشائے ربانی کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لیئے پروردگار عالم نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اپنے کلام کی تعلیم دینا اور اس کی تشریح کر کے اسے سمجھانا بتایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
یعنی اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں اپنے رسول معلم بھیجے جو ان پر اس کی آیات پڑھتے ہیں۔ انہیں پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں
نیز فرمایا۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
ہم نے تجھ پر ذکر نازل کیا۔ تاکہ لوگوں کے لیئے اس نازل کردہ کتاب کی تشریح کریں۔

ان آیات قرآنیہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ کہ قرآنی احکام کی تفصیل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ و افعال مبارکہ ہی سے ملے گی۔ چنانچہ حضور نے خود ان احکام کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا اور بتایا کہ ان احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کی عملی صورت کیا ہے۔ مثلاً نماز کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا۔
صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (بخاری) تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ تو فریضہ صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیئے جس قدر تفصیلات درکار ہیں سب کی سب احادیث نبویہ میں ملتی ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے ضمن میں جو تمام ضروری مسائل ہو بالتفصیل قرآن میں نہیں ملتے ارشاد فرمائے ہیں۔
اشیا کی علت و حرمت کے سلسلے میں حضور نے گدھے، کتے۔ درندے

صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ چودہ سو برس کا ایک طویل عرصہ گذرنے کے باوجود احادیث کا ذخیرہ محفوظ چلا آرہا ہے۔ اور صحابہ اکرام سے کر آج تک مسلمان اللہ اور رسول کی اطاعت کے سلسلے میں ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اقوام عالم کی تاریخ میں کسی قوم کی ایسی مثال نہیں ملتی جس نے اہل اسلام کی طرح اپنے ہادی یا مصلح کے اقوال۔ افعال اتنی احتیاط کے ساتھ محفوظ کئے ہوں۔ اور پھر اتنی تفصیل کے ساتھ گھریلو نجی زندگی سے لے کر امور سلطنت تک زندگی کے ہر شعبے کے متعلق کوئی بھی پہلو مخفی نہ رہا ہو۔ فی الواقع محدثین اُمت نے اس سلسلے میں گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ منکرین اسلام بھی ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مقام حدیث:- احکام شرعیہ کا پہلا ماخذ کلام الٰہی ہے۔ اس کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ مگر ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یعنی وحی ربانی۔ جس وحی سے قرآن پاک کا تعلق ہے۔ وہ وحی جلی یا متلو کہلاتی ہے۔ اور حدیث سے متعلق وحی کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہتے ہیں یہ کہ حضور کا کوئی ارشاد بھی وحی ربانی کے بغیر نہیں ہوتا۔ قرآن کی اس آیۃ مبارکہ سے ثابت ہے۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ؕ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ کا ارشاد وحی ہی ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات اس امر کو مزید واضح کر دیتی ہیں کہ حدیث نبوی واقعۃً وحی الٰہی ہی ہے۔

ا:- وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ "ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا تھا جس پر آپ تھے مگر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ رسول کی پیروی کرنے والے کون ہیں۔ جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتے ہیں ؕ

اس آیت کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے اللہ تعالےٰ ہی نے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا۔ لیکن یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے کہ وحی خفی ہی کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی۔

۲۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ (جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی ذکر کی طرف جلدی کرو۔)

اس آیت میں نماز جمعہ کے لئے اذان دینے کا ذکر ہے۔ مگر قرآن میں اذان کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خفی دی۔

حدیث مستقل ماخذ تشریع ہے:

اکابر علماء امت جن میں امام شافعی و ابن حزم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ احادیث صرف قرآنی احکام کے اجمال ہی کی شرح نہیں بلکہ احکام شرعیہ کے لئے ایک مستقل ماخذ ہیں۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس امر کا بین ثبوت ہیں۔

۱۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ (اور رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔)

قرآن کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ پر عمل کرنے اور جن کاموں سے حضور منع فرمائیں ان سے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ اصحابہ اکرام نے حدیث کو مستقل ماخذ تشریعی سمجھتے ہوئے اسی قرآنی آیت سے استشہاد کیا۔ مثلاً عبدالرحمن بن یزید نے ایک دفعہ حج کے موقع پر ایک شخص کو جو ظاہری طور پر احرام باندھے ہوئے تھا۔ سلا ہوا کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو عبدالرحمن نے اسے اس کپڑے کو اتار کر سنت کے مطابق احرام باندھنے کو کہا جب اس نے کہا کہ مجھے کوئی آیت بتلایئے جس میں یہ حکم موجود ہو تو عبدالرحمن نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

Marfat.com

۲- وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ " (نبی ان کے لئے طیب چیزیں حلال کرتا ہے۔ اور گندی ناستھری چیزیں حرام کرتا ہے۔

گویا قرآن کی مانند حدیث بھی جن چیزوں کو حلال ٹھہرائے گی حلال ہونگی۔ اور جن کے متعلق حرمت کا فیصلہ دے گی۔ وہ حرام ہونگی۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے، کتے، درندے شکاری (پنجے دار) پرندے حرام قرار دیئے۔

مقام حدیث حضور کی نظر میں:- مندرجہ ذیل احادیث بخوبی سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حدیث کی اہمیت کیا تھی۔

۱- حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار رہو، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جو کچھ اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کا رسول جو کچھ حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا۔ خبردار تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ چیر پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ، حاکم)

۲- حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے۔ کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ خبردار رہو۔ خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں۔ اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔ اللہ نے تمہارے لئے ہرگز یہ حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں اجازت کے بغیر گھس جاؤ۔ یا اُن کی عورتوں کو مارو پیٹو۔ یا ان کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہوں (ابو داؤد)

۴۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری تمام امت جنت میں جائیگی۔ سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون انکار کرے گا۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔" (بخاری)

حدیث کا مقام ائمہ اربعہ کی نظر میں: حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل اقوال اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ حدیث کو کس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۱۔ اِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَی الرَّاسِ وَالْعَیْنِ۔ (المدخل للامام بیہقی)	جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو وہ بسر و چشم قبول ہے۔
۲۔ اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ وَاَقْوَالِ الصَّحَابَۃِ۔ (روضۃ العلماء)	میرے قول کو حدیث نبوی و اقوال صحابہ کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔
۳۔ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ (تفسیر مظہری)	جب صحیح حدیث موجود ہو تو میرا مذہب وہی ہے۔

ایک دفعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روضۂ نبوی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ہر شخص کی صحیح بات تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اور غلط ٹھکرائی جا سکتی ہے۔ مگر اس قبر والے کی ہر بات واجب التسلیم ہے۔ (حیات مالک ابو زہرہ)

امام شافعی و امام حنبل رحمۃ اللہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔

الحاصل شریعت اسلامیہ کا پہلا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور دوسرا حدیث جو کہ قرآنی احکام کے اجمال کی تشریح و توضیح بھی ہے۔ اور ایک مستقل ماخذ تشریعی بھی۔ لہٰذا امت مسلمہ کے نزدیک واجب العمل ہے۔ دینی اہمیت کے علاوہ احادیث نبویہ کو قانونی، اخلاقی، ثقافتی اور تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے۔ عہد رسالت کے مسلمانوں یعنی اصحابہ اکرام کی تہذیب و تمدن حدیث ہی کے ذریعہ محفوظ ہے

نیز حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا مکمل آئینہ ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ محدثین امت نے اس سلسلہ میں جس تندہی۔ جانفشانی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔ اور یہ بھی حضور کا ایک معجزہ ہے اور جس قدر تفصیل سے حضور کی صورت و سیرت سے متعلقہ حالات و کوائف ملتے ہیں۔ دنیائے عالم کے کسی مذہبی رہنما یا مصلح کے نہیں ملتے تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

فصل دوم

حُجیت حدیث

حدیث حُجت ہے :۔ احادیث نبویہ کا دین میں حجت ہونا محققین امت کا تحقیق شدہ امر ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ بلکہ اہل علم ایسے شخص کو عالم ہی نہیں سمجھتے جو اس حقیقت کو حقیقت نہ سمجھتا ہو۔ استشہاد کے لئے نصوص قرآنیہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ اطاعت رسول فرض ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے اس واضح حکم کے بعد بحث و تمحیص لا حاصل ہے۔ مزید برآں عین قرآنی آیات میں اطاعت رسول کو فرض قرار دیا گیا۔ مثلاً اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔ ۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ صریح ہیں۔ ان میں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی اطاعت کرنے کی کیا ممکن صورت ہو سکتی ہے۔ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ حضور کی حدیث و سنت کی پیروی

Marfat.com

کی جائے۔ مسائل کے حل کے لئے ان سے استدلال کیا جائے۔ اور قرآن پاک کے بعد حدیث کو اسلامی قوانین و ضوابط کا دوسرا مستقل ماخذ سمجھا جائے۔ چنانچہ قرن اول کے مسلمان یعنی صحابہ کرام کا یہی طرز عمل رہا۔

اصحابہ اکرام کا حدیث سے احتجاج:۔ اکابر اہل علم اصحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی کوئی معاملہ پیش آتا اور اس کا حل صراحتہً قرآن میں نہ پاتے تو حدیث کی طرف رجوع کرتے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل مستند واقعات اس ضمن میں بین ثبوت ہیں۔

۱۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ ظاہری سے تشریف لے جانے کے بعد حضور کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں اصحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار حضرات کا اجتماع اپنے میں سے خلیفہ بنانے پر مشورہ کر رہا تھا۔ جبکہ اطلاع پانے پر حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وہاں پہنچ گئے۔ ہر دو جانب سے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں دلائل دیئے جانے لگے۔ اور قریب تھا کہ جھگڑا ہو جاتا اور یہ جھگڑا ایک فتنہ عظیم کا پیش خیمہ بنتا مگر صدیق اکبر نے جونہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش فرمائی۔ " اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ " (بخاری) تو جملہ اصحابہ نے سر تسلیم خم کر لیا۔ چنانچہ اس ایک حدیث نے اتنے بڑے مسئلہ کو آنِ واحد میں حل کر دیا ورنہ مسلمانوں میں انتخاب خلیفہ کے سلسلے میں افتراق و انتشار پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ اصحابہ میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے انکار کرنے یا اسے بطور حجت تسلیم کرنے سے انکار نہ کیا۔

۲۔ مندرجہ بالا واقعہ کی طرح حضور نبی کریم صلے اللہ وسلم کے دفن کرنے کے سلسلے میں بھی جب اختلاف رائے پیدا ہوا۔ تو یہ حضرت ابوبکر ہی تھے جنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا تھا۔ کہ نبی جس جگہ فوت ہوتا ہے اسی جگہ اس کی قبر بنتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے منظر عام پر آنے سے۔ سب نے خاموشی اختیار

Marfat.com

کردی۔ اور حضور کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں حضور نے انتقال فرمایا۔

۳۔ اسی طرح جب حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کے بارے میں اپنا مطالبہ پیش کیا۔ جس کے جواب میں صدیق اکبر نے حضور کی یہ حدیث سنائی جسے سنتے ہی حضرت فاطمہ خاموش ہو گئیں اور مطمئن ہو کر گھر تشریف لے گئیں۔ وہ حدیث یہ تھی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" (بخاری) یعنی ہم انبیاء کا گروہ نہ کسی سے ورثہ پاتے ہیں۔ نہ کسی کو وارث بناتے ہیں۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

۴۔ اصحابہ میں سے مجتہد حضرات بھی حتی الوسع کسی مسئلہ کے حل کے لئے اجتہاد سے گریز کرتے اور کوشش کرتے کہ اس بارے میں انہیں کوئی حدیث مل جائے۔ اگر مل جاتی تو اسی سے احتجاج کرتے ورنہ اجتہاد کرتے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود سے کسی شخص نے ایسی عورت کے مہر کے متعلق دریافت کیا جس کا مہر بوقت نکاح مقرر نہ کیا گیا تھا۔ اور اس کا خاوند فوت ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ضمن میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نہیں ملا۔ سائل ایک ماہ تک آپ کے پاس مسئلہ کے جواب کے لئے آتا رہا۔ ایک ماہ کی تحقیق و تجسس کے بعد جب آپ کوئی حدیث نہ ملی تو لاچار اجتہاد فرمایا۔ کہ اس عورت کو اپنی جیسی عورتوں کا سا مہر ملے گا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کا اجتہاد بعینہٖ حدیث کے مطابق نکلا۔ جس وقت آپ نے فیصلہ دیا اتفاق سے حضرت معقل بن یسار وہاں موجود تھے۔ انہوں نے آپ کے فیصلے کی توثیق حضور کی حدیث سے کی اور کھڑے ہو کر شہادت دی کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کی ایک اسی قسم کی عورت کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا "قواعد الحدیث" میں ہے کہ آپ یہ سن کر اتنے خوش ہوئے کہ عمر بھر اتنے خوش نہیں ہوئے تھے۔

الغرض اصحابہ کرام جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مسائل شرعیہ کے لئے

حدیث نبوی کو حجت سمجھتے اور اس سے احتجاج کرتے تھے۔

تابعین کا حدیث سے احتجاج:- قبل ازیں ضرورت و حجیت حدیث کے عنوان کے تحت اس حقیقت کا اظہار ہو چکا ہے۔ کہ اصحابہ کے بعد تابعین خصوصاً ان میں سے اصحاب مذہب حدیث و سنت سے احتجاج و استناد کرتے۔ بلکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اپنا مسلک بیان کر دیا تھا۔ کہ سنت پر عمل لازم ہے اس سے احتجاج واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول" اذا صَحَّ الحدیث فَھُوَ مَذْھبی" بھی گذر چکا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ آپ احادیث سے احتجاج کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہ اس لئے کہ آپ کے عہد میں حدیث میں وضع حدیث نیز حدیث میں افترا پردازی کا فتنہ بہت زیادہ پھیل چکا تھا۔ اسی لئے آپ نے خبر احاد کی قبولیت کے لئے بڑی کڑی شرائط عائد کر دی تھیں۔" اصول سرخسی" میں یہ شرائط حسب ذیل ہیں:-

۱- خبر واحد دین کے اجماعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔
۲- عمومات قرآن اور اس کے ظاہر سے نہ ٹکراتی ہو۔
۳- سنت مشہورہ قولی یا فعلی کے خلاف نہ ہو۔
۴- صحابہ و تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔
۵- راوی نے مروی عنہ سے بالمشافہ ملاقات کی ہو۔ محض اس کے خط پر ہی استناد نہ کیا ہو۔
۶- راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔
۷- جب دو صحابی دو مختلف حدیثیں روایت کریں۔ اور ان میں سے ایک صحابی نے ایک حدیث پر عمل کرنا ترک کر دیا ہو تو اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔
۸- حدیث کسی زائد بات میں روایت کرنے میں منفرد نہ ہو۔ خواہ یہ اضافہ متن میں ہو یا سند میں۔

Marfat.com

۹۔ حدیث میں روایت کردہ بات ایسی نہ ہو جو عموماً وقوع پذیر ہوتی ہو

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث سے احتجاج کرنے کے سلسلے میں عدالت کا بے حد احترام کرتے اور عموماً فرمایا کرتے "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) قول کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا قول حجت ہو سکتا ہے؟ آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الرسالۃ" کی ایک پوری فصل حجیت حدیث کے لیے وقف کر دی ہے۔

جہاں تک امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث سے احتجاج کا تعلق ہے، تو وہ خبر واحد کو قطعی اور علم و عمل کے لیے واجب قرار دیتے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف "الموطا" اس ضمن میں واضح ثبوت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے متعلق علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ آپ پر فقہ کی نسبت حدیث کا زیادہ غلبہ تھا۔ اور جب آپ کو کسی بارے میں حدیث مل جاتی تو اسی سے احتجاج کرتے۔ اور مخالف کے قول کی کوئی پرواہ نہ کرتے خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ائمہ کبار حدیث نبوی کو اسلامی قانون کا قرآن کے بعد دوسرا ماخذ سمجھتے تھے۔ اس کو بڑی اہمیت دیتے اور اس سے احتجاج کرتے۔ اگر ان حضرات میں کوئی اختلاف تھا۔ تو صرف خبر احاد کے مفید علم یقینی ہونے کے سلسلے میں تھا۔

اخبار احادیث احاد سے احتجاج کی شرائط:۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ایسے حضرات جو چند شرائط کے تحت احادیث احاد سے احتجاج کرتے تھے اپنے اس مسلک کی تائید میں آثار صحابہ میں سے مندرجہ ذیل آثار پیش کرتے ہیں۔

۱۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میراث جدہ کے بارے میں صرف حضرت مغیرہ کی روایت کردہ روایت کو قبول نہ کیا۔ جب محمد بن مسلمہ نے اس روایت کی تصدیق

Marfat.com

کی تو پھر اسے تسلیم کیا۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استیذان کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جب تک حضرت ابوسعید خدری کی طرف سے اس کی تائید نہ ہوئی۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب تک حلف نہیں لے لیتے تھے۔ روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حلف نہیں لیتے تھے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسنان اشجعی کی روایت جس میں اس عورت کا ذکر تھا جس کا نکاح بغیر مہر مقرر کئے ہوئے رد کر دیا تھا۔

۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت کو تسلیم نہ کیا۔ جس میں گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیئے جانے کا بیان تھا۔

مندرجہ بالا قرائن دشواہد سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اصحابہ خبر واحد سے قطعاً احتجاج نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کا یہ طرز عمل حزم واحتیاط کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی روایت کو قبول کرنے میں توقف کرنے کی وجہ شک دور کرکے یقین حاصل کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق نے اس بارے میں جو بات حضرت ابوموسیٰ اشعری کو فرمائی تھی۔ اس سے مندرجہ بالا حقیقت واضح ہو جاتی ہے آپ نے فرمایا "میں تمہیں متہم کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقصد رسول اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی اہمیت جتانا ہے"۔

محدثین نے جن احادیث کو قبول نہ کیا اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ ان میں قبولیت کی شرائط جو محدثین نے مقرر کی ہوتی تھیں نہ پائی گئیں۔ ان کے معارض اور احادیث مل گئیں۔ البتہ جب کسی حدیث کی صحت ثابت ہو جائے۔ تو اس کو محض قیاس سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اس کے مخالف کوئی دوسری اصل

Marfat.com

مل جائے۔ روایت صحیحہ کی صحت ثابت ہوتے ہی اسے ایک اصل یا ضابطہ کی حیثیت دے دی جائے گی۔ خواہ اس کی تائید و توثیق کے لئے دوسری اصل ملے یا نہ ملے البتہ اگر مل جائے تو یہ اس کی تقویت کا باعث ہوگی۔

خبر واحد جس کا راوی ثقہ ہو جمہور علمائے امت کے نزدیک حجت ہو گی۔ اور واجب العمل ہو گی۔ چنانچہ امام احمد، حارث محاسبی حسین بن علی، ابو سلیمان اور امام مالک جیسے اکابر محدثین کی جماعت اس امر پر متفق ہے کہ خبر واحد قطعی الدلالۃ اور علم یقینی کی موجب ہوتی ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں "ایک عادل راوی جب اپنے جیسے راوی سے کوئی روایت کرے تو وہ علم و عمل دونوں کی موجب ہو گی" خطیب بغدادی اگرچہ خبر واحد کو علم قطعی یقینی کے لئے مستقبل نہیں سمجھتے مگر اس پر عمل کرنا واجب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی فن حدیث میں معرکۃ الآرا تصنیف الکفایہ فی علم الروایۃ میں ایک مستقل باب "خبر واحد پر عمل کا وجوب اور اس کے دلائل" میں اس باب کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ کہ خبر واحد قابلِ قبول و قابلِ احتجاج ہے۔ بشرطیکہ اس میں مندرجہ ذیل باتیں نہ پائی جائیں۔

۱۔ خبر واحد عقل سلیم کے منافی نہ ہو۔
۲۔ خبر واحد قرآن پاک کے محکم حکم کے خلاف نہ ہو۔
۳۔ خبر واحد سنت نبوی سے نہ ٹکراتی ہو۔
۴۔ سنت کے قائم مقام فعل کے خلاف نہ ہو۔
۵۔ خبر واحد قطعی دلائل سے نہ ٹکراتی ہو۔

مندرجہ بالا مبنی برحقیقت دلائل سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحیح حدیث اگرچہ خبر واحد ہو اسلامی قانون میں حجت تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام احادیث متواتر ہوں یا یہ کہ امت مسلمہ کے تمام افراد کسی حدیث سے علم یقینی حاصل کرتے ہوں۔

Marfat.com

خبر محتف بالقرائن سے احتجاج:- محققین حضرات صرف صحیح السند خبر واحد ہی کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے بلکہ ہر خبر محتف بالقرائن کو بھی حجت قرار دیتے اور علم قطعی کے لئے مفید سمجھتے ہیں اگرچہ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق بعض محدثین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ جو علماء خبر محتف کو علم یقینی کے لئے مفید خیال کرتے ہیں۔ وہ خبر کو اس قسم کو طرق کثیرہ رکھنے والی حدیث جو متواتر کے درجہ تک نہ پہنچی ہو پر ترجیح دیتے ہیں۔ بشرطیکہ ایسی حدیث ہم اور کسی حافظ حدیث نے جرح نہ کی ہو۔ اور نہ ہی اس کا اور کسی حدیث سے تناقض و تعارض پایا جائے۔ اور کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی بھی کوئی صورت نہ ہو۔ ترجیح کے بغیر دو تناقض حدیثیں اپنی صحت ثابت نہیں کر سکتیں۔

اگر خبر حسن خصوصاً حسن لذاتہ کو قرائن سے قوت مل جائے۔ تو یہ صحیح حدیث کے ہم پلہ ہو جائے گی۔ اور صحیح حدیث کے مانند اس سے احتجاج کیا جائے گا۔ اگرچہ باعتبار قوت واحساس یقین اس کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوگا۔ حدیث حسن کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں علامہ خطابی "قواعد التحدیث" میں فرماتے ہیں: "احادیث کے معیار کا دارو مدار زیادہ تر حدیث حسن پر ہے۔ اس لئے کہ اکثر احادیث صحت کے درجے پر فائز نہیں ہوتیں۔ نیز یہ کہ عام فقہا و علماء حسن احادیث پر عمل کرتے اور ان کو قبول کرتے ہیں۔

(۲) جو احادیث دین میں حجت نہیں اور نہ ہی ان سے استدلال کیا جاتا ہے وہ ضعیف احادیث کی تمام اقسام ہیں۔ جن کا بیان کتاب کے پہلے حصے میں گذر چکا ہے۔ ضعف خواہ سند میں ہو یا متن میں۔ اور خواہ کتنا ہی معمولی ہو۔ حجیت حدیث کے سلسلے میں اس تمام بحث کا لب لباب یہ ہے۔ کہ محدثین صرف اسی حدیث کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں جو صحیح ہو ہر شک وشبہ سے پاک ہو۔ جسے متقی اور صالح راویوں نے روایت کیا ہو۔

دوسرا باب

تاریخ تدوینِ حدیث

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علوم شرعیہ کی زیادہ تر تکمیل ان ادوارِ اسلامیہ میں ہوئی جنہیں قرون ثلثہ کہتے ہیں۔ یہی وہ بابرکت قرون ہیں جن کو زبان نبوت نے خیر القرون کے عظیم الشان لقب سے نوازا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونہم ثمّ الذین یلونہم" (یعنی تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر میرے بعد آنے والے لوگوں کا پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔

چنانچہ حدیث کی جمع و تدوین بھی زیادہ تر انہی قرون میں ہوئی۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لہٰذا تدوین حدیث کے سلسلے میں تاریخ تدوین حدیث کے ان ادوار کی مندرجہ ذیل تقسیم کی جاتی ہے۔

۱۔ بعثت نبوی سے سنہ ۱۱۰ھ تک (عہد رسالت و عہد صحابہ)
۲۔ سنہ ۱۱۰ھ سے سنہ ۱۶۰ھ تک تابعین کا عہد
۳۔ سنہ ۱۶۰ھ سے سنہ ۲۲۰ھ تک تبع تابعین کا عہد۔

اب تدوین حدیث کے سلسلے میں جو کام ان زمانوں میں ہوا۔ اگلے تین فصلوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

بعثت نبوی تا سنہ ۱۱ھ

فصل اوّل (قرنِ اوّل) عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں تدوینِ حدیث

عہدِ رسالت میں تدوینِ حدیث

عہدِ رسالت میں کتابت:- اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ علم قید تحریر میں آکر زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحابہ میں کتابت کی تحریک پیدا کرنے کے لئے فرمایا "قلمبند کرکے علم کو محفوظ کرلو" (جامع البیان مدین البتر) ابتدائے اسلام میں اگرچہ فن تحریر سے واقف حضرات کی تعداد قلیل تھی مگر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ کاتبان وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے سامنے صفّہ کی بنیاد رکھی اور حضور نے عبداللہ بن سعید بن عاص کو لوگوں کو کتابت کی تعلیم دینے پر مامور کیا۔ تو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ مدینہ کی نَو مساجد بچوں کی تعلیم کے لئے مدارس کا کام بھی دیتی تھیں۔ کتابت کی اہمیت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ جس میں حضور نے سنہ ھ میں مدینہ کے تمام مسلمانوں (مردوں، عورتوں، بچوں) کے نام لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر صحیح بخاری میں "باب کتابۃ الامام للناس" مذکورہ حدیث کے الفاظ ہیں "لوگوں میں سے اپنی زبان سے جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے۔ اس کا نام لکھ لو۔ تعمیل ارشاد میں ہم نے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھے"

آغازِ اسلام میں حدیث کے لکھنے کی ممانعت کی وجہ:- ابتدا میں حضور نبی کریم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے صحابہ اکرام کو حدیث کو ضبط تحریر میں لانے سے منع فرمادیا تھا۔ اس لئے کہ آپ کے اقوال مبارکہ قرآن کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں اور دونوں میں فرق و امتیاز باقی نہ رہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت مذکور ہے۔ کہ حضور نے فرمایا "مجھ سے سن کر مت لکھو۔ جس نے قرآن کے سوا کوئی اور چیز لکھی وہ مٹا دے میری باتیں بے شک لوگوں تک پہنچاؤ۔ جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے" ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں "مجھ سے کتاب اللہ کے سوا کچھ نہ لکھو"

کتابِ حدیث کی اجازت:۔ جب قرآن کا اکثر حصہ نازل ہو گیا۔ صحابہ نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور حدیث نبوی کے ساتھ اس کے التباس کا خطرہ نہ رہا۔ تو حضور نے کھلم کھلا حدیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں حضرت رافع بن خدیج کی روایت پیش کی جا سکتی ہے۔ جیسے امام جلال الدین سیوطی نے "التدریب" میں محدث رامہرمزی نے "المحدث الفاصل" میں نقل کیا وہ یہ ہے۔ "حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں۔ کیا انہیں لکھ لیا کریں آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں"

نیز سنن ترمذی و معالم السنن للخطابی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ "ایک انصاری دربار رسالت میں حاضر ہو کر ارشادات نبوی سنا کرتے مگر بھول جایا کرتے تھے۔ بارگاہ رسالت میں یہ شکوہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا "اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو (لکھ لیا کرو)

اسی طرح آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو بھی کتابت حدیث کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور اسی کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے "الصحیفۃ الصادقہ" مرتب کیا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

یہ بھی عین ممکن ہے کہ مصلحت کے پیش نظر حضور نے بعض صحابہ کو حدیث

لکھنے کی اجازت دی اور بعض کو منع فرما دیا۔ جیسا کہ محدث ابن قتیبہ نے اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں ذکر فرماتے ہیں۔ اور اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں "ممکن ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو کو حدیث لکھنے کی اجازت خصوصی طور پر اس لئے دی ہو۔ کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے تھے۔ نیز سریانی و عربی میں لکھنا جانتے تھے۔ بخلاف دیگر صحابہ کے کہ اُن میں سے صرف ایک دو اچھی طرح لکھ سکتے تھے۔ اور اس میں بھی انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف تہجی بھی صحیح لکھنے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھا۔ اس لئے حضور نے ایسے صحابہ کو لکھنے سے منع فرما دیا۔ اور حضرت عبداللہ کو اس لئے اجازت دی کہ یہاں پر اس قسم کا کوئی خدشہ نہ تھا۔"

مگر جب کتابت کے فن میں عام صحابہ نے مہارت حاصل کر لی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ نیز قرآن و حدیث کے باہمی خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ باقی نہ رہا۔ تو حضور نے حدیث لکھنے کی عام اجازت دے دی۔ بلکہ کئی ایک نوشتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ حدیث کو ضبط تحریر میں لانے اور تدوین کرنے کے بارے میں امت کے اجماع کے سلسلے میں محدث ابن الصلاح "علوم الحدیث" میں یوں رقمطراز ہیں "پھر یہ اختلاف جاتا رہا اور پوری امت کتابت حدیث کے جواز پر یک زبان ہو گئی۔ اگر حدیث نبویہ کو کتب میں مدون نہ کیا جاتا پچھلے ادوار میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔"

عہد رسالت میں تحریر شدہ نوشتے:۔ عہد رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں حدیث کے لکھے جانے والے مجموعوں میں سے بعض تو وہ تھے۔ جن کو حضور نے اپنے زیر اہتمام لکھوایا اور بعض کو صحابہ کرام نے حضور کی اجازت سے لکھا۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کہ کتابت حدیث کا کام زیادہ تر حضور کی حیات ظاہری کے آخری سالوں میں ہوا۔ جبکہ آپ نے اس کی کھلی اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل فہرست صحائف سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ

Marfat.com

حدیث کی جمع و تدوین کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

۱۔ صحیحین میں بروایت حضرت ابوہریرہ یہ حدیث موجود ہے۔ کہ فتح مکہ کے سال قبیلہ خزاعہ نے بنو لیث کا ایک شخص قتل کر دیا جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو حضور نے اونٹنی پر سوار ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں مکہ کی حرمت کا بیان تھا۔ یمن کے ایک شخص ابو شاہ نے عرض کی۔

"حضور یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے" چنانچہ حضور نے فرمایا۔ اُکْتُبُوا لِاَبِی شَاہٍ یعنی ابوشاہ کے لیے یہ لکھ دو۔

۲۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔ کہ آپ نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر اہل مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو کو دی تھیں۔ اس کی ایک نقل اپنے پاس رکھی۔

۳۔ دارقطنی نیز مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے ابوبکر بن حزم والیٔ بحرین کو دو صفحات پر مشتمل کتاب الصدقہ کے نام سے ایک تحریر لکھوائی۔ جس میں زکوٰۃ کے احکام تھے۔ نیز اس کی نقول محصلین زکوٰۃ کو ارسال کیں۔ یہ کتاب الصدقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ابن حزم سے یہ تحریر لی۔

۴۔ جب حضور نے عمرو ابن حزم کو والیٔ یمن مقرر کیا تو انہیں ایک تحریر لکھوا دی جس میں فرائض، صدقات، دیات، طلاق و عتاق، صلوٰۃ نیز مس مصحف کے احکام تھے (مسند احمد بن حنبل)

۵۔ ایک صحابی وائل بن حجر کو حضور نے نماز، روزہ، ربوا اور شراب کے احکام لکھوا دیے (معجم صغیر)

۶۔ حضرت معاذ بن جبل کو ایک تحریر لکھوا کر یمن بھیجی گئی۔ جس میں سبزیوں ترکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا بیان تھا۔ (دارقطنی)

۷۔ سلاطین و امرا کے نام تبلیغی خطوط لکھوا کر ارسال فرمائے۔ (بخاری)

۸۔ شوہر کی دیت کے سلسلے میں حضور نے ضحاک بن سفیان ایک صحابی

Marfat.com

کو ہدایت لکھوا کر دی تھی۔

(دار قطنی)

وہ صحائف اور نوشتے جو اصحابہ نے خود تحریر کئے تھے

۱۔ ترمذی میں سعد بن عبادہ انصاری سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے احادیث نبویہ پر مشتمل ایک صحیفہ لکھا ہوا تھا۔ آپ کا فرزند اسی صحیفہ سے حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اس صحیفہ کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ یہ صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی کتاب سے نقل کردہ تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھتے تھے۔

۲۔ حضرت سمرہ بن جندب متوفی ۶۰ھ نے بھی ایک صحیفہ میں احادیث جمع کی تھیں۔ ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلیمان کو ملا۔ اسی سے وہ روایت کرتے تھے۔ یہی صحیفہ سمرہ نے مکتوب کی شکل میں اپنے بیٹوں کو بھیجا۔ ابن سیرین اسی کے متعلق فرماتے ہیں۔ "سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کو بھیجا اس میں بہت سا علم موجود ہے۔ (تہذیب التہذیب)

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ نے مناسک حج سے متعلق ایک صحیفہ لکھا۔ (الکتاب ابن سعد۔ تذکرۃ الحفاظ)

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ جسے وہ اپنی تلوار کے میان میں رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے لوگوں کی درخواست پر دکھایا تھا۔ (بخاری)

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک مجموعہ تھا۔ جو ان کے صاحبزادے کے پاس تھا۔ (جامع بیان العلم)

۶۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ایک مجموعہ حدیث مرتب کیا جس کا نام کتاب سعد بن عبادہ تھا۔ جو کئی پشت تک آپ کے خاندان میں رہا۔ (مسند احمد)

۷۔ عہد رسالت میں لکھے جانے والے صحیفوں میں سب سے زیادہ مشہور صحیفہ وہ ہے جو صحیفہ صادقہ کے نام سے مشہور ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو

Marfat.com

بن عاص متوفی ۶۵ھ نے مرتب کیا تھا۔ اور بقول ابن اثیر اس میں ایک ہزار احادیث تھیں مسند احمد میں یہ صحیفہ جوں کا توں محفوظ ہے۔ اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ معتبر ترین تاریخی دستاویز اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ احادیث کو جمع کرنے کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے صحیفہ صادقہ لکھنے کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی ہے جو ان الفاظ میں مسند احمد میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں دو صحابہ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا معاملہ جدا گانہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

اسی صحیفہ سے عمرو بن شعیب متوفی ۱۲۰ھ جو عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پوتے تھے۔ حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

عہد صحابہ میں حدیث کی کتابت

صحابہ کرام کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے والہانہ محبت تھی۔ ان کو حفظ کرنا اور ضبط تحریر میں لانا ان کا عام شغف تھا۔ اس کار خیر کے لئے ان حضرات نے طویل سفروں کی جس قدر زحمت گوارا کی وہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ یہ واقعہ تذکرۃ الحفاظ میں منقول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ جو ایک مشہور عالم صحابی تھے انہوں نے ایک اونٹ خریدا۔ اس پر کجاوہ باندھ کر ایک ماہ سفر میں رہے۔ اور شام کے ملک میں پہنچ کر عبداللہ بن انیس سے قصاص کے بارے میں ایک حدیث دریافت کی

عہد صحابہ میں تعلیم حدیث کے لئے مستقل مدارس قائم ہو چکے تھے۔ مکہ، مدینہ اور کوفہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مکہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس صدر مدرس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مدینہ میں ابن عمر و حضرت زید بن ثابت، کوفہ میں حضرت ابن

Marfat.com

مسعود رضی اللہ عنہ۔ ان حضرات کے شاگرد علم حدیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ تحریرات کی شکل میں لکھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق خصوصیت کے ساتھ ان مدارس کی نگرانی فرماتے۔ کتابت کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد مشہور ہے۔ قیدوا العلم بالکتاب۔" کتاب کو علم میں لکھ لیا کرو۔ سنن دارمی میں حضرت انس کا اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت کرنا مذکور ہے۔

چنانچہ قلیل سی مدت میں حدیث کا کافی تحریری ذخیرہ جمع ہو گیا۔ وہ نوشتے اور تحریرات جو عہد صحابہ میں ضبط تحریر میں لائے گئے کئی ایک ہیں۔ البتہ ان میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

عہد صحابہ میں حدیث کی تحریرات

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعہ مرتب کیا جس میں پانچ سو احادیث تھیں۔ (اعلام والموقعین)

۲۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انس کو ایک خط میں زکوٰۃ کے احکام تحریر کرکے بھیجے۔ (مستدرک حاکم)

۳۔ امام حسن نے حدیثیں جمع کی تھیں۔ (مقدمہ صحیح بخاری)

۴۔ جامع ترمذی میں ہے۔ کہ ابن عباس کے بھی چند صحیفے تھے۔ جن میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔

۵۔ حضرت ابوہریرہ کے کتابت حدیث کے بارے میں فتح الباری میں حسن ابن عمرو کا بیان کہ حضرت ابوہریرہ مجھے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ اور حدیث نبوی کی کئی کتابیں دکھائیں اور فرمایا۔ کہ دیکھو یہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں۔ بشیر ابن نہیک فرماتے ہیں۔ کہ میں آپ سے عاریتہً کتابیں لے کر حدیثیں یاد کرکے آپ کو سناتا۔ اور پھر عرض کرتا کہ جو کچھ میں نے سنایا ہے۔ وہ سب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے ہاں۔

۶۔ مسند دارمی میں عبداللہ ابن محمد بن عقیل کا بیان مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم

Marfat.com

لوگ حضرت جابر کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں پوچھتے تھے اور لکھتے تھے۔

۷۔ حضرت زید بن ثابت نے حضرت امیر معاویہ کو وراثت پر ایک طویل اور جامع تحریر لکھ کر بھیجی جس کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ اس تحریر کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر دیگر تحریر کی ضرورت نہیں۔ (سنن بیہقی)

۸۔ حضرت علی کے پاس ان کے فتاوے کا لکھا ہوا مجموعہ تھا۔ جسے حضرت ابن عباس نے خود دیکھا تھا۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

۹۔ حضرت سعید بن جبیر و دیگر صحابہ حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے اور جب کاغذ ختم ہو جاتا تو اور کوئی چیز لے لیتے (سنن دارمی طحاوی)

۱۰۔ ابان تابعی کا بیان ہے۔ کہ ہم حضرت انس کے پاس بیٹھ کر ساگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھتے رہتے تھے۔ (سنن دارمی)

۱۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر کے فیصلے اور خطوط جمع کر رکھے تھے۔ (مقدمہ احیاء العلوم)

۱۲۔ حضرت ابی بن کعب نے تفسیر کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ اسی مجموعہ سے امام جریر طبری نے کثرت سے اخذ کیا۔ نیز حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس سے کافی اقتباسات لئے۔

۱۳۔ حضرت زید بن ثابت نے کتاب الفرائض مرتب کی۔

۱۴۔ عصر صحابہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا ایک صحیفہ لوگوں میں شائع ہوا۔ یہ صحیفہ حضور کے حکم سے ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ میں لکھا گیا تھا۔ اس میں مہاجرین و انصار یہودیوں اور عربوں کے حقوق و فرائض تحریر تھے۔ گویا اسلامی مملکت کے لئے یہ صحیفہ ایک دستور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے صحابہ میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی اس کی تحریر کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے "یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے۔ جو قریش کے مومنوں مسلمانوں اہل مدینہ اور

Marfat.com

ان کے تابعین ولواحقین اور مجاہدین کے درمیان لکھی گئی ہے۔ یہ باقی لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔

اس صحیفہ میں "اھل ھٰذہ الصحیفۃ" کے الفاظ پانچ مرتبہ دہرائے گئے تھے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعتہً یہ ایک تحریر تھی۔ اس کے تواتر کی بنا پر اس کے احکام کو قرآنی احکام کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ یہ صحیفہ حضرت علی کے پاس موجود تھا۔ جب اس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ کہ اس میں کیا کچھ تحریر ہے تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں دیت ادا کرنے، قیدیوں کو رہا کرنے کے احکام مذکور ہیں نیز یہ بھی لکھا ہے۔ کہ مسلم کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جا سکتا۔ (فتح الباری)

۵۔ حضرت عبداللہ ابن عباس متوفی ۶۹ھ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کی سیرت سے متعلق بہت سا مواد تختیوں پر لکھا ہوا تھا۔ علمی مجالس میں آپ یہ تختیاں اپنے ساتھ لے جاتے۔ وفات کے وقت آپ نے اتنی کتب احادیث چھوڑیں۔ جو ایک اونٹ کے بار کے برابر تھیں۔ حضرت ابن عباس کے یہ تحریری نوشتے طویل عرصہ تک لوگوں میں مشہور رہے آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے علیؓ کے پاس بطور ورثہ آئے۔ ان صحیفوں سے اس قدر استفادہ کیا گیا کہ کتب حدیث وتفسیر آپ کی مرویات سے بھر گئیں۔

۱۶۔ صحیفۂ ابی ہریرہ برائے ہمام بن منبہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے احادیث کے کئی ایک نوشتے تیار کئے جن میں سے سوائے ایک کے تلف ہو چکے ہیں۔ یہ وہ صحیفہ ہے جسے آپ کے شاگرد ہمام بن منبہ متوفی ۱۰۱ھ نے روایت کیا۔ تدوین حدیث کے سلسلہ میں یہ صحیفہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ یہ من وعن اسی طرح ہم تک پہنچ چکا ہے۔ جس طرح ہمام نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا اور پھر مدون کیا۔ اس صحیفہ کے دو نسخے اب بھی موجود ہیں۔ ایک برلن میں اور ایک دمشق میں۔ اس میں ۱۳۸ احادیث موجود ہیں۔ اور یہ سب کی سب مسند احمد نیز صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں محفوظ اور موجود ہیں۔ پہلی صدی ہجری کے وسط میں یہ

Marfat.com

لکھا ہوا یہ صحیفہ اس امر کے لئے ناقابل تردید ثبوت ہے۔ کہ تدوینِ حدیث کا کام پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ (سنن دارمی۔ طبقات ابن سعد)

عہد صحابہ میں لکھے ہوئے۔ حدیث کے کئی ایک تحریری نوشتے تو خود مرتب کرنے والے حضرات نے ہی تلف کر دیئے۔ کہ مبادا ان سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ اور وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحیح الفاظ قلمبند نہ کر سکے ہوں۔ چنانچہ طبقات الحفاظ میں تحریر ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پانچ صد احادیث پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ پھر اس خدشہ کی بناء پر اس کو تلف کر دیا۔ کہ اس میں انہوں نے کوئی ایسی چیز نہ لکھ دی ہو۔ جو انہیں اچھی طرح یاد نہ ہو۔ آپ کا یہ فعل آپ کے ورع اور تقویٰ کے تحت تھا۔

فصل دوم

قرنِ ثانی یعنی تابعین کے دور میں تدوین حدیث

تابعین کا شوقِ حدیث۔ صحابہ کرام کی صحبت کے فیض یافتہ یعنی تابعین کو احادیث نبویہ سے کس قدر محبت تھی۔ اور طلب علم حدیث میں ان حضرات نے کس قدر جانی مالی قربانیاں کیں مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہے۔

۱۔ حضرت ابو درداؓ کے پاس دمشق میں مدینہ کا ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ میں آپ کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں۔ ابو درداؓ نے پوچھا کسی اور ضرورت سے تو نہیں آئے اس نے جواب دیا نہیں آپ نے پھر کہا تجارت کے لئے آئے ہو اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے حدیث بیان کی۔ (ترمذی۔ ابو داؤد)

۲۔ سعد بن ہشام مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ نیز نمازِ تہجد کے متعلق پوچھا

Marfat.com

حضرت عائشہ نے سب کا جواب دیا (ابو داؤد)

۳۔ صرف کوفہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اٹھ سو شاگرد تھے۔

۴۔ تابعین حضرات نے ایک ایک حدیث کی تلاش۔ تحقیق و تجسس میں مہینوں کا سفر کیا۔ بے آب و گیاہ صحراؤں۔ میدانوں اور جنگلوں میں سے گذرے۔ مال و زر اسی نیک مقصد کے لئے قربان کر دیا۔ چنانچہ امام زہری نے طلب علم میں گھر کا تمام اثاثہ بیچ دیا۔ ابن مبارک نے چالیس ہزار روپیہ اور شیخ یحیٰی بن معین نے دس لاکھ خرچ کیے۔ (تاریخ الفقہ)

اس عہد میں تدوین حدیث کا آغاز:۔ تابعین میں سے سب سے پہلے جس نے تدوین حدیث کی طرف توجہ دی وہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز متوفی سنہ ھ تھے۔ آپ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں علم دنیا سے مٹ نہ جائے۔ اس لئے کہ دین میں رخنہ اندازی تو حضرت عثمان ہی کے عہد خلافت سے ہو چکی تھی۔ خوارج۔ روافض وغیرہ کئی ایک فرقہ ہائے باطلہ نے سر اٹھایا تھا۔ باطل پرست اپنے عقائد باطلہ و نظریات کاسدہ کی تائید میں من گھڑت حدیثیں وضع کرتے۔ چنانچہ آپ نے اکابر علما کو اکٹھا کر کے اپنا مقصد ظاہر کیا۔ آپ کے زہد و تقویٰ کے پیش نظر سب نے آپکے مقصد کی تکمیل میں کوشاں ہونے کا وعدہ کیا۔ اور اپنی اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم والئی مدینہ کے نام ایک خط میں لکھا "آپ کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث و سنت یا عمرہ کی جو روایت ہے اسے لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علم اور اہل علم کے مٹ جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے" (طبقات ابن سعد)

ابو بکر بن حزم نے خلیفہ کے ارشاد کی تعمیل کی مگر قبل اس کے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی مساعی جمیلہ کے نتائج سے خلیفہ کو آگاہ کریں خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔

ابن حزم کی طرح دیگر حکام کی طرف بھی آپ نے اسی قسم کے احکام بھیجے۔ آپ کی آواز پر سب سے پہلے جس عالم دین نے لبیک کیا وہ حجاز و شام کی مایہ ناز علمی شخصیت

محمد بن مسلم بن شہاب زہری متوفی سنہ ۱۲۴ھ تھے۔ امام زہری نے حدیث کی الگ کتاب بھی مرتب کی خلیفہ نے اس کی نقول مملکت اسلامیہ کے اطراف و جوانب میں بھیجیں۔ اپنی اس کتاب کی تالیف پر امام زہری فخریہ فرمایا کرتے تھے۔ اس علم کو میری طرح مجھ سے پہلے کسی نے بھی مدوّن نہیں کیا۔ امام زہری نے علم حدیث میں اس قدر تالیفات چھوڑیں کہ امام سیوطی و حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو امام زہری کی تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

اسی طرح سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں۔ کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے ہمیں حدیثیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ خلیفہ نے ان کی نقلیں ممالک محروسہ میں بھیجیں حافظ ابن حجر نے ابونعیم کی تاریخ اصفہان سے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے تمام صوبوں کے گورنروں کو حدیثیں جمع کرنے کے متعلق حکم لکھا ایک گورنر کو لکھا۔ کہ علماء کو حکم دے کہ مسجدوں میں حدیثوں کا درس دیں کیونکہ حدیثیں مرنے لگی ہیں۔ (جامع بیان العلم)

اس دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں جو گرانقدر خدمت سرانجام دی اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے آپ کے انتقال کے بعد بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ حدیث کے کئی ایک اور مجموعے تیار ہو گئے۔ یوں تو بے شمار اہل علم حضرات نے حدیث نبوی کو ضبط تحریر میں لانے کی سعی کی تاہم مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ترمذی اور دارمی میں ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ سالم ابن ابی الجعد حدیثیں لکھا کرتے تھے۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابوالزناد (تابعی) کا بیان ہے کہ ہم زہری کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ زہری اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ رکھتے تھے۔ جو سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے۔

۳۔ کنز العمال میں صالح بن کیسان کا بیان ہے۔ کہ طالب علمی کے زمانہ میں میں اور زہری

کا ساتھ تھا۔ زہری نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔

۴۔ دارمی۔ میں رجاء ابن حیوٰۃ (متوفی ۱۱۲ھ) کا بیان ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے عامل کو مجھ سے ایک حدیث دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ اگر وہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی تو میں بھول چکا ہوتا

۵۔ دارمی میں ہشام بن الغاز کا بیان ہے۔ کہ عطاء بن ابی رباح تابعی متوفی ۱۱۴ھ سے لوگ پوچھتے جاتے تھے۔ اور انہی کے سامنے لکھتے جاتے تھے۔

۶۔ دارمی۔ میں سلیمان ابن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے نافع کو دیکھا ہے۔ کہ وہ حدیثیں بولتے جاتے ہیں۔ اور لوگ ان کے سامنے لکھتے جاتے ہیں۔

۷۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص حسن بصری متوفی ۱۱۵ھ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میرے پاس آپ کی بیان کردہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔ کیا میں ان کی روایت آپ سے کرسکتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ ہاں۔

۸۔ ترمذی میں ابن جریج کا بیان ہے کہ میں ہشام بن عروہ متوفی ۱۴۶ھ کے پاس ایک کتاب لے کر پہنچا۔ اور کہا کہ یہ آپ کی روایتیں ہیں۔ ان کو میں بیان کروں۔ انہوں نے کہا ہاں۔

۹۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ابو قلابہ متوفی ۱۰۴ھ وفات کے وقت اپنی کتابوں کی وصیت ایوب سختیانی کے لئے کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ شام سے یہ کتابیں اونٹ پر بار کر کے لائے۔ ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے چودہ درہم ان کا کرایہ ادا کیا۔

۱۰۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے بعض موجود ہیں

۱۱۔ امام اوزاعی نے کئی ایک ضخیم کتابیں تصنیف کیں۔

۱۲۔ امام سفیان ثوری نے کئی ایک کتابیں لکھیں۔ جن میں سے ان کی تفسیر موجود ہے

۱۳۔ امام زفر جو امام اعظم کے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے بھی کتابیں لکھیں۔

تدوین علم حدیث کے سلسلے میں عہد تابعین کے یہ چند واقعات برسبیل تذکرہ

Marfat.com

پیش کیے گئے ہیں۔ بخوف طوالت اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بہر نوع اتنے واقعات بھی اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ کہ کتابت و تدوین حدیث کا کام کس قدر اہتمام کے ساتھ تابعین کے دور میں ہوا۔

فصل سوم

تحریر السنۃ فی عہد اتباع التابعین

تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث — اس دور میں کتابت حدیث کے واقعات اس قدر ہیں کہ حدیثوں کے دفتروں کے دفتر جمع ہو گئے۔ تصنیف و تالیف حدیث کا کام کتابوں کی شکل میں باقاعدگی سے شروع ہو چکا تھا۔ اس قرن میں کثرت سے تصانیف و تالیفات معرض وجود میں آئیں جن میں سے کئی ایک آج بھی موجود ہیں۔

کتابت حدیث کے واقعات — تابعین کے دور کی طرح اسی دور میں بھی محدثین کے لکھنے کا دستور یہی تھا کہ جو حدیث استاد سے سنتے لکھ لیتے۔ حدیثوں کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی جمع کئے جاتے تھے۔ مگر بعض حضرات صرف حدیثیں لکھتے تھے۔ اس قسم کی تالیف کو مسند کہتے ہیں۔ اس عہد میں مسند کی طرز کی حدیث کی کتابوں کو زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کتابت حدیث کے سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ محمد بن بشر کا بیان ہے کہ معمر متوفی ۱۵۳ھ کے پاس ایک ہزار حدیثیں لکھی ہوئی تھیں جن میں سے دس کے سوا ساری لکھ لیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۲۔ عبدالرزاق کا بیان ہے کہ میں نے معمر متوفی ۱۵۳ھ سے دس ہزار حدیثیں

سن کر لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۳۔ ہشام ابن یوسف کا بیان ہے کہ جب امام سفیان ثوری یمن گئے تو انہیں ایک تیز کاتب کی ضرورت ہوئی۔ لوگوں نے مجھے پیش کیا۔ چنانچہ میں ان کے لئے حدیثیں لکھا کرتا تھا۔ (تذکرہ)

۴۔ ابو نعیم کا بیان ہے کہ میں نے آٹھ سو مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔ شعیب ابن حمزہ متوفی ۱۶۳ھ نے بھی بہت سی حدیثیں لکھی تھیں۔ زہری بولتے اور شعیب لکھتے جاتے تھے۔ (تذکرہ)

۵۔ ابو عوانہ متوفی ۱۶۲ھ پڑھنا جانتے تھے۔ مگر لکھنا نہ جانتے تھے۔ اس لئے جب حدیث سننے کے لئے جاتے تو دوسروں سے حدیث لکھوا لیتے۔ (تذکرہ)

۶۔ ابن لہیعہ متوفی ۱۷۴ھ حدیث کی کتابیں موجود تھیں۔ ابن صالح کا بیان ہے کہ میں نے عمارہ ابن غزیہ کی حدیثیں ابن لہیعہ ہی کی کتاب سے نقل کی تھیں۔ (تذکرہ)

۷۔ سلیمان ابن ابی بلال متوفی ۱۷۲ھ کے پاس بھی حدیث کی کئی ایک کتابیں تھیں یہ موت کے وقت وصیت کر گئے تھے۔ کہ میری کتابیں عبدالعزیز ابن حازم کو دے دی جائیں۔ (تذکرہ)

۸۔ ابن مبارک نے اپنی لکھی ہوئی جن حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں کو سنایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ (تذکرہ)

کتابت حدیث کے اس دستور کے علاوہ اس دور میں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ باقاعدہ تصانیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں مکہ معظمہ میں ابن جریج المتوفی ۱۵۰ھ نے یمن میں معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے بصرہ میں سعید ابن ابی عروبہ المتوفی ۱۵۲ھ نے حدیث کی کتابیں تصنیف کیں۔ نیز اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ اور ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے غزوات اور سیرت نبوی پر کتابیں لکھیں۔

ان کے بعد امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ نے شام میں امام عبداللہ ابن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ نے خراسان میں حماد بن سلمہ المتوفی ۱۶۷ھ نے بصرہ میں سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ

Marfat.com

نے کوفہ میں جریر بن عبدالحمید المتوفی ۱۸۸ھ نے مدینہ میں اور ہشیم المتوفی ۱۸۳ھ نے واسط میں حدیث کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ نیز اسی زمانہ میں امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف موطا لکھی۔ اور ابو معشر المتوفی ۱۷۰ھ سندی نے غزوات نبوی پر کتاب لکھی۔

ان حضرات کے بعد امام شافعی کے استاد ابراہیم بن محمد اسلمی المتوفی ۱۸۴ھ) نے امام مالک کی موطا کی طرز پر ایک کتاب لکھی جو ابن عدی کے بیان کے مطابق موطا سے بڑی تھی۔ (تذکرہ)

معافی بن عمران المتوفی ۱۸۵ھ نے کتاب السنن۔ کتاب الزہد۔ کتاب الادب کتاب الفتن وغیرہ تصنیف کیں۔ (تذکرہ)

علاوہ ازیں امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ نے کتاب الآثار۔ کتاب الخراج لکھیں امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ نے موطا کتاب الآثار۔ کتاب الحج تصنیف کیں۔ ولید بن مسلمہ المتوفی ۱۹۵ھ نے حدیث کے مختلف موضوعات پر ستر کتابیں لکھیں۔ (تذکرہ)

ابن وہب المتوفی ۱۹۷ھ احوال القیامۃ اور جامع وغیرہ تصنیف کیں۔ محمد بن فضیل المتوفی ۱۹۵ھ میں کتاب الزہد کتاب الدعاء وغیرہ اپنی یادگار چھوڑی۔

اس دور کی تصنیفات میں سے کئی ایک آج بھی موجود ہیں۔ مثلاً سفیان کی جامع ابن مبارک کی کتاب الزہد والرقاق امام مالک کی مؤطا۔ امام ابو یوسف کی کتاب الآثار اور کتاب الخراج امام محمد کی موطا کتاب الآثار اور کتاب الحج۔

اس مقام پر اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ کہ حدیث کی جمع و تدوین کا کام جو ان قرون ثلثہ میں ہوا اس کا تعلق محض کتابت و تحریر ہی سے نہ تھا۔ بلکہ حفظ سے بھی تھا کتابت اور تحریر ہی تو تلف بھی ہو سکتی ہے۔ مگر جو چیز صحیح محفوظ ہو۔ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ خداداد قوت حافظہ میسر ہو۔ چنانچہ صحابہ تابعین و تبع تابعین کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر حیرت انگیز قوت یادداشت عطا کی ہوئی تھی جس کی نظیر آج مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ ان حضرات کی اس قدر قوت یادداشت کا ثبوت

Marfat.com

اسماء الرجال کی کتابیں مطالعہ کرنے سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ تدوین حدیث کے سلسلے میں خیر القرون سے متعلق قوت حافظہ اور یادداشت کے تاریخی واقعات کا بیان ضروری ہے۔ ان میں سے چند ایک ہی بیان کئے جاتے ہیں۔

صحابہ و تابعین کی قوت حافظہ

۱۔ اسماء الرجال کے مشہور عالم و صاحب تصنیف حافظ امام ذہبی اپنی مشہور و معروف تصنیف "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ابوہریرہ تم مال غنیمت کیوں نہیں مانگتے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے علم کی دولت مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضور نے میری چادر میرے جسم کا حصہ سے اتار کر زمین پر بچھا دی اور حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں۔ فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ چادر کو اپنے سینہ سے لگا لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد میرا یہ حال ہو گیا۔ کہ آپ کی حدیث کا ایک حرف بھی نہیں بھولتا تھا۔

۲۔ قتادہ تابعین میں مشہور مفسر اور حافظ حدیث ہو گذرے ہیں۔ ان کے متعلق امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ قتادہ جو کچھ سن لیتے تھے۔ آپ کو یاد ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ ان کے سامنے صحیفہ جابر بن روایت کی ہوئی حدیثوں کا مجموعہ صرف ایک ہی مرتبہ پڑھا گیا۔ ان کو کل یاد ہو گیا۔ خود انہی کا بیان ہے کہ میں نے استاد سے کبھی دہرانے کی خواہش نہیں کی۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کوئی چیز میرے کان میں پڑے اور وہ میرے دل میں نہ بیٹھ جائے (تذکرہ)

۳۔ امام شعبی ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بیان کر رہے تھے۔ اتفاق سے حضرت عبد اللہ بن عمر صحابی کا گذر ادھر سے ہوا۔ انہوں نے شعبی کا بیان سن کر فرمایا کہ باوجود ان غزوات میں خود شریک تھا۔ لیکن شعبی کو یہ واقعات مجھ سے زیادہ یاد ہیں اور مجھ

سے زیادہ باخبر ہیں۔ (تذکرہ)

امام شعبی کا بیان ہے کہ میں نے کبھی کوئی چیز نہیں لکھی۔ لیکن حافظہ ایسا ہے کہ کسی نے کوئی حدیث بیان کی تو اس کو بھولا نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہوا کہ استاد سے دوبارہ بیان کرنے کی خواہش کی ہو۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے شعر ہر چیز سے کم یاد ہے۔ البتہ اگر تم کو شعر سنانا شروع کردوں۔ تو ایک مہینہ تک کوئی شعر مکرر نہ سناؤں گا۔ (تذکرہ)

۴۔ ابو صالح سمان، کہ حافظہ کا یہ عالم تھا۔ کہ اعمش نے ان سے ایک ہزار حدیثیں کی تعلیم۔

۵۔ مکحول اپنی نسبت خود فرماتے تھے۔ میں نے یہ چیز اپنے سینے میں رکھ دی۔ پھر جس وقت چاہا اس کو اپنے سینے میں موجود پایا۔

۶۔ زہری کا بیان ہے کہ میں نے جو علم اپنے سینہ میں رکھ لیا اسے کبھی نہیں بھولا۔

۷۔ سعید کا بیان ہے کہ زہری سے ایک شخص نے حدیثیں لکھوانے کی درخواست کی۔ انہوں نے اس کو چار سو حدیثیں لکھوائیں۔ ایک مدت کے بعد وہ شخص دوبارہ زہری سے ملا اور کہا کہ مجھ سے وہ نوشتہ گم ہوگیا۔ زہری نے دوبارہ وہ حدیثیں ان کو لکھوا دیں۔ اتفاق سے اسے پہلا نسخہ بھی مل گیا۔ اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ تو سر مو بھی فرق نہ نکلا۔ (تذکرہ)

۸۔ زہری کے بھتیجے کا بیان ہے کہ زہری نے صرف اسی راتوں میں قرآن پاک یاد کرلیا تھا۔ خود امام زہری کا بیان ہے۔ میں نے کبھی دوبارہ کسی حدیث کو بیان کرنے کے لئے نہیں کہا۔ اور نہ ہی کسی حدیث میں شک پیدا ہوا۔

تابعین کے بعد کے طبقے:۔ صحابہ و تابعین کے بعد کے طبقات میں بھی قوت حافظہ کی فراوانی تھی۔ بلکہ ان طبقوں میں حافظہ کی بعض مثالیں پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عمرو بن حارث مصری جو تبع تابعی ہیں کی نسبت ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظہ میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ ابن وہب کا بیان ہے۔ کہ میں نے ان سے زیادہ قوی حافظہ کا انسان نہیں دیکھا۔ (تذکرہ)

۲۔ معمر تبع تابعی کا بیان ہے کہ میں نے چودہ برس کی عمر میں قتادہ سے حدیثیں سنی تھیں۔

Marfat.com

اس وقت سے آج تک جو کچھ سنا تھا۔ میرے سینہ میں لکھا ہوا ہے۔

۳۔ شعبہ کو اس قدر حدیثیں حفظ تھیں کہ ابو داؤد طیالسی نے ان سے سات ہزار سنی تھیں۔ اور غندر نے بھی اتنی ہی حدیثیں ان سے سنی تھیں۔ (تذکرہ)

۴۔ حماد بن سلمہ بلکہ تابعی کے پاس قیس بن سعد کی مرویات کے سوا کوئی حدیث لکھی ہوئی نہ تھی۔ عمرو بن عاصم کا بیان ہے کہ میں نے حماد سے دس ہزار سے بھی زیادہ حدیثیں سن کر لکھیں۔ (تذکرہ)

۵۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں نے اپنے سینے کو جو امانت بھی سپرد کی اس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ یحییٰ ترکان کہتے ہیں کہ میں نے سفیان سے زیادہ حدیث کا حافظ نہیں دیکھا۔ (تذکرہ)

۶۔ ہشیم کے پاس ۲۵ ہزار حدیثیں تھیں۔ ابن مہدی کا بیان ہے کہ وہ سفیان ثوری سے بھی بڑھ کر حافظ حدیث تھے۔ (تذکرہ)

۷۔ داؤد ضبی کا بیان ہے کہ اسماعیل بن عیاش کے ہاتھ میں نے کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ اپنی یاد سے حدیثیں سناتے تھے۔ اور ان کو تیس ہزار حدیثیں یاد تھیں۔

۸۔ ابن عیینہ کے پاس سات ہزار کے قریب حدیثیں تھیں ان سب کو وہ اپنی یاد سے بیان کرتے تھے۔

۹۔ ابن مبارک کے والد ایک دفعہ ان سے خفا ہوئے۔ اور کہا کہ تیری کتابیں مجھے مل گئیں تو جلا دوں گا۔ ابن مبارک نے کہا کہ اس سے کیا ہو جائے گا۔ وہ سب کی سب میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ (تذکرہ)

۱۰۔ ابو معاویہ نابینا تھے۔ اس کے باوجود علی ابن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے ڈیڑھ ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔ جریر کا بیان ہے کہ ہم اعمش کے پاس سے حدیثیں سن کر اٹھتے تھے پھر باہم مذاکرہ کرتے تھے۔ ہم سب میں ابو معاویہ سے بڑھ کر کسی کو یاد نہ ہوتا تھا۔ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ آنکھ والے لوگ اعمش کی مجلس میں میرے محتاج تھے۔ اور میں ان کی ساری حدیثیں زبانی بول دیتا

Marfat.com

تھا، وہ لکھ لیتے تھے۔ (تذکرہ)

۱۱۔ یزید بن ہارون کا خود اپنی نسبت گمان ہے۔ کہ مجھ کو ۲۴ ہزار حدیثیں مع سند یاد ہیں۔ اور وہ بھی اتنی صحت کے ساتھ کہ ان میں کوئی ایک حرف بھی ملا دے تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ زیاد بن ایوب کا بیان ہے۔ کہ میں نے یزید کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ (تذکرہ)

۱۲۔ قواریری کا بیان ہے کہ ابن مہدی نے بیس ہزار حدیثیں اپنی یاد سے مجھ کو لکھوئیں

۱۳۔ محمد بن عبید طنافسی کی حدیثیں چار ہزار تھیں۔ اور سب از بر تھیں۔

۱۴۔ ابو داؤد طیالسی کی یاد سے لوگوں نے چالیس ہزار حدیثیں لکھیں۔

۱۵۔ ابو احمد زبیری کے پاس سفیان ثوری کی احادیث کا بہت بڑا مجموعہ تھا فرمانے تھے کہ وہ مجموعہ مجھ سے چوری بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں اس لئے کہ وہ سب کا سب مجھے یاد ہے۔

۱۶۔ امام احمد نے محدث ابو زرعہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کو سات لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ امام بیہقی نے اس کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا "سات لاکھ احادیث اقوال صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں" (تدریب الراوی)

۱۷۔ امام بخاری اپنے متعلق خود فرماتے ہیں۔ کہ مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔ (تدریب الراوی)

فصل چہارم

قرون ثلاثہ کے بعد تدوین حدیث کا کام

علم حدیث کو فن کی شکل میں مدون کرنے کا کام باقاعدگی کے ساتھ قرون ثلاثہ کے بعد ہی شروع ہوا۔ اس عہد میں بے شمار کتب احادیث مرتب کی گئیں۔ اس عہد کی

Marfat.com

تصانیف کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں خالص احادیث نبوی جن میں صحابہ و تابعین کے فتاوے کی آمیزش نہ ہو لکھی گئی۔ اس دور کی علم حدیث کے موضوع پر لکھی گئی بے شمار تصانیف میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کتاب الامر لکھی جس میں علم حدیث کے تقریباً تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں المبسوط تصنیف کی ابو عمرو محمد بن جعفر نیشاپوری نے المبسوط اور کتاب الامر میں سے متصل احادیث کو تخریج کر کے ایک مسند مرتب کی جس کو مسند امام شافعی خیال کیا جاتا ہے۔ ابن اثیر نے اسی مسند کی ایک شرح لکھی۔

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی مشہور معروف تصنیف "المسند" لکھی جس میں اٹھارہ مسانید شامل ہیں۔ اس مسند میں چالیس ہزار مرفوع احادیث ہیں۔

اسی دور میں احادیث صحیحہ کا وہ مجموعہ مرتب ہوا جسے صحاح ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ در اصل حدیث کی چھ کتابوں پر مشتمل ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں:

امام بخاری کی صحیح بخاری۔ امام مسلم کی صحیح مسلم۔ امام ترمذی کی جامع ترمذی۔ ابو داؤد کی سنن ابو داؤد۔ امام نسائی کی سنن نسائی اور ابن ماجہ کی سنن ابن ماجہ۔

ان کتب احادیث اور ان کے مؤلفین کا ذکر بالتفصیل آگے آئے گا۔ صحیح احادیث نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ابواب و فصول کے تحت ان کتب صحاح ستہ میں رقم ہو گیا۔ اگرچہ بعد کے آنے والے علماء و محدثین نے علم حدیث پر تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ اور کچھ حد تک سے بھی کام لیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنی تصانیف کا دارومدار زیادہ تر اپنی کتابیں صحاح ستہ پر ہی رکھا۔ اصحاب صحاح ستہ کے بعد جن حضرات نے علم حدیث پر کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابو القاسم بن اصبغ القرطبی المتوفی ۳۴۰ھ نے کتاب ناسخ الحدیث و منسوخہ لکھی۔

۲۔ ابو علی اسمٰعیل بن قاسم البغدی المتوفی ۳۵۶ھ نے غریب الحدیث کے متعلق کتاب التاریخ تصنیف کی۔

۳۔ ابوالقاسم طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے تمام طرق حدیث کو ایک جگہ جمع کرتے کرانے سے تین معجم معجم صغیر معجم کبیر اور حضرت ابوہریرہ کی مرویات کو علیحدہ علیحدہ جمع کرنا چاہا مگر موت نے مہلت نہ دی۔

۴۔ ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی المتوفی ۳۶۰ھ نے ایک کتاب المحدث الفاصل لکھی۔ علم اصول حدیث پر یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔

۵۔ ابی سلیمان احمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے اصلاح اغلاط المحدثین سنے تصنیف کی۔

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدالحاکم المتوفی ۴۰۵ھ) نے بخاری و مسلم پر ایک جامع تصنیف مستدرک لکھی۔ علاوہ ازیں المدخل الیٰ علوم الحدیث بھی تصنیف کی۔

۷۔ احمد بن عبداللہ الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیا لکھی۔

۸۔ ابوبکر احمد بن حسن بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ) نے بخاری و مسلم پر ایک جامع کتاب سنن کبیر سنہ تالیف کی۔

۹۔ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے ایک سنن مرتب کی۔ اس کے علاوہ کتاب المؤتلف والمختلف اور کتاب العلل بھی لکھی۔

۱۰۔ ابوبکر احمد بن علی المتوفی ۴۶۳ھ نے حدیث کے ہر شعبہ پر کتاب لکھی۔ ان کی تصانیف بہترین ہیں جن میں سے اجازۃ المجہول والمعدوم مشہور ہے۔

۱۱۔ علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۶ھ نے تمام موضوعات کو ایک جگہ جمع کر دیا لیکن موضوعات کو جمع کرتے وقت بے جا سختی سے کام لیا۔ حتیٰ کہ بعض حسن حدیثوں کو بھی موضوع ٹھہرا دیا۔ امام سیوطی اور ابن صلاح نے اس کی تردید کی۔

۱۲۔ علامہ زرین المتوفی ۵۲۵ھ نے جدت سے کام لیتے ہوئے مؤطا اور صحاح ستہ میں ان تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ جن میں اصول بیان ہیں۔

Marfat.com

۱۳- علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۰۶ھ نے علامہ زرین کی کتاب کو حروف تہجی کی ترتیب کیساتھ ابواب میں مرتب کیا۔

۱۴- حافظ محمد الدین محمد بن محمود المتوفی ۶۴۳ھ نے کتاب انساب المحدثین لکھی۔

۱۵- شیخ ولی الدین ابی عبید اللہ محمد بن الخطیب المتوفی ۷۴۰ھ نے درسیات کی مشہور و معروف کتاب مشکوٰۃ المصابیح تصنیف کی۔

۱۶- حافظ ضیاء الدین مقدسی المتوفی ۷۴۲ھ نے موافقات تصنیف کی۔ اس میں انہوں نے جدت یہ کی کہ اوّل ان حدیثوں کو جمع کیا جن پر شیخین و ترمذی، ابوداؤد و نسائی کا اتفاق ہے۔

۱۷- مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ نے الضعیفہ کے عنوان سے ایک تصنیف کی جو چار جلدوں میں ہے ان میں ضعیف احادیث کو جمع کر دیا۔

۱۸- حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری لکھی یہ اُن کی ایک بے مثل تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں اصول حدیث پر نخبۃ الفکر لکھی۔

۱۹- امام جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے فنون حدیث پر ۸۹ کتابیں لکھیں انہوں نے تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جامع صغیر و زوائد میں بہت کچھ جمع کر دیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ موضوعات کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث کو جمع الجوامع کے نام سے جمع کر دیں۔ مگر زندگی نے ساتھ نہ دیا۔ تمام کتب صحاح پر ان کے حاشیے موجود ہیں۔

۲۰- شیخ علی متقی برہان پوری المتوفی ۹۷۵ھ نے امام سیوطی کی جمع کردہ احادیث کو ابواب فقہیہ میں باعتبار حروف تہجی جمع کرکے کنز العمال کے نام سے کتاب لکھی۔

۲۱- علامہ علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی بے شمار تصانیف چھوڑیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تصانیف امام جلال الدین سیوطی کی تصانیف سے کچھ کم ہی ہیں۔

الغرض نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے چوتھی صدی سے گیارھویں صدی کے آغاز تک علوم حدیث پر محدثین محققین کی تصانیف وتالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ بخوف طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

احادیث نبویہ کی تدوین کی تاریخ جس کا مختصر بیان گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے مطالعہ کرنے سے قاری پر یہ حقیقت واضح کر جاتی ہے کہ کتابت حدیث کا کام اور اس کی تدوین عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکی تھی۔ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ کہ احادیث تیسری یا چوتھی صدی میں لکھی گئیں۔ اس دعویٰ کے ابطال کے سلسلے میں تدوین حدیث کے موضوع کے تحت جو کچھ لکھا جا چکا ہے اگرچہ مختصر ہے برہان قاطعہ ہے۔ آئمہ حدیث نے طلب حدیث کی غرض سے جس خلوص اور جانفشانی کا ثبوت دیا۔ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ طلب حدیث کے شوق میں انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شیخ آدم ابن عیاس کے پاس حدیث سننے کے لئے گئے۔ تین دن تک کھانے کو کچھ میسر نہ آیا۔ مگر ہمت نہ ہاری اور سفر جاری رکھا

امام نسائی نے حصول حدیث کے لئے پندرہ برس کی عمر سے بلاد امصار اسلامیہ کا سفر شروع کیا۔

مزید برآں محدثین امت نے جمع وتدوین حدیث کے سلسلہ میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا۔ احادیث کو پوری تحقیق اور چھان بین کے بعد جمع کیا۔ صحیح احادیث کے لئے اصول وضوابط وضع کئے اور جو احادیث ان اصولوں پر پوری نہ اتریں چھوڑ دیں۔

مثلاً امام بخاری نے تدلیس کے ڈر سے ایک شخص کی دس ہزار مرویات ترک دیں۔

امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں ازبر تھیں۔ ان میں سے تیس ہزار منتخب کر کے اپنی مسند لکھی۔ اسی طرح امام بخاری نے صحیح بخاری میں چھ لاکھ میں سے امام ابو داؤد نے پانچ لاکھ میں سے اور امام مسلم نے تین لاکھ میں سے

Marfat.com

انتخاب کر کے اپنی اپنی کتابیں مرتب کیں۔

باب سوم

فصل اوّل

کتب حدیث مراتب کے لحاظ سے

کتب حدیث میں فرق مراتب: گزشتہ صفحات میں تاریخ تدوین حدیث کے زیر عنوان اس امر کا مدلل بیان گزر چکا ہے۔ کہ حدیث نبوی کے سلسلہ میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں ان میں سے کئی ایک ضائع ہو گئیں اور بعض ہم تک پہنچ سکیں۔ کتب احادیث کی اس افراوانی کا سبب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات عالیہ کو قلمبند کرنے کا ذوق وشوق تھا۔ جس سے محدثین کرام کے سینے لبریز تھے۔ اس کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ تمام احادیث کو یکجا جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ بعض آئمہ حدیث نے اس کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ مثلاً امام سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں اپنے علم کی حد تک تمام احادیث کو یکجا کرنا چاہا۔ مگر ایک لاکھ حدیث جمع کرنے کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کے قول کے مطابق حضور کی تمام احادیث قولی وفعلی کی تعداد دو لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

ظاہر ہے چونکہ ان کثیر التعداد احادیث کو مختلف ادوار میں مختلف کتابوں میں جمع کیا گیا۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ تمام کتب احادیث مرتبہ کے لحاظ سے ہم پلہ ہوں اس لئے علماء امت نے صحت حسن وضعف کے اعتبار سے

ان کتب کو چار طبقات میں تقسیم کیا۔

طبقہ اول :۔ اس طبقہ میں صحیح بخاری صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک شامل ہیں ان میں متواتر صحیح اور حسن ہر قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔

طبقہ دوم :۔ اس میں جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور مسند احمد بن حنبل شامل ہیں۔

ان میں درج شدہ احادیث اگرچہ طبقۂ اول کے درجہ کی ہیں۔ تاہم ان کو مرتب کرنے والے آئمہ حدیث نے حسب ضرورت ان میں تساہل سے کام نہیں لیا۔

متاخرین نے ان کو قبول عام کی سند دے دی۔ اور ضعیف کے باوجود ان سے کثیر احکام اخذ کئے محدثین ان دو طبقات کی کتب حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے اور ان سے قواعد و اصول شریعت استنباط کرتے ہیں۔

طبقہ سوم :۔ اس طبقہ سے وہ کتب تعلق رکھتی ہیں جن میں ضعیف قسم کی تمام حدیثیں مثلاً شاذ، منکر، مضطرب وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ اکثر راوی مستور الحال ہیں۔

مثلاً مسند ابن ابی شیبہ۔ مسند طیالسی، مسند عبد بن حمید، مصنف عبدالرزاق بیہقی۔ طبرانی اور طحاوی۔ ان کتابوں سے صرف بعض علمائے حدیث ہی استفادہ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔

طبقہ چہارم۔ اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں۔ جن میں واعظوں نیز مورخین وغیرہ سے ناقابل اعتماد روایات سن کر لکھ دی گئیں۔ مثلاً ابن مردویہ، ابن شاہین اور ابوالشیخ کی تصانیف۔ ماہرین علم حدیث اس طبقہ سے تعلق رکھنے والی کتب پر اعتماد نہیں کرتے۔

اقسام کتب احادیث

کتب احادیث کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

کتب صحاح۔ معاجم۔ مسانید۔ مستدرکات۔ مستخرجات۔ اجزاء اور

Marfat.com

ا۔ کتب صحاح :- ان میں بخاری ، مسلم ، ترمذی ، ابو داؤد ، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں۔ بعض علماء ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک کو شامل کرتے ہیں۔
مندرجہ بالا چھ کتب احادیث کو غلبۂ صحت کی بنا پر صحاح کہا جاتا ہے۔ ورنہ سنن اربعہ یعنی ترمذی ، ابوداؤد ، نسائی اور ابن ماجہ کا مرتبہ صحت کے لحاظ سے صحیحین سے کم ہے۔ نیز ان میں باریک بینی اور ضبط کی بھی کمی ہے۔
کتب صحاح ستہ میں سے ہر کتب کی اپنی الگ خصوصیات رکھتی ہے۔ تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ یہاں مختصراً ان کا بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً جو شخص فقیہ بننا چاہتا ہو اسے صحیح بخاری کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جسے قلت تعلیقات کے مطالعہ کا شوق ہو وہ صحیح مسلم پڑھے۔ علم حدیث میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے جامع ترمذی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ علم احکام کے لئے ابو داؤد کا مطالعہ مفید ہو گا۔ جو شخص فقہی ابواب کی حسن ترتیب کا شوق رکھتا ہو۔ اسے ابن ماجہ پڑھنا چاہیئے۔ جہاں تک نسائی کا تعلق ہے۔ اس میں اکثر ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

ب۔ الجوامع۔ جامع کا اطلاق اس کتاب پر ہوتا ہے۔ جو درج ذیل ابواب حدیث کو شامل ہو۔

۱۔ باب العقائد۔ ۲۔ باب الاحکام ۔ ۳۔ باب الرقاق۔ ۴۔ باب آداب طعام والشراب۔ ۵۔ باب لتفسیر والتاریخ والسیر۔ ۶۔ باب السفر والقیام والقعود (اس کو باب الشمائل بھی کہتے ہیں۔ (۷) باب الفتن ۔ ۸۔ باب المناقب والمثالب۔
اس قسم میں جامع بخاری و جامع ترمذی شامل ہیں۔

ج۔ المسانید۔ مسانید مسند کی جمع ہے۔ مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اسماء صحابہ کی ترتیب نیز ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر حدیثیں جمع کی جائیں۔ یا ان میں صحابہ کے حسب و نسب کا لحاظ کیا جائے۔ مثلاً مسند ابی داؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ یہ مسانید میں سے اولین مسند ہے۔ تمام مسانید سے زیادہ جامع و کامل مسند امام احمد بن حنبل ہے۔ مسند احمد میں بہت سی ایسی احادیث صحیح

Marfat.com

میں جو صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

د۔ معاجم:۔ معاجم معجم کی جمع ہے۔ مُعجَم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جس میں ترتیب حروف کے لحاظ سے شیوخ بلدان اور قبائل کے ناموں کے مطابق حدیثیں بیان کی جائیں۔ سب سے زیادہ مشہور معجم طبرانی کی معجم کبیر اور معجم متوسط ہیں۔

ہ۔ مستدرکات:۔ اس کا واحد مستدرک ہے۔ یہ اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جن میں وہ احادیث لکھی جائیں جو کسی مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں۔ مگر اس کتاب میں موجود نہ ہوں۔ امام حاکم نیشاپوری کی مستدرک علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور ہے۔ امام ذہبی نے اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

و۔ مستخرجات:۔ حافظ عراقی کے قول کے مطابق مستخرج کا مطلب ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی احادیث کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند میں روایت کرے اور اس کی سند مؤلف کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر مل جائے۔

مستخرجات میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مستخرج ابی بکر اسماعیلی علی البخاری۔ ۲۔ مستخرج ابی عوانہ علی مسلم۔
۳۔ مستخرج ابی علی طوسی علی الترمذی۔ ۴۔ مستخرج محمد بن عبد الملک بن ایمن علی سنن ابی داؤد۔

ز۔ الاجزاء:۔ حدیث کی جس کتاب میں صرف ایک ہی صحابی یا راوی کی مرویات لکھی ہوئی ہوں اس کو "جزء" کہتے ہیں۔ مثلاً جزء ابی بکر اسی طرح حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث یکجا کر دی گئی ہوں اس کو بھی "جزء" کہتے ہیں۔ مثلاً "جزء فی قیام اللیل للمروزی" نیز جزء فی "صلوٰۃ الضحیٰ للسیوطی" علاوہ ازیں وحدانیات۔ ثنائیات۔ اور عشاریات اور امام مسلم کی کتاب الوحدانی بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

Marfat.com

فصل دوم

مشہور کتب احادیث کا تفصیلی جائزہ

صحیح بخاری:- یہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عظیم الشان تصنیف ہے۔ جسے اہل اسلام اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی کلام اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ دیتے ہیں۔ طبقات کتب احادیث کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا پورا نام "الجامع الصحیح" ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے سے پہلے امام بخاری نے طلب حدیث کے شوق میں دور دراز ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ آپ نے بلخ، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، حمص، عسقلان، دمشق اور مکہ میں رہ کر علماء محدثین سے علم حدیث سیکھا۔ آپ کے شیوخ حدیث کی تعداد تو ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح آپ نے چھ لاکھ احادیث کا مجموعہ تیار کیا۔ ایک دن آپ اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ کہ انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کاش تم میں سے کوئی ایسی کتاب مرتب کرے جس میں صحیح احادیث جمع ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں میرے دل میں اپنے استاد کی خواہش کی تکمیل کا ارادہ ہوا۔ ایک رات خواب میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ میں کھڑا حضور کو پنکھا جھل رہا تھا۔ اور حضور کے جسم پاک سے مکھیوں کو دور کر رہا تھا۔ صبح اس خواب کی تعبیر کسی ماہر معتبر سے پوچھی انہوں نے فرمایا۔ کہ اس خواب کو دیکھنے والا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کذب و افترا دور کرے گا فرماتے ہیں کہ میں اسی دن سے اس مقدس کام پر کمر بستہ ہو گیا۔ مسجد نبوی میں حضور کے منبر شریف اور قبر انور کے درمیان بیٹھ کر تصنیف شروع کر دی۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے۔ دو رکعت نفل ادا کرتے۔ استخارہ فرماتے پھر حدیث

Marfat.com

کو قلمبند کرتے۔ اس طرح سولہ سال کی مدت میں آپ نے چھ لاکھ احادیث کے عظیم مجموعہ کو کانٹ چھانٹ کر بڑی محنت اور کڑی شرائط کے تحت احادیث کا یہ مجموعہ تیار کیا۔ جس کا نام الجامع الصحیح رکھا۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں آپ نے انتہائی احتیاط سے کام لیا پوری تحقیق و تنقید کے بعد اس میں بمطابق حوالہ مقدمہ فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی ۹۰۸۲ احادیث جمع کیں۔ جن میں مکررات تعلیقات اور متابعات بھی شامل ہیں۔ اس میں موصول احادیث باتکرار کی تعداد ۷۶۰۲ ہے۔ احادیث معلقہ مرفوعہ ۱۵۹ ہیں۔ ۳۴۵۰ ابواب ہیں۔ تصنیف کے بعد آپ نے کتاب کو امام احمد بن حنبل۔ علی ابن المدینی یحیٰی بن معین ایک جماعت محدثین کے سامنے بنظر استصواب پیش کیا۔ سب نے اسے پسند کیا۔ صرف چار احادیث کے متعلق اختلاف ہوا۔ ان کے متعلق بھی محققین نے امام بخاری کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔ صحیح بخاری کی جن احادیث پر حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے ان کی مجموعی تعداد ۱۱۰ ہے۔ اُن میں سے ۳۲ صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ۷۸ احادیث روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں۔ جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے۔ ان کے متعلق بھی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں " جن احادیث پر جرح کی گئی ہے۔ ان میں کوئی ایسی علت قادحہ نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے حدیث کو مجروح قرار دیا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر احادیث پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ان کا جواب ممکن ہے" اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ ۹۰ ہزار اشخاص نے اس کتاب کو آپ کی زندگی ہی میں آپ سے بلاواسطہ سنا۔ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں۔ صاحب کشف الظنون نے ۸۲ شروح کا ذکر کیا ہے۔ سب سے افضل شرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری ہے علاوہ ازیں علامہ قسطلانی کی شرح ارشاد الساری اور علامہ عینی کی شرح عمدۃ القاری بھی ہیں۔ مگر ان کا درجہ فتح الباری سے کم ہے۔

صحیح بخاری کی خصوصیات: صحیح بخاری کے عنوانات ایک خاص طریقہ سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ہر باب کا آغاز

Marfat.com

قرآنی آیات سے ہوتا ہے اور ان سے فقہی احکام کے استنباط میں اتنی سہولت ہے کہ علماء کا مقولہ ہے کہ جو شخص فقیہہ بننا چاہے وہ صحیح بخاری کا مطالعہ کرے۔

صحیح مسلم پر ترجیح: ابو مسلم نیشاپوری اور چند ایک مغربیہ کے علماء کے سوا تمام محدثین اس امر پر متفق ہیں کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن اسنادات پر صحیح بخاری کی صحت کا دارومدار ہے وہ ان اسنادات سے زیادہ قوی و کامل ہیں جن پر صحیح مسلم کا مدار ہے۔

مثلاً اتصال سند کے لیے امام بخاری کے نزدیک راوی جس سے روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کم از کم ایک بار ملاقات شرط ہے مگر امام مسلم کے ہاں یہ شرط نہیں ان کے نزدیک راوی اور مروی عنہ کا ایک دوسرے کا معاصر ہونا ہی کافی ہے۔

دوم:- امام بخاری نے رواۃ حدیث کے عدل و ضبط کا بڑی احتیاط سے خیال رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے رجال (رواۃ حدیث) صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت کم مجروح ہیں۔ علاوہ ازیں جو رواۃ مجروح ہیں امام بخاری ان سے بہت کم روایت کرتے ہیں نیز اکثر مجروحین ان کو اپنے بلا واسطہ شیوخ ہیں۔ جن کی احادیث سے وہ خود اچھی طرح واقف تھے۔ اس کے مقابلے میں صحیح مسلم کی مجروح رواۃ کی تعداد زیادہ ہے نیز اکثر مجروحین ان کے بالواسطہ شیوخ ہیں جن کی احادیث سے وہ اچھی طرح واقف نہ تھے۔

سوم:- صحیح بخاری میں صحیح مسلم کی نسبت شاذ اور معلل حدیثیں کم ہیں۔

المختصر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام بخاری کا پایہ امام مسلم سے اعلیٰ وارفع ہے امام مسلم امام بخاری کے شاگرد ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ چنانچہ محدث دارقطنی لکھتے ہیں اگر امام بخاری نہ ہوتے تو فن حدیث میں امام مسلم کو اتنی شہرت حاصل نہ ہوتی۔

صحیح مسلم

صحیح مسلم ابو الحسین مسلم بن الحجاج قشیری کی تصنیف ہے۔ صحاح ستہ میں اس

تصنیف کو صحیح بخاری کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ کتب احادیث کے طبقہ اول میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں امام مسلم نے حد درجہ کاوش اور عرق ریزی سے کام لیا۔ تین لاکھ احادیث میں سے بارہ ہزار کا انتخاب کر کے صحیح مسلم کو مرتب کیا۔ اس لئے انہیں بجا طور پر اپنی اس تصنیف پر فخر تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے "اگر محدثین دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں تو ان کا انحصار و مدار صحیح مسلم پر ہو گا" (تذکرۃ الحفاظ)

آپ نے اس کتاب کو مرتب کرنے کی غرض سے کئی ایک ممالک اسلامیہ مثلاً عراق شام، مصر، بغداد اور حجاز کا سفر کیا۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں صرف مشہور احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے نیز یہ بھی خیال رکھا کہ راوی صرف عادل ہی ہو۔ بلکہ شہادت کی تمام شرائط بھی پوری کرتا ہو۔

خصوصیات:۔ امام مسلم نے اس کتاب کو مرتب کرتے وقت یہ خاص خیال رکھا ہے کہ ایک حدیث صرف ایک ہی جگہ لائی جائے اور وہیں اس کے تمام طرق و اسانید کو جمع کر دیا جائے۔ امام بخاری کا طریقہ اس سے مختلف ہے وہ ایک ہی حدیث کو جو کئی ایک طرق و اسانید رکھتی ہو۔ مختلف ابواب میں مکرر ذکر کر دیتے ہیں۔

۲۔ امام مسلم حدثنا اور اخبرنا میں فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ حدثنا صرف اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں۔ جب استاد حدیث کے الفاظ پڑھتا رہا ہو اور شاگرد سن رہا ہو۔ بخلاف ازیں اخبرنا اس وقت کہیں گے جب شاگرد نے استاد کو پڑھ کر سنایا ہو۔ اکثر محدثین امام مسلم کی اس رائے سے متفق ہیں۔

۳۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلم رواۃ حدیث کے الفاظ من و عن ضبط دیتے ہیں۔ مثلاً یوں کہتے ہیں "حدثنا فلان و فلان و اللفظ لفلان قال حدثنا او حدثنا فلان"

۴۔ اگر رواۃ حدیث کے درمیان متن حدیث کے کسی لفظ میں یا راوی کی کسی

لفظ میں راوی کی کسی صفت ۔ نسبت یا کہ کسی بات میں اختلاف ہو تو امام مسلم امانت ، دیانت کے پیش نظر اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔ اس سے آپ کے حفظ و ضبط کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

۵۔ بغرض اختصار "حدثنا" کے لئے "ثنا" اور "اخبرنا کے لئے" "نا" لکھتے ہیں۔ نیز امام مسلم اپنی صحیح میں حا (ح) بکثرت استعمال کرتے ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کہ ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔

سنن ابی داؤد

حدیث کی یہ کتاب ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی کی تصنیف ہے ۔ آپ نے عراق ۔ خراسان ، شام ، مصر، عراق اور حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ سینکڑوں ائمہ محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل عثمان بن ابی شیبہ ۔ ابن سعید جیسے بلند پایہ حضرات سے استفادہ کیا۔ آپ نے پانچ لاکھ احادیث جمع کیں جن میں سے اپنی اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں لکھیں۔ یہ کتاب علما میں بڑی مقبول ہوئی ۔ اس میں ابو داؤد نے رواۃ اور مرویات پر بڑی اچھی طرح سے تبصرہ کیا ہے اس کتاب میں زیادہ تر ایسی احادیث جمع کی ہیں ۔ جن کا تعلق احکام دین سے ہے اسی لئے علماء کا قول ہے۔ کہ جس نے احادیث احکام کا مطالعہ کرنا ہو اسے سنن ابو داؤد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ آپ نے اس کتاب کو مکمل کر کے اپنے شیخ امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اسے بڑا پسند کیا۔ اس کتاب کی مدح میں ابو طاہر نے ایک قصیدہ لکھا ۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں "ابن عربی گفتہ است کہ شخصے را کہ علم الکتاب اللہ و سنن ابو داؤد حاصل شود ۔ او را معرفۃ ما ستنا دین کافی شد۔"

Marfat.com

ابو داؤد اپنی اس تصنیف کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی اس کتاب میں صحیح۔ صحیح سے مشابہ اور اس کے قریب قریب جو حدیثیں ملیں درج کی ہیں۔ اور جن میں زیادہ کمزوری تھی ان کو بیان کر دیا ہے۔"

جامع ترمذی

حدیث کی یہ کتاب ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی کی تصنیف ہے۔ کتب احادیث کے طبقات میں اس کا شمار دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے خراسان، حجاز اور عراق کے محدثین سے استفادہ کر کے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ یہ کتاب حدیث حسن کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل اقسام حدیث پائی جاتی ہے۔

۱۔ ایسی احادیث جن کی صحت قطعی و حتمی ہو۔

۲۔ ایسی احادیث جو نسائی و ابو داؤد کی شرط کے مطابق ہوں۔

۳۔ وہ حدیث جس کی علت خود امام ترمذی نے بیان کر دی ہے۔

۴۔ ایسی احادیث جن پر فقہاء نے عمل کیا ہے۔

خصوصیات:۔ جامع ترمذی کی حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

۱۔ ہر حدیث کے راوی صحابی کا نام درج کیا ہے۔ تاکہ صحت حدیث معلوم ہو سکے۔

۲۔ ایسی حدیث جس میں مختلف مسائل کا بیان ہو۔ اس میں علماء کا اختلاف بھی بیان کر دیا ہے۔

۳۔ ہر راوی کی شخصیت اور اس کی دیانت کا بھی ذکر کیا ہے۔ تاکہ اس کے ضبط اور عدل کا اندازہ ہو سکے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ عبداللہ بن محمد انصاری نے سنن ترمذی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

Marfat.com

"سنن ترمذی میرے نزدیک صحیح بخاری سے بھی افضل ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے وہ شخص مستفیض ہو سکتا ہے۔ جو فن حدیث میں پوری واقفیت رکھتا ہو۔ جامع ترمذی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں امام ترمذی نے احادیث کی اچھی طرح وضاحت کر کے ہر ایک کو تفصیلاً بیان کر دی ہے۔ اس لئے فقہا و محدثین سب کے لئے مفید ہے۔" اس لئے علماء کا قول ہے" جو شخص علم حدیث کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنے کا خواہاں ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔"

نیز اس کتاب کے متعلق امام ترمذی خود فرماتے ہیں کہ وہ میں نے اس کتاب کو تصنیف کر کے جب علماء حجاز و عراق و خراسان پر پیش کیا۔ تو انہوں نے اسے پسند کیا۔ جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یہ سمجھے کہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے گھر میں گفتگو فرما رہے ہیں۔" اس کتاب کی مدح میں علماء نے قصیدے لکھے۔ علامہ قسطلانی اور ایک دوسرے محدث کے قصیدوں کو علامہ علی بن سلیمان حموی نے اعلیات ستہ کے مقدمہ میں نقل کیا۔ عربی میں اس کی شرحیں موجود ہیں۔

سنن ابن ماجہ

یہ کتاب حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی جو ابن ماجہ کے عرف سے مشہور ہیں کی تصنیف ہے۔ طبقات کتب حدیث میں تیسرے طبقے کی کتاب ہے۔ صحاح ستہ میں چھٹے درجے پر ہے بعض علماء اسے صحاح ستہ میں داخل نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ موطا امام مالک کو شامل کرتے ہیں۔ اس میں ۳۲ کتابیں ۱۵۰۰ ابواب اور ۴۰۰۰ احادیث ہیں۔ اس کی خصوصیات میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق نہایت حسن و خوبی کے ساتھ دی گئی ہے اس کتاب کے متعلق محدث ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف اور

Marfat.com

موضوع روایات بھی موجود ہیں مگر ان کی تعداد تیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ کتاب میں موضوع احادیث کے اندراج کے متعلق شبہ ہے کہ آپ کے کسی مخالف نے بعد میں درج کر دی ہیں۔ اس لیے کہ ابن ماجہ کی علمی دستگاہ اور دیانت داری مسلّم ہے چنانچہ ایک موضوع حدیث ان کے اپنے شہر قزوین کی تعریف اور فضیلت پر درج ہے۔ کئی ایک علماء نے سنن ابن ماجہ کی شرحیں لکھیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی کی شرح جس کا نام مصباح الزجاجہ ہے۔

ایک شرح حافظ برہان الدین بن محمد حلبی کی۔

ایک شیخ کمال الدین بن موسیٰ کی جو پانچ جلدوں میں ہے۔

ایک شرح سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی کی۔

ایک شیخ ابوالحسن سندھی بن عبدالہادی کی۔

اور ایک شیخ عبدالغنی بن شیخ ابی سعید مجددی دہلوی کی جس کا نام انجاح ہے۔

سنن نسائی

اس کتاب کے جامع امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی ہیں۔ طلب حدیث میں انھوں نے خراسان۔ حجاز۔ عراق۔ جزیرہ۔ شام اور مصر کا سفر کیا۔ اکابر شیوخ حدیث سے حدیث سنی۔ مصر میں اقامت اختیار کر کے اس کتاب کی تصنیف شروع کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے سے پیشتر امام نسائی نے ایک اور کتاب لکھی تھی۔ جس میں صحیح اور حسن دونو قسم کی احادیث درج کیں۔ اس کا نام سنن کبریٰ رکھا۔ بعدہٗ آپ نے زیر تبصرہ کتاب مرتب کی جس میں صرف صحیح احادیث لکھیں اور اس کا نام سنن نسائی رکھا۔ طبقات کتب احادیث میں اس کا تعلق دوسرے طبقہ سے ہے۔ اس کتاب میں صحیح بخاری و مسلم کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں اس کتاب پر تنقید و تبصرہ کرنے والے محدثین میں سے حافظ ابو علی۔ امام حاکم نیز خطیب بغدادی کا یہ قول ہے۔ کہ امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے بھی زیادہ

کرتی ہیں۔

علماء نے سنن نسائی کی بھی کئی شرحیں لکھیں۔ کشف الظنون کے مؤلف نے اپنی کتاب میں کئی ایک شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

مؤطا امام مالک

اس کتاب کے مصنف امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طبقات کتب حدیث میں پہلے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ بعض علماء اسے صحاح ستہ ہی میں شمار کرتے ہیں۔ امام مالک نے ایک لاکھ حدیثوں میں سے اس کتاب کا انتخاب کیا اور اس کی ترتیب و تہذیب پر چالیس برس صرف کئے۔ جب اس کی تصنیف مکمل کر چکے اور مدینہ کے ستر فقہا کو اسے دکھایا۔ سب نے اسے پسند کیا۔ اس میں اہل حجاز کی قوی حدیثیں نیز صحابہ و تابعین کے فتوے ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب ابواب فقہ کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ اس میں تمام وہ صحیح اصول مندرج ہیں۔ جو متفق علیہ ہیں۔ صحاح ستہ کے لئے یہی کتاب اصل کا کام دیتی ہے۔ شاہ عبد العزیز عجالۂ نافعہ میں اس سلسلے میں فرماتے ہیں "موطا اصل وام الصحیحین است صحیح بخاری ومسلم ہر چند در بسط وتمیز الرجال وکثرت احادیث دہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال روات اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اند واگر بنظر تعمق دیدہ شود احادیث مرفوعہ موطا غالباً در صحیح موجود اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر مؤطا باعتبار احادیث مرفوعہ۔ آثار صحابہ وتابعین خود موطا زیادہ است۔"

امام ابن حزم مؤطا کی شان میں فرماتے ہیں "مؤطا حدیث و فقہ دونوں کی بہترین کتاب ہے میرے خیال میں اس کی کوئی نظیر نہیں"۔ مؤطا میں چونکہ ہر نوع احادیث کے ساتھ اقوال صحابہ و اقوال تابعین بھی شامل ہیں اس لئے تعداد حدیث میں اختلاف ہے۔ ابن خلدون کے مطابق تین سو ایک قول کے مطابق سات سو علی ابن مدینی کے قول کے مطابق ایک ہزار

Marfat.com

ہزار ہیں۔ (خلاصہ التہذیب) اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ بعض حضرات نے صرف احادیث مرفوعہ کو شمار میں لیا ہے۔ بعض نے تمام اقسام کو اور بعض نے آثار وغیرہ کو بھی۔ تمام احادیث و آثار کا مجموعہ ۱۰۲۷ ہے۔

مؤطا میں درج شدہ تمام احادیث مسند نہیں بلکہ ان میں مرسل، معضل اور منقطع بھی ہیں۔

بعض علماء نے مؤطا کی احادیث کی تقسیم بلحاظ تعداد درج ذیل طریقے سے کی ہے۔

(۱) مسند احادیث	۶۰۰	(۲) مرسل احادیث	۲۲۲
(۳) موقوف	۶۱۳	(۴) اقوال تابعین	۲۸۵

امام مالک کے ایک ہزار تلامذہ نے یہ کتاب آپ سے روایت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نسخوں میں اختلاف ہے۔ ان تمام نسخوں کی تعداد نہیں ہے۔ جن میں سے بیس زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں مشہور ترین نسخہ یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی مصمودی کا روایت کردہ نسخہ ہے۔

امام شافعی کا قول ہے۔ کہ آسمان کے نیچے مؤطا سے زیادہ صحیح کتاب بعد کتاب اللہ کے کوئی نہیں۔ علماء کی بڑی تعداد نے اس کی شرحیں لکھیں۔

مسند امام احمد بن حنبل

مسند امام احمد بن حنبل چالیس ہزار احادیث مرفوع کا مجموعہ ہے جن میں مکررات دس ہزار ہیں جسے امام موصوف نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا۔ مسندات میں سب سے زیادہ جامع اور صحیح شمار کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق طبقات کتب حدیث کے دوسرے طبقہ سے ہے۔

اس میں سات سو اصحاب کی روائتیں ہیں۔ اٹھارہ مسانید ہیں۔ جن میں سب سے پہلی مسند عشرہ مبشرہ کی روایات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی

کتاب "تعجیل المنفعۃ برجال الاربعہ" میں بیان کرتے ہیں۔ کہ مسند امام احمد بن حنبل میں صرف تین یا چار حدیثیں ایسی ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اس کتاب کو آپ کے بیٹے عبداللہ نے مرتب کیا۔ مرتب کرتے وقت دس ہزار مزید احادیث کو شامل کر دیا بیشتر اس کے کہ امام اس کی کانٹ چھانٹ مکمل کرتے آپ کا انتقال ہو گیا۔ حافظ ابو بکر محمد بن عبداللہ مقدسی حنبلی نے مسند کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا۔

فصل دوم

کثیر الروایت صحابہ کے حالات

کثیر الروایت صحابہ کرام

جس صحابی کی روایات ایک ہزار سے زائد ہوں اس کو کثیر الروایت تصور کیا جاتا ہے کثیر الروایت اصحابہ کی تعداد سات ہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔
(۱) ابوہریرہ۔ (۲) عبداللہ بن عمر۔ (۳) انس بن مالک (۴) عائشہ صدیقہ (۵) عبداللہ بن عباس۔ (۶) جابر بن عبداللہ۔ (۷) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم۔
مندرجہ بالا ترتیب کے مطابق ان اصحابہ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر کنیت ابوعمر۔ اور لقب ابوہریرہ ہے۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے سال مشرف باسلام ہوئے۔ آپ قبیلہ ازد کی شاخ بنو دوس بن زہران سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اہل صفہ کے سربراہ تھے۔ آپ کے لیے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قوت حافظہ میں زیادتی کے لیے دعا فرمائی جو بارگاہ خداوندی

Marfat.com

میں قبول ہوئی۔ دعا کا یہ واقعہ بخاری، مسلم اور ترمذی میں درج ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ خود اس واقعہ کے راوی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی باتیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا چادر بچھاؤ۔ میں نے بچھا دی اس کے بعد میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں مگر وہ مجھے کبھی نہیں بھولیں"۔

آپ بڑے ہی زاہد متقی، خوش طبع اور ملنسار تھے۔ بچوں سے ملتے تو انہیں خوب ہنساتے رات کو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کرتے۔

خلافت فاروقی میں آپ بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ مگر کسی وجہ سے معزول ہو گئے۔ بعض لوگوں کے قول کے مطابق حضرت علی نے انہیں اپنے عہد خلافت میں عامل مقرر کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ کا امیر مقرر کیا۔ حضرت عمر فاروق چونکہ کثرت روایت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ کو فرمایا "یا تو روایت احادیث کو ترک کر دو۔ ورنہ میں تمہیں قبیلہ دوس کی سرزمین میں پہنچا کر چھوڑ دوں گا" جب ابوہریرہ نے آپ کو یہ حدیث سنائی "جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا گھر دوزخ میں بنائے" تو حضرت عمر نے روایت حدیث کی اجازت دے دی۔ اور کہا آپ جائیے اور روایت کیجئے"۔

امام شافعی فرمایا کرتے تھے" ابوہریرہ جملہ راویان حدیث سے بڑے حافظ تھے"

مروان کا کاتب سالم روایت کرتا ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ کو بلا کر ایک چارپائی کے پیچھے بٹھا دیا۔ مروان ابوہریرہ سے حدیثیں پوچھتا جاتا تھا۔ اور لکھتا جاتا تھا۔ ایک سال کے بعد اس نے آپ کو ایک پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور اپنی تحریر شدہ حدیثوں کے متعلق آپ سے پوچھنے لگا۔ ابوہریرہ نے وہ تمام احادیث بلا کم و بیشی و بلا تقدیم و تاخیر بیان کر دیں۔ آپ سے ۵۳۷۴ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں تین سو اڑتالیس حدیثوں پر مدار احکام ہے۔ حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نیز حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و ابی بن کعب و اسامہ بن زید و عائشہ و دیگر صحابہ

Marfat.com

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کے ان شاگردوں کی تعداد آٹھ سو ہے جنہوں نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک جیسے اکابر شامل ہیں۔ تابعین میں سے سعید بن مسیب۔ ابن سیرین۔ عکرمہ، عطا، مجاہد اور شعبی نے آپ سے روایت کی۔ حضرت ابوہریرہ تک جو صحیح ترین سند پہنچتی ہے وہ یہ ہے ابن شہاب زہری از سعید بن مسیب از ابوہریرہ اور ضعیف ترین سند ہے۔ "سری بن سلیمان از داؤد بن یزید اودی از والد خود یزید از ابوہریرہ۔

آپ نے ۷۸ برس کی عمر میں موضع عقیق ۵۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی کے لخت جگر اور حضرت حفصہ ام المومنین کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کا شمار ان اربعہ عبادلہ میں ہوتا ہے جو فتوے دیتے تھے۔ آپ بعثت نبوی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ اپنے والد محترم کے ساتھ دس برس کی عمر میں مشرف با اسلام ہوئے۔ غزوہ احد میں آپ کی صغرسنی کی وجہ سے آپ کو جنگ میں شرکت میں اجازت نہ ملی۔ اس کے بعد تقریباً تمام غزوات میں حصہ لیا۔ اسلامی تاریخ کی مشہور لڑائیوں مثلاً قادسیہ، یرموک وغیرہ نیز افریقہ، مصر و فارس کی فتوحات میں شریک تھے۔ آپ بصرہ اور مدائن میں بھی گئے تھے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ کی عمر ۲۲ برس کی تھی۔

کثرت روایت میں آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لگ بھگ ہیں، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۶۳۵ ہے۔

آپ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ سے روایت کی ہے۔ آپ سے حضرت سعید بن

Marfat.com

مسیّب۔ حسن بصری ابن شہاب ابن سیرین، نافع مجاہد طاؤس اور عکرمہ نے روایت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی صحیح ترین سند جسے "سلسلہ الذہب" کہتے ہیں یہ ہے۔ "امام مالک از نافع از عبداللہ بن عمر۔

اور ضعیف ترین سند یہ ہے:" محمد بن عبداللہ بن قاسم اپنے والد سے وہ ان کے والد سے اور وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

امام مالک اور امام شہاب الدین زہری کا آپ کے متعلق قول ہے "حضرت عبداللہ بن عمر پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اصحابہ کے امور سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی۔"

حضرت عبداللہ بن عمر نے ۷۳ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت انس بن مالک

کثیر الروایت اصحابہ میں ان کا تیسرا نمبر ہے۔ آپ کا نام انس، کنیت ابو حمزہ تھی۔ والد کا نام مالک بن نضر تھا۔ آپ مدینہ کے معزز قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ام سلمہ انہیں دس برس کی عمر میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں لائیں۔ حضرت انس کو حضور کے خادم خاص ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نیز رشتہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ بیعت عقبہ ثانی کے تھوڑی دیر بعد مشرف با اسلام ہوئے۔ سوائے غزوہ بدر کے جس میں صغر سنی کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت صدیق اکبر ابتدا میں آپ کو صدقات کی وصولی پر مقرر کیا پھر بحرین کا عامل بنانے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ تو آپ نے ان کی تعریف میں یہ کلمات فرمائے۔" انس ایک دانا اور لکھا پڑھا نوجوان ہے

Marfat.com

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے سے اس میں زہد و تقویٰ کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز اُمّ سلیم کے بیٹے سے زیادہ آنحضور کی نماز کے ساتھ ملتی جلتی ہو"

ابن سیرین کا قول ہے "انس سفر و حضر میں سب لوگوں سے بہتر نماز پڑھتے تھے"

آپ سے ۲۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔

آپ آخری دنوں میں حجاج کے تکلیف دینے کی وجہ سے بصرہ تشریف لے گئے اور وہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔

آپ نے تمیم الداری، سعید بن ربیع سلیمان فارسی ابوسعید عذری معاویہ بن ابی سفیان و بعض دیگر اصحاب سے روایت کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والے امام حسن بصری، امام زہری یحیٰی بن سعید انصاری سعید بن جبیر، حماد بن ابی سلیمان اور امام ابو حنیفہ ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور آپ کے عزیز ترین دوست حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دختر اطہر تھیں۔ بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد پاک میں ۲ سنہ کو آئیں۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ نو برس کی عمر میں رخصتی ہوئی حضور کے وصال مبارک کے وقت ۱۸ برس کی عمر تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے حضور دیگر تمام ازواجات مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین سے ان کو محبوب سمجھتے تھے۔

Marfat.com

آپ شعر و لغت، طب و انساب اور ایام العرب کی زبردست عالمہ تھیں۔
امام زہری کا قول ہے "اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا تقابل ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو آپ کا علم ان سب کے علم پر فوقیت لے جائے گا۔"

حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے میں نے کسی کو طب، شعر اور فقہ میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ کثرت روایت کے پیش نظر آپ کا پایہ حضرت انس بن مالک کے لگ بھگ ہے۔ آپ سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔ بعض مسائل کے استنباط میں آپ کو دیگر اصحابہ سے انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ علامہ زرکشی نے آپ کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب "الاجابتہ لایراد ما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہ" لکھی۔ علم فرائض میں آپ کو وہ کمال حاصل تھے کہ وہ بڑے بڑے اصحابہ خود آپ سے دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مسروق تابعی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بڑے بڑے صحابہ کو فرائض کے مسئلے حضرت عائشہ سے دریافت کرتے دیکھا۔ حضرت موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی۔ جس کا علم عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ ہو۔
احنف بن قیس کا قول ہے۔ کہ میں نے ابوبکر، عمر، عثمان غنی اور علی رضی اللہ عنہم کے خطبے سنے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ موثر و بلیغ خطبہ کسی مخلوق سے اپنی عمر میں نہیں سنا۔
آپ نے اپنی زندگی میں ۶۷ غلام آزاد کئے۔ سخی اس قدر تھیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم آپ کی خدمت میں بھیجے آپ نے غروب آفتاب سے پہلے پہلے سب کے سب خیرات کر دیئے۔
آپ نے ۶۷ سال کی عمر میں ۵۸ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔
آپ کے شاگردوں کی تعداد دو سو بیان کی جاتی ہے۔ آپ کے شاگردوں میں

Marfat.com

عروہ بن زبیر۔ قاسم بن محمد۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمن۔ صفیہ بنت شیبہ اور عائشہ بنت طلحہ مشہور ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوسروں کی روایات کی تصحیح فرما دیتے۔ آئمہ حدیث مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک رسالے "عین الاصابہ فیما استدرکہ عائشہ علی الصحابہ" میں ان کو جمع کیا ہے۔

آپ جو حدیث بیان کرتیں۔ اس کے اسباب وعلل بھی بیان کر دیتیں علم تفسیر میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔

آپ جو حدیث بیان کرتیں اس کے اسباب وعلل بھی بیان کر دیتیں۔ علم تفسیر میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ سے منقول تفسیر کا حصہ صحیح مسلم کے آخر میں درج ہے۔ قاسم تابعین کا شمار مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق کے دورِ خلافت میں فتوے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اور تا دمِ زیست یہ خدمت دین کرتی رہیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان آپ سے حدیثیں دریافت کیا کرتے تھے۔

حج کے لئے تشریف لے جاتیں تو تشنگان علم کا ایک جم غفیر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ حضرت ابن عمر۔ ابن عباس۔ ابن مسعود۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے اور اختلاف کی صورت میں آپ ہی کو حاکم بناتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین زینب بنت جحش۔ ام المومنین ام سلمہ۔ عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق۔ حسان بن ثابت۔ ابو حذیفہ اور امام حسن سے روایت کی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

آپ حضرت عبد اللہ حضرت عباس بن عبد المطلب کے صاحبزادے حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی نے کہا ہے کثیر الروایت اصحابہ میں آپ کا پانچواں نمبر ہے آپکی مرویات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔ ترجمان القرآن سلطان المفسرین اور حبر الامت آپ کے القاب عالیہ ہیں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی "اے اللہ اس کو دین کا فہم اور تفسیر القرآن میں بصیرت عطا فرما۔ حضور کی اس دعا کی یہ برکت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو تبحر علم اور فقاہت دین میں اتنا شہرہ نصیب ہوا کہ دور دراز سے لوگ آپ سے حدیثیں سننے اور مسائل پوچھنے کے لئے آتے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بعد ۳۵ برس تک لوگوں کو فتوے دیتے رہے۔ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

"میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول، ابوبکر وعمر وعثمان کے فتاویٰ فقہ، شعر، عربیت حساب وعلم فرائض میں آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر کے لئے کہا۔ ایک دن فقہ سنتے ایک ایک دن مغازی۔ اشعار اور ایام العرب کی تدریس تعلیم کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ کے پاس آیا آپ کے علم سے مرعوب ہو کر گیا۔ جس سائل نے بھی آپ سے کوئی بات پوچھی آپ سے صواب جواب لے کر گیا" لوگ آپ کی تفسیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ "اگر روم کے رہنے والوں کے سامنے آپ کی تفسیر پیش کی جاتی اور وہ سن لیتے تو اسلام لے آتے۔ آپ سے جب پوچھا گیا آپ نے علم کیسے حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے سوال کرنے والی زبان اور سوچنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے۔ صرف مذہبی احکام ومسائل ہی اس مہارت تامہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کو عربی زبان اور اس کے ادب پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ اکثر اشعار جاہلی سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

عہد عثمانی میں آپ فتوحات افریقہ کی مہمات میں شامل تھے۔ حضرت علی کے عہد میں بصرہ کے گورنر تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی وعمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت

کی۔ علاوہ ازیں آپ نے معاذ بن جبل اور ابو ذر غفاری سے بھی روایت کی ہے آپ نے روایت کرنے والوں میں عبداللہ ابن عمر، انس بن مالک، سہیل بن حنیف اور ان کے آزاد کردہ غلام عکرمہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

زندگی کے آخری دنوں میں بصارت جاتی رہی۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔ حضور سے براہ راست ۲۵ احادیث روایت کیں۔ باقی اصحابہ اکرام سے روایت کی ہے۔ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے آپ کے فتووں کو بیس جلدوں میں شائع کیا ہے۔ آپ نے طائف میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔ محمد بن حنیفہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ چھٹے کثیر الروایت صحابی ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ آپ عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت جابر نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ستر انصار کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ غزوات میں شرکت کے سلسلے میں خود فرماتے ہیں میں نے انیس لڑائیوں میں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی ایک غزوہ بدر و احد میں اس لئے شریک نہ ہو سکا۔ کہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شریک ہو گئے۔ تو میں کسی لڑائی میں بھی حضور سے پیچھے نہ رہا" حضرت جابر نے مصر و شام ممالک اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں وفات پائی۔

آپ تک پہنچنے والی صحیح ترین روایت یہ ہے۔ جس کو اہل مکہ بطریق سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار ہے۔

حضرت ابو سعید بن خدری رضی اللہ عنہ

کثیر الروایت صحابہ میں ساتویں صحابی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے

نام کی بجائے کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ نام سعد بن سنان اور کنیت ابوسعید ہے
خدری اس لئے کہتے ہیں۔ کہ آپ کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے
جا ملتا ہے آپ کے والد نے غزوہ احد کے دن ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اس
وقت اُن کی عمر ۱۳ برس تھی۔ ابوسعید کی قوت و طاقت کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔
"حضور ابوسعید فربہ اور جسیم ہیں" مگر حضور نے انہیں کم عمری کی وجہ سے واپس
کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدری ان اصحابہ میں سے ہیں۔ جنہوں نے حضور سے یہ عہد کیا تھا۔
کہ وہ دینی امور میں ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ آپ نے غزوہ بنی المصطلق اور غزوہ
خندق کے علاوہ بارہ دیگر غزوات میں بھی شرکت کی۔ صحابہ میں ان کے مشہور ترین
اساتذہ میں ان کے والد مالک بن سنان ان کے بھائی قتادہ نیز حضرت ابوبکر و عمر و
علی و ابوموسیٰ اشعری۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم جیسے اکابر
شامل ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والوں میں سے آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن ان کی بیوی
زینب بنت کعب عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس و ابوطفیل و نافع و عکرمہ ہیں۔

آپ بہت بڑے عابد و زاہد اور عالم باعمل صحابی تھے۔ ۸۴ برس کی عمر میں
جمعہ کے دن مدینہ میں ۷۴ھ میں وفات پائی

آپ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت فرمائی "اے میرے بیٹے جب میں مر
جاؤں تو مجھے جنت البقیع میں دفن کرنا۔ میری قبر پر خیمہ نہ بنانا۔ جنازے کے ہمراہ
قبرستان میں آگ نہ لے جانا۔ اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو مجھ پر رونے نہ دینا۔
اور کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دینا۔

Marfat.com

فصل سوم

"مشہور محدثین امت"

مشہور محدثین امت:۔ محدثین کی تعداد بے شمار ہے سب کے حالات بخوف طوالت پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اختصار کے پیش نظر صرف چند مشہور شہرہ آفاق اور نامور ہستیوں کے حالات پر اکتفا کیا جاتا ہے چنانچہ اس فصل میں آئمہ اربعہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے حالات زندگی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد کی فصل میں اصحاب صحاح ستہ کے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ فارسی الاصل تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر تھے۔ جس وقت آپ پیدا ہوئے آپ کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ ۹۶ھ میں والد محترم کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں سے ہوتا ہے۔ آپ نے درمختار کے حوالہ کے مطابق بیس اور "خلاصۃ الکمال فی اسماء الرجال" کے مطابق ۲۶ اصحابہ کی زیارت سے مشرف کی۔ ان میں سے حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی حضرت سہیل بن سعد، حضرت عدی، حضرت ابوالطفیل، عامر بن واثلہ بن اسقع، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کا نام قابل ذکر ہے۔ نیز حضرت انس بن مالک، سہل بن سعد، عدی

عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی ہے۔

آپ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا مشن دین میں پیدا شدہ خرابیوں کی اصلاح تھا۔ آپ کے بے شمار حاسد پیدا ہو گئے۔ جو آپ کی زندگی اور آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کے متعلق انواع و اقسام کے بے بنیاد الزامات تراشتے رہے۔ امام شعرانی نے اپنی کتاب "المیزان جلد ثالث" میں آپ کے ان حاسدوں کے کذب و افترا کا ذکر کیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ابوحنیفہ نام کے کئی اشخاص گزرے ہیں۔ جن میں سے بعض فرقہ ہائے باطلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے حاسدوں نے ایسے لوگوں کے حالات کو آپ پر چسپاں کر دیا۔ حالانکہ مستند حضرات خیر القرون نے آپ کے خلاف ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ بلکہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مثلاً شیخ یحییٰ بن معین محدث کے سامنے جب کوئی شخص امام اعظم پر اعتراض کرتا۔ تو وہ اس کا جواب ایک شعر میں دیتے جس کا مطلب یہ تھا۔ "جب لوگ اس کی سی سعی نہ کر سکے تو اس (امام اعظم) پر حسد کرنے لگے۔ بڑے بڑے علماء و محدثین آپ کی فقاہت، کثرت علم و فضل کو تسلیم کرتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے" سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے قائل ہیں"

کوفہ آپ کا وطن تھا۔ جو حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں ہر چہار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کے شاگرد تھے۔ آپ تحصیل علم کے سلسلے میں برسوں حرمین الشریفین میں اقامت گزین رہے۔ چار ہزار شیوخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے تین سو کا ذکر آپ کے مسانید میں موجود ہے۔ اصحابہ کے بعد جن اعلیٰ درجہ کے تابعین سے آپ نے فیض حاصل کیا۔ وہ علقمہ۔ عطا۔ عاصم شعبہ قتادہ۔ امام باقر۔ امام جعفر۔ ابراہیم اور حماد ہیں۔

امام اعظم اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث اور علم حدیث کے ماہر تھے۔ اگر محدثین امت اور سلف صالحین کے اقوال کا جائزہ لیا جائے۔ تو بلا ریب کہنا پڑتا ہے کہ امام اعظم کو تمام امت کا علم پہنچ گیا۔

چنانچہ عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے پاکباز سخی اور مسائل کی گہرائی تک پہنچنے والے تھے" لیث بن سعد فرماتے ہیں۔ میں مدینہ میں امام مالک سے ملا اور عرض کی کہ آپ پیشانی سے پسینہ کیوں پونچھ رہے ہیں۔ فرمانے لگے ابو حنیفہ سے مل کر بحث و تمحیص کی وجہ سے مجھے پسینہ آ گیا ہے۔ مصر کے رہنے والے بہت ہیں۔ ان میں کوئی شبہ نہیں کہ ابو حنیفہ بڑے فقیہہ ہیں۔ پھر میں نے امام ابو حنیفہ سے مل کر کہا کہ مالک آپ کے بارے میں بہت عمدہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ تو جناب امام نے فرمایا "میں نے امام مالک سے بڑھ کر جلد اور صحیح جواب دینے اور نقد و تبصرہ کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا" آپ نے دین کی بے لوث خدمت میں عمر بھر کسی کا تحفہ تحائف قبول نہ کیا۔ اور نہ ہی حکومت کا کوئی منصب قبول کرنا پسند فرمایا۔ ابو جعفر منصور عباسی نے آپ کو قاضی بنانا چاہا مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ منصور نے آپ پر بڑا تشدد کیا۔ قید و بند میں ڈالا۔ مگر آپ نے مردانہ وار ان کو برداشت کیا۔ مگر آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھر بھی جنبش نہ آئی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب حنفی کی داغ بیل ڈالی۔ یہ مذہب دنیائے اسلام کے اندر اس قدر مقبول ہوا کہ آج اہل اسلام میں اکثریت کا مذہب حنفی ہے۔ آپ نے ہزاروں کی تعداد میں ایسے شاگرد چھوڑے جو بڑے بڑے محدث فقیہہ اور بعض اہل تصوف کے امام تھے۔

آپ کے شاگردان رشید میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، داؤد طائی، ابراہیم ادہم لیث بن سعد مصری جیسی نامور شخصیات قابل ذکر ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵۰ھ میں دنیائے فانی سے رخصت فرمائی۔ بغداد

Marfat.com

میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام مالک بن انس کا نام مالک، ابوعبداللہ کنیت اور آپ کے القاب امام دارالہجرت امام المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ آپ کے جد عامر اصبحی صحابی ہیں۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ مدینہ منورہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ تبع تابعین حضرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ حرم نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں۔ آپ نے نافع ربیع امام جعفر صادق اور ابوحازم وغیرہ بہت سے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے کل شیوخ کی تعداد نو سو بیان کی جاتی ہے آپ کی مجلس درس و تدریس بڑی آراستہ و پیراستہ ہوتی تھی۔ حاضرین بڑے مؤدب ہوکر بیٹھتے امام مالک غسل فرماتے عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو لگاکر بڑے وقار و متانت سے بیٹھتے۔ آپ کے درس میں خلیفہ ہارون الرشید بھی خود حاضر ہوتا۔ اس کی علمی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ شیخ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے۔ کہ روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر کوئی حدیث نبوی کا امانت دار نہیں ہوا۔ آپ نے ایک لاکھ احادیث جمع کیں۔ ان میں سے مؤطا کو مرتب کیا۔ بے حد سخی اور عابد تھے۔ اہل علم کی بڑی مدد فرماتے۔ آپ کے متعلق ابن حبان کا قول ہے " مالک تمام فقہاء مدینہ میں علم و فضل عبادت اور تدین کے اعتبار سے ممتاز تھے۔

امام شافعی نے بھی ان سے کسب فیض کیا" امام نسائی فرماتے ہیں" میرے نزدیک مالک سے بڑھ کر نہ کوئی زیادہ فصیح تھا نہ وتیع نہ قابل اعتماد اور نہ ایسا کہ علم حدیث میں اس پہ بھروسہ کیا جائے۔ آپ ضعیف راویوں سے شاذ و نادر ہی روایت کرتے تھے۔ متروک راویوں میں سے آپ صرف عبدالکریم بن ابی مخارق بصری سے روایت کرتے تھے۔ جس نے مکہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ عبدالکریم امام مالک کی طرح مدینہ کا باشندہ تھا۔ بظاہر بڑا بااخلاق اور صاحب

Marfat.com

عجز و نیاز نظر آتا تھا۔ امام صاحب اس کے باطنی احوال پر آگاہ نہ تھے۔ امام موصوف نے عبدالکریم سے صرف فضائل اعمال یا کسی حدیث کے متن پر اضافہ کے متعلق حدیثیں روایت کی ہیں۔" آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے مشہور مؤطا۔ رسالہ مالک۔ الی الرشید۔ احکام القرآن۔ رسالہ مالک بن مطرب کتاب الاقضیہ۔ کتاب المناسک و تفسیر غرائب القرآن، تفسیر القرآن اور کتاب المسائل ہیں۔ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مؤطا چالیس برس کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کی۔ یہ اس قدر مقبول ہوئی۔ کہ ایک ہزار سے زائد آپ کے شاگردوں نے اسے آپ سے روائت کیا۔ اس کتاب کے متعلق امام حزم فرماتے ہیں۔" مؤطا حدیث و فقہ دونوں کی کتاب ہے۔ میرے خیال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔" آپ کے شیوخ و اساتذہ میں مندرجہ ذیل اکابر شامل ہیں۔

نعیم المجمر زید بن اسلم۔ نافع شریک بن عبداللہ۔ زہری۔ ابوالزناد۔ سعیدی المقبری۔ حمید الطویل مذاقہ سہمی انصاری۔

آپ سے فیضیاب ہونے والوں میں آپ کے رفقاء اور معاصرین بھی شامل ہیں۔ مثلاً اوزاعی۔ ثوری۔ سفیان بن عینیہ۔ لیث بن سعد۔ ابن جریج۔ شعبہ بن حجاج۔

مندرجہ ذیل مشاہیر نے باقاعدہ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

امام شافعی۔ عبداللہ ابن مبارک۔ ابن وہب۔ یحییٰ ابن قطان۔ ابواسحاق الفزاری۔

آپ کی استقامت علی الحق اس واقعہ سے آشکارہ ہو سکتی ہے کہ ایک بار جعفر گورنر مدینہ نے آپ کو حکم دیا۔ کہ آئندہ طلاق کا فتویٰ نہ دیا جائے۔ مگر آپ نے کتمان حق گوارا نہ کیا اس لئے تعمیل حکم نہ کی۔ جعفر نے غضب ناک ہو کر آپ کو ستر کوڑے لگوائے۔ تمام پیٹھ خون آلود ہو گئی۔ اور دونوں بازو مونڈھوں سے اتر گئے۔ خلیفہ منصور جب مدینہ آیا۔ تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ مجھ کو آپ کی تعزیر کا علم نہیں۔

Marfat.com

میں جعفر کو ... ر اذوں گا۔ امام مالک نے فرمایا میں نے اُسے معاف کیا۔
آپ ۱۷۹ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے شافع کی نسبت سے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ قریشی مطلبی اور مکی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ایام رضاعت کے بعد آپ کو مکہ بھیج دیا گیا۔ وہیں رہ کر تحصیل علم کی پیاس بجھائی۔ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ پھر مکہ کے ایک قاری اسماعیل بن قسطنطین سے تجوید کا فن سیکھا۔ آپ کے متعلق منقول ہے کہ آپ رمضان المبارک میں ۶۰ مرتبہ قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ آپ نے حدیث کا درس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ تیرہ ہی سال کے تھے۔ موطا حفظ کر کے سنا دی۔ آپ نے سفیان بن عنیہ اور عبدالملک بن ماجشون سے بھی حدیثیں روایت کیں۔ فقہ کا درس مسلم بن خالد زنجی سے لیا۔ ابھی آپ کی عمر ۲۰ برس نہیں ہوئی تھی۔ کہ امام موصوف کے استاد نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی۔ حدیث و فقہ کے علاوہ آپ کو لغت شعر اور علم مناظرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ نے اکیاسی شیوخ سے علم حاصل کیا۔ سیدہ نفیسہ زوجہ اسحاق بن امام جعفر صادق بنت حسن بن زید بن امام حسن سے بھی استفادہ کیا۔ آپ نے امام مالک اور سفیان بن عنیہ سے روایت کی۔ آپ نے ۱۰۰ سے زیادہ فروعات پر اور ۱۴ اصول پر کتابیں لکھیں جن میں سے کتاب الام زیادہ مشہور ہے۔

اصول فقہ میں آپ کی تصنیف "الرسالۃ" مشہور ہے۔

آپ نے ۵۴ سال کی مختصر سی عمر میں اس قدر تصانیف لکھیں، کہ انسانی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اسحاق بن راہویہ سے کسی نے اس کثیر تصانیف کے متعلق پوچھا کہ آپ نے

Marfat.com

اتنی تھوڑی سی عمر میں اس قدر کتابیں کیسے لکھ لیں تو آپ نے جواب میں فرمایا چونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں عقل کا جوہر بھر دیا تھا۔ ابو عمرو محمد بن جعفر نیشاپوری نے امام شافعی کی المبسوط اور کتاب الامر میں سے متصل احادیث جمع کرکے ایک مسند ترتیب دی۔ جسے امام شافعی کو مسند خیال کیا جاتا ہے۔ ابن اثیر نے مسند مذکور کی شرح لکھی۔

آپ کی قوت حافظہ کا یہ عالم تھا۔ کہ امام محمد سے امام اعظم رحمۃ اللہ کی کتاب "اوسط" لیکر ایک ہی رات میں حفظ کرلی۔ ۱۹۵ھ تک مکہ میں قیام رکھا وہیں پر افادہ اور استفادہ کرتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے انتقال کے بعد دوبارہ عراق تشریف لائے۔ یہاں پر بہت سے علماء آپ کے مقلد ہوگئے۔ آپ نے یہاں پر کئی ایک کتابیں املا کرائیں۔ دو سال قیام کے بعد پھر حجاز آگئے۔ تیسری بار پھر عراق گئے چند ماہ قیام کے بعد مصر چلے گئے۔ اور آخری وقت وہیں سکونت پذیر رہے حتیٰ کہ ۲۰۲ھ میں مصر ہی میں انتقال فرماگئے۔ اہل مصر آپ کو ناصر السنت کہا کرتے تھے۔

فن اصول حدیث کو اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ ہی پر ترتیب ہوا مگر آپ ہی نے اسے وسعت دی۔ اور فن کی شکل میں مدوّن کیا۔ آپ شافعی مذہب کے بانی ہیں۔ آپ کے مذہب کے پیرو کار مصر، افریقہ اور ملایا میں موجود ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کے عہد میں شافعی مذہب کو مصر میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مصر میں جن علماء نے اس مذہب کی ترویج و اشاعت کی ان میں سے شیخ ابن رافعہ، شیخ تقی الدین دقیق اور شیخ تقی الدین سبکی قابل ذکر ہیں۔

اصمعی جو مشہور معروف امام ہوا ہے۔ فصیح و بلیغ تھا وہ آپ ہی کا شاگرد تھا۔ اور آپ کی شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ آپ نے ۲۰۴ھ مصر میں ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں: "امام شافعی عظیم حافظ حدیث تھے۔

علل حدیث میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ اسی حدیث کو قبول کرتے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی۔ اور اگر آپ زیادہ عمر پاتے تو ان کے علم میں اور اضافہ ہوتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے بھی دوات قلم سنبھالا آپ کے شاگردان رشید میں مندرجہ ذیل اکابر ائمہ شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل الحمیدی (شیخ بخاری) ابو ثور، ابراہیم بن حامد بغدادی یوسف بن یحییٰ۔ البویطی۔ حرملہ بن یحییٰ اور حسن بن محمد زعفرانی رحمہم اللہ اجمعین۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ مذہب حنبلی کے بانی اور امام ہیں۔ آپ کا نام و نسب احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال شیبانی امروزی بغدادی تھا۔ کنیت ابو عبداللہ۔ آپ ابھی اپنی والدہ محترمہ کے بطن ہی میں تھے۔ کہ یہ مرو آگئیں۔ یہیں پر ۱۶۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ طالب علمی کا زمانہ زیادہ تر بغداد ہی میں گذارا۔ تحصیل علم کے لئے آپ نے شام، عراق مکہ اور مدینہ کا سفر کیا۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر سے علم حاصل کیا۔ ۱۹۵ھ میں امام شافعی کے پاس پہنچے۔ اصول فقہ اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ آپ نے زیادہ تر وقت بغداد ہی میں گذارا تاہم تلاش حدیث اقوال صحابہ و تابعین کے سلسلہ میں بے شمار سفر کئے۔ یہاں تک کہ آپ نے حفظ و ضبط میں ایک انفرادی حیثیت حاصل کر لی۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے "احمد بن حنبل سب سے زیادہ حدیث جاننے والے ہیں" امام ابو زرعہ آپ کی شان میں فرماتے ہیں "آپ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور آپ اپنی یاد سے یہ سب حدیثیں املا کراتے تھے۔ اس لئے ان کو امیر المومنین کہتے ہیں حیرت کی کوئی بات نہیں" امام ابن حبان فرماتے ہیں "آپ عظیم فقیہ اور زبردست حافظ حدیث تھے۔ آپ میں ورع و تقویٰ کے اوصاف نمایاں تھے۔ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے آپ نے کوڑے کھانے گوارا کئے مگر بدعت سے آلودہ نہ ہوئے اس کے نتیجہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک قابل اقتداء امام اور مرکز ملجا بنا دیا۔

Marfat.com

جس کی جانب رجوع کی...
...جاتا ہے۔
آپ کی ...
... کی ایک تصانیف ہیں جن میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔
... باب العلل، کتاب الزہد، کتاب التفسیر، الناسخ والمنسوخ۔ کتاب فضائل الصحابہ
... باب الاشربہ آپ کی سب سے زیادہ مسلّم و مشہور تصنیف مسند ہے جو اٹھارہ ... سانید
و چالیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔

فتنہ عقیدہ خلق قرآن اور امام احمد بن حنبل :- اس فتنہ کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ شروع ہونے سے پہلے ہی امام شافعی کو خواب میں مطلع فرما دیا تھا۔ آپ نے فرمایا "کہ احمد بن حنبل سے کہہ دو کہ خداوند کریم اس کو قرآن کے بارے میں آزمائش میں ڈالے گا" چنانچہ امام شافعی نے خواب کا یہ واقعہ خط میں لکھ کر ربیع بن سلیمان کی معرفت امام احمد کو بھیج دیا۔ فتنہ وعقیدہ خلق قرآن ۲۱۲ھ سے شروع ہوا۔ خلیفہ مامون جو معتزلہ کے عقائد سے از حد متاثر تھا۔ اس نے شیخ یحییٰ بن اکثم کو قاضی القضاۃ کے عہدہ سے معزول کر کے احمد بن داؤد معتزلی کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ اس کے مشورہ سے کئی ایک علما کو قید کر دیا گیا بعض کو قتل کر دیا گیا۔ ۲۱۸ھ میں خلیفہ نے محدثین اور قاضیوں سے اس مسئلہ میں جواب طلب کیا۔ بغداد کے محدثین نے اس کی مخالفت کی۔ بعض نے مرعوب ہو کر اس عقیدہ کا اقرار کر لیا۔ مخالفت کرنے والے محدثین میں امام احمد بن حنبل پیش پیش تھے۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم سے گورنر نے انہیں قید کر دیا۔ پھر ہتھکڑیاں لگا کر خلیفہ کے پاس طرطوس بھیج دیا۔ مگر طرطوس پہنچنے سے پہلے ہی خبر ملی کہ مامون مر گیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو رقہ کے قید خانہ میں قید کر دیا گیا۔ خلیفہ معتصم نے بھی آپ کو بیحد تکالیف پہنچائیں۔ اسی درّے لگوائے۔ پھر رہا کر دیا۔ آپ نے رہا ہو کر درس شروع کر دیا۔ خلیفہ معتصم جب ۲۲۷ھ میں مر گیا۔ تو واثق خلیفہ بنا۔ اس نے ۲۳۱ھ مسئلہ خلق قرآن کے متعلق از سر نو احکامات جاری کر دیئے۔ امام مالک کے شاگرد امام احمد بن نصر، شیخ یحییٰ بن معین کو اس مسئلہ سے انکار کرنے پر شہید کر دیا۔ واثق بھی ۲۳۲ھ میں مر گیا۔ مگر مرنے

سے پہلے اس عقیدہ باطلہ سے توبہ کرلی۔

واثق کے بعد متوکل خلیفہ ہو کر یہ سنت کا حامی اور بدعت کا مخالف تھا۔ چنانچہ اس نے امام احمد کی بڑی عزت وتکریم کی۔ گورنر کو حکم دیا کہ آپ سے معافی مانگے۔ امام نے معاف کردیا۔ آپ یکم ربیع الاول ۲۴۱ھ کو علیل ہوئے ۱۲ ربیع الاول کو بغداد میں راہئ ملک عدم ہوئے۔

فتنہ عقیدہ خلق قرآن کے سلسلے میں آپ کی آزمائش کے متعلق مشہور و معروف بزرگ و عارف باللہ بشر بن حارث الحافی فرمایا کرتے تھے "امام احمد بھٹی میں داخل ہوئے اور کندن بن کر نکلے"

آپ فقہی مذاہب میں مذہب حنبلی کے بانی تھے۔ اس مذہب کے پیروکار نجد حضرموت اور بلاد مغرب کے خاص خاص حصوں میں آباد ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی امام احمد بن حنبل کے متعلق فرماتے ہیں "محدثین میں سب سے بڑی شان والے زیادہ روایت والے، حدیث کے مراتب کو زیادہ پہچاننے والے اور معانی محفوص کو خوب سمجھنے والے امام احمد بن حنبل اور اسحاق راہویہ ہیں"

فصل چہارم اصحاب صحاح ستہ

اصحاب صحاح ستہ:۔ صحاح ستہ کے مصنفین اصحاب صحاح ستہ کہلاتے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری۔ (۲) امام مسلم بن حجاج۔ (۳) امام محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ (۴) امام محمد بن یزید ابن ماجہ۔ (۵) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث۔ (۶) امام ابو عبدالرحمٰن نسائی۔ ان بزرگوں کے حالات ترتیب وار پیش کیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:- امام بخاری کا اسم گرامی محمد بن اسمٰعیل، کنیت ابو عبداللہ، امیر المومنین فی الحدیث و ناصر الحدیث النبویہ لقب ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔ آپ کے اجداد میں سے حضرت مغیرہ کے ہاتھ پہ حاکم بخارا ایمان لایا تھا۔ آپ کے والد اسمٰعیل بڑے پایہ کے محدث تھے۔ امام مالک کے شاگرد تھے۔ نیز شیخ عبداللہ ابن مبارک سے اکتساب علم کیا۔ امام بخاری ۲ شوال ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ بچپن ہی سے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تحصیل علم کا بڑا شوق تھا۔ بچپن ہی سے اس کام میں مصروف ہو گئے دس برس کی عمر سے حدیثیں حفظ کرنا شروع کر دیں۔ گیارہ برس کی عمر میں اپنے استاد علامہ داخلی سے حدیث کا درس لیتے ہوئے ایک حدیث کی سند میں غلطی ہو گئی۔ انہوں نے ٹوک دیا تو آپ نے اس کی تصحیح کر لی۔ سولہ سال کی عمر میں شیخ وکیع اور شیخ عبداللہ ابن مبارک کی کتابیں حفظ کر لیں۔

اساتذہ:- آپ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل اکابر کے نام قابل ذکر ہیں۔

(۱) ضحاک بن مخلد۔ (۲) مکی بن ابراہیم حنظلی۔ (۳) عبیداللہ بن موسیٰ العبسی۔ (۴) عبدالقدوس بن حجاج۔ (۵) محمد بن عبداللہ انصاری (۶) علی بن المدینی۔ (۷) عبداللہ ابن مبارک (۸) یحییٰ بن معین۔

تحصیل علم کے لئے سفر:- طلب حدیث و تحصیل علم کے لئے آپ نے بلادِ اسلامیہ کے متعدد سفر کئے۔ سب سے پہلا سفر ۲۱۰ھ میں مکہ کی طرف کیا۔ ۲۱۲ھ میں مدینہ پہنچے۔ چھ برس حجاز ہی میں قیام کیا۔ بغداد اٹھ دفعہ گئے۔ مصر، جزیرہ، بصرہ، شام، مرو، رے، ہرات، نیشاپور، خراسان، سمرقند

Marfat.com

اور تاشقند بھی گئے۔ ایک سفر میں آپ کشتی پر بیٹھ کر دریا عبور کر رہے تھے۔ آپ کے پاس ہمیانی میں ایک ہزار اشرفی تھی۔ مسافروں میں سے ایک شخص نے کسی نہ کسی طرح معلوم کر لیا۔ کہ ان کے پاس اتنی اشرفیاں ہیں۔ اس نے شور مچا دیا کہ میری ہزار اشرفی کی ایک ہمیانی کسی نے چرا لی ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی اپنی ہمیانی دریا میں پھینک دی۔ آپ نے ایک ہزار اشرفی کی یہ قربانی محض اس لئے کی کہ اگر تلاشی لینے پر ہمیانی مجھ سے برآمد ہو گئی تو خواہ مخواہ شکوک و شبہات پیدا ہوں گے۔ اور خواہ تھیلی واپس مل بھی جائے مگر پھر بھی لوگ میری روایت کردہ حدیث قبول کرنے سے احتراز کریں گے۔ آپ نے ان سفروں میں دس لاکھ احادیث جمع کیں۔ ان میں سے تین لاکھ آپ کو زبانی حفظ تھیں۔

تصانیف:- آپ نے متعدد تصانیف لکھیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔ (۱) تاریخ صغیر۔ (۲) تاریخ اوسط۔ (۳) تاریخ کبیر۔ (۴) کتاب الکنیٰ۔ (۵) کتاب الوحدان۔ (۶) کتاب الادب مفرد۔ (۷) کتاب الضعفاء (۸) قضایۃ الصحابہ والتابعین۔ (۹) صحیح بخاری۔

آپ کی جملہ تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت صحیح بخاری کو ملی۔ جسے امام نے ۱۶ سال کی محنت شاقہ کے بعد حرم نبوی میں بیٹھ کر مرتب کیا۔ اسے اَصَحُّ الکتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ ملا۔ اسے طبقات کتب حدیث میں طبقہ اوّل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا تفصیلی تذکرہ کتب احادیث کی فصل میں گذر چکا ہے۔ ستر ہزار طلباء نے آپ سے اس کتاب کا درس لیا۔

تلامذہ:- آپ کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل محدثین کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ (۱) امام مسلم (۲) امام ترمذی۔ (۳) امام نسائی۔ (۴) امام ابراہیم بن اسحاق الحرمی۔ (۵) محمد بن احمد دولابی۔ (۶) منصور بن محمد بزدوی۔

امام بخاری کے امتحان کا واقعہ:- امام بخاری کے امتحان کے اس واقعہ کو خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ بغداد تشریف لائے۔ بغداد کے علماء نے

Marfat.com

آپ کا امتحان لینے کی غرض سے ایک سو حدیثوں کا انتخاب کیا۔ پھر ان کے متون اور اسناد کو باہم غلط ملط کر دیا۔ پھر دس اشخاص کو ان سو حدیثوں میں سے دس دس حدیثیں دیں۔ اور کہا کہ جب امام مجلس میں تشریف لائیں۔ تو باری باری یہ حدیثیں پیش کر دو۔ چنانچہ وقت معینہ پہ مجلس قائم ہوئی جس میں مختلف اسلامی دیار کے علما بھی حاضر تھے جب مجلس جم گئی۔ امام بخاری بھی تشریف لے گئے۔ اور اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ تو حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اس نے امام کے سامنے ایک حدیث پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔ "لَا أَعْرِفُهُ" اس کے دوسری۔ پھر تیسری حتیٰ کہ دس حدیثیں پیش کر دیں۔ مگر سب کے جواب میں آپ نے مذکورہ الفاظ دہرا دیئے۔ اس کے بعد دوسرا شخص اٹھا اس نے بھی یکے بعد دیگرے دس حدیثیں پیش کیں۔ آپ کے جواب میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ علیٰ ہذا القیاس دس آدمیوں نے باری باری سب حدیثیں سنا دیں۔ آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا۔ جب آپ نے سمجھا کہ اب باقی کوئی شخص نہیں۔ تو آپ نے پہلے شخص کو بلایا۔ اور اسے فرمایا کہ تمہاری پیش کردہ پہلی حدیث اس طرح نہیں۔ جس طرح تم نے پیش کی بلکہ یہ یوں ہے۔ اسی طرح اس کی دس احادیث کو صحیح متن اور صحیح سند کے ساتھ بیان فرمایا۔ یہی معاملہ باقی آدمیوں کے ساتھ بھی کیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر سب حاضرین عش عش کر اٹھے۔ آپ کی خداداد زبردست قوت حافظہ کے قائل ہو گئے۔ اور آپ کے سامنے گردن تسلیم خم کر دی۔

امام بخاری کی شان عظمت میں آئمہ محدثین کے اقوال

امام ترمذی فرماتے ہیں۔ "میں نے علل درجال کے فن میں بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں "نیلی چھت کے نیچے میں نے بخاری سے بڑھ کر کسی کو حدیث نبوی کا عالم نہیں پایا۔"

امام مسلم صاحب صحیح مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی پیشانی چومی اور کہا "یا استاذ الاساتذہ۔ یا سید المحدثین و طبیب الحدیث! مجھے اجازت دیجئے کہ میں

Marfat.com

آپ کے پاؤں چوم لوں۔

امام ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کا قول ہے "امام بخاری زمین پر اللہ تعالے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے"۔

وفات:۔ امام بخاری نے ۲۵۶ھ میں سمرقند کے قریب ایک گاؤں "خرتنگ" میں وفات پائی۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب کنیت وغیرہ:۔ آپ کا نام مسلم بن حجاج قُشیری ہے۔ کنیت ابوالحسین اور لقب عساکرالدین۔ قشیری قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قشیری کہلاتے تھے۔ بنو قشیر ایک معروف عربی قبیلے کا نام تھا۔ آپ کا اصلی وطن نیشاپور تھا۔

پیدائش:۔ امام مسلم کی پیدائش نیشاپور میں ۲۰۲ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔ آپ نے تحصیل علم اور طلب حدیث کے لئے بے شمار سفر کئے۔ بڑے بڑے شہروں کے علماء محدثین سے اکتساب علم کیا۔ چنانچہ خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ اسحاق بن راہویہ سے۔ رے میں محمد بن مہران اور ابو غسانی سے۔ حجاز میں سعید بن منصور و ابو مصعب سے۔ عراق میں امام احمد بن حنبل عبداللہ بن مسلم سے۔ اور مصر میں عمرو بن سواد حرملہ سے حدیثیں سنیں۔ علاوہ ازیں آپ شام اور بغداد بھی تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے محدثین سے بھی استفادہ کیا۔ امام بخاری سے بھی آپ نے درس حدیث لیا۔

علمی فضیلت:۔ اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ کہ امام مسلم فن روایت اور حدیث میں امامت کے درجے پر فائز ہیں۔ احادیث کی صحت وسقم پرکھنے میں جو خداداد ملکہ آپ کو حاصل تھا۔ وہ دوسرے محدثین میں نسبتاً کم نظر آتا ہے۔

Marfat.com

تلامذہ:۔ یوں تو ہزاروں اشخاص نے آپ سے درس حدیث لیا اور علم کی تشنگی کو دور کیا مگر مندرجہ ذیل کا برکے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

(۱) امام ترمذی۔ (۲) ابو حاتم رازی۔ (۳) احمد بن سلمہ، موسیٰ بن ہارون۔ یحییٰ بن صاعد (۶) محمد بن مخلد۔ (۷) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق (۸) محمد بن عبدالوہاب الغراء (۹) علی بن حسین۔ (۱۰) حسین بن محمد بن زیاد۔ (۱۱) ابراہیم بن محمد بن سفیان۔

تصانیف:۔ آپ کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) صحیح مسلم۔ (۲) کتاب العلل۔ (۳) کتاب اوھام المحدثین۔ (۴) کتاب من لیس لہ الا راو واحد (۵) طبقات التابعین (۶) المخضرمین۔ (۷) کتاب المسند الکبیر علی اسماء الرجال۔ (۸) کتاب جامع الکبیر۔

آپ کی جملہ تصانیف میں صحیح مسلم کا درجہ سب سے بلند ہے۔ کتب احادیث میں صحیح بخاری کے بعد جملہ کتب پر اسے فضیلت حاصل ہے۔ امام مسلم نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کرکے صحیح مسلم کو مرتب کیا۔

اس کی جمع و تالیف میں آپ نے حد درجہ کاوش اور عرق ریزی سے کام لیا۔ آپکو اپنی اس تصنیف پر بجا طور پر فخر تھا۔ اس کتاب کا تفصیلی ذکر گزر چکا ہے۔

وفات:۔ امام مسلم نے پچپن برس کی عمر میں ۲۶۱ھ میں بمقام نیشاپور وفات پائی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا پورا نام محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی ہے کنیت ابو عیسیٰ ہے۔

آپ ۲۰۹ھ میں ترکستان کے ایک شہر ترمذ جو دریائے جیحوں کے کنارے واقع ہے پیدا ہوئے۔ اسی شہر کی نسبت آپ کو ترمذی کہا جاتا ہے۔ حصول علم کے

Marfat.com

لئے آپ نے متعدد دیار و بلادِ اسلامیہ مثلاً بصرہ ۔ کوفہ ۔ واسط اور خراسان کے سفر کیے ۔ بڑے بڑے علماء محدثین سے حدیث سنی ۔ خراسان اور حجاز میں عمر کا کافی حصہ گزارا ۔ جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں امام بخاری ۔ امام مسلم امام ابو داؤد کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔ آپ کمال حافظہ کے مالک تھے ۔ ایک ہی وقت میں ایک بار چالیس چالیس حدیثیں سن کر اسی وقت پوری صحت و ترتیب کے ساتھ سنا دیتے ۔ اعلیٰ درجہ کے متقی اور زاہد شخص تھے ۔ خوفِ خدا سے کانپتے اور روتے رہتے ۔ کثرتِ گریہ زاری کی وجہ سے آخری عمر میں بینائی جاتی رہی ۔ آپ نے جن اکابر سے حدیث روایت کی ان میں قتیبہ بن سعید ۔ محمود بن غیلان ۔ محمد بن بشار ۔ احمد بن منیع اور محمد بن مثنیٰ کا نام قابلِ ذکر ہے ۔ آپ کی تصانیف میں جامع ترمذی اور شمائل ترمذی زیادہ مشہور ہیں ۔ جامع ترمذی پر تبصرہ گزشتہ صفحات میں زیرِ عنوان کتبِ احادیث گزر چکا ہے ۔

آپ نے ماہِ رجب ۲۷۹ھ میں وفات پائی ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن ماجہ کا پورا نام محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ہے کنیت ابو عبداللہ آپ کے شہر کا نام قزوین ہونے کی وجہ سے آپ کو قزوینی کہا جاتا ہے ۔ آپ اس قصبہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا شمار ائمہ ستہ میں ہوتا ہے ۔ آپ حافظِ حدیث اپنے زمانے کے مقتدا اور ثقہ تھے ۔ آپ کا لقب ابن ماجہ تھا ۔ جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے ۔ کہ ماجہ آپ کی والدہ مکرمہ کا نام تھا ۔ اسی نسبت سے آپ کو ابن ماجہ کہا جاتا ہے ۔ امام ترمذی سے زیادہ تر علم کی تحصیل کی ۔ آپ کی تصنیف سنن ابن ماجہ بڑی مشہور ہے ۔ اور صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے بعض علماء اس کتاب کو صحاح ستہ میں شامل نہیں کرتے ۔ اس کتاب کا ذکر گزر چکا ہے ۔

آپ نے ۲۷۳ھ بروز پیر وفات پائی ۔

Marfat.com

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ

ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر سیستان کے ایک شہر بجستان میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر تحصیل علم کی خاطر عراق۔ خراسان۔ شام۔ مصر، عراق اور حجاز۔ جزیرہ اور کاشغر کیا۔ بے شمار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مشہور امام احمد بن حنبل۔ عثمان بن ابی شیبہ اور قطبہ بن سعید ہیں۔

آپ نے مسلم بن ابراہیم۔ سلیمان بن حرب۔ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے روایت کی۔ آپ کافی عرصہ بصرہ میں رہے۔ پھر بغداد تشریف لے آئے۔ یہیں پہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف سنن ابی داؤد لکھی۔

اس کتاب کو آپ نے پانچ لاکھ حدیثوں سے مرتب کیا۔ علماء محدثین نے اس کتاب کو بڑا پسند کیا۔

امام ابو داؤد اعلیٰ پایہ کے نیک انسان تھے۔ آپ کے لباس میں یہ خصوصیت تھی۔ کہ قمیص کی ایک آستین کھلی اور دوسری تنگ رکھتے تھے۔ جس کی وجہ آپ نے دریافت کرنے پہ یہ فرمائی۔ کہ ایک آستین کشادہ اس لئے رکھتا ہوں کہ اس میں کتاب کے کچھ اوراق رکھ سکوں۔ اور دوسری کو کھلا رکھنا اسراف سمجھتا ہوں۔ آپ اپنے زمانے میں سید الحفاظ اور امام المحدثین کے القاب سے مشہور تھے۔ حافظ موسیٰ بن ہارون فرمایا کرتے تھے کہ ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ابن حبان کا قول ہے۔ "ابو داؤد فقہ حدیث حافظہ عبادت۔ ورع۔ اتقان میں دنیا کے امام تھے۔ آپ اخلاق و عادات، اعمال و افعال میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مشابہ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ عقل مند انسان کے لئے صرف چار حدیثیں ہی کافی ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ اعمال کا دارومدار نیت پہ ہے۔

۲۔ جب کسی کا اسلام درست ہو گیا۔ اس نے تمام غیر ضروری اور لایعنی چیزوں

Marfat.com

کو چھوڑ دیا۔

۳۔ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۴۔ حلال اور حرام دونوں واضح ہیں۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ متشابہات ہیں اور جو شخص متشابہات سے بچا اس نے اپنی دنیا پاک کر لی۔

آپ نے ۷۴ سال کی عمر پائی۔ اور جمعہ کے روز شوال ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام احمد کنیت ابو عبد الرحمٰن اور نسب یہ ہے۔ ابو عبد الرحمٰن بن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان نسائی۔ آپ خراسان کے ایک شہر نسا میں ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے ان کو نسائی کہا جاتا ہے۔ آپ نے تحصیل علم کے سلسلے میں دیار اسلامیہ کے متعدد سفر کئے۔ حجاز، عراق، جزیرہ، شام اور مصر گئے۔ پندرہ برس کی عمر میں قتیبہ ابن سعید کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ بہت بڑے زاہد تھے۔ ہمیشہ صوم داؤدی رکھتے یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ آپ کی مشہور معروف تصنیف سنن نسائی ہے۔ اس میں آپ نے صحیح اور حسن احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ آپ کے شہر میں رہنے والے ایک امیر کے التماس کرنے پر آپ نے صحیح احادیث کو علیحدہ کر کے سنن مجتبیٰ کے نام سے ایک کتاب مرتب کر دیا۔

امام ذہبی اور تاج الدین سبکی کا قول ہے کہ "امام نسائی امام مالک سے بھی بڑے حافظ حدیث تھے۔

آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی۔ ایک دن جامع دمشق میں لوگوں کو سنانے لگے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ جن

Marfat.com

لوگوں کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جذبات موجود ہیں وہ راہِ راست پر آ جائیں۔ جب آپ کتاب پڑھ چکے۔ تو کسی نے پوچھا کہ دیگر صحابہ کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے یہ کتاب حضرت علی کے خلاف جذبات رکھنے والوں کو راہِ حق پہ لانے کے لیے لکھی ہے۔

امام نسائی نے جن کبار محدثین سے روایت کی۔ وہ یہ ہیں قتیبہ بن سعید اسحق بن راہویہ۔ علی بن خشرم محمود بن غیلان اور امام ابو داؤد سجستانی۔ نیز آپ سے بھی ایک جماعت نے روایت کی۔ ان میں ابو جعفر طحاوی اور ابو القاسم طبرانی مشہور ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ میر جمال الدین محدث نے شیخ عبداللہ یافعی سے نقل کیا کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا۔ کہ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ اپنے زمانہ کے معتمد اور صاحب صدق وصفا بزرگ تھے۔ اور ان کی تصانیف وتالیفات مصر اور اس کے گرد وپیش اسلامی دیار میں بڑی مشہور تھیں۔ نیز بے شمار لوگوں نے آپ سے حدیث سنی اور روایت کی۔

امام نسائی نے ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں بعمر ۸۸ سال رحلت فرمائی۔

فصل پنجم۔ منکرین حدیث کے اعتراضات اور انکے جوابات

منکرین حدیث کا مشن:۔ منکرین حدیث کا اصلی مشن سادہ لوح یا دین کے مسلمات سے بے خبر مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر کے لادینیت پھیلانا ہے یہ لوگ درحقیقت ان قیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ جو ایک مسلمان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور ان کا ماخذ حدیث ہی ہے۔ قرآنی احکام کی من مانی تاویلات وتوجیہات کر کے یہ نام نہاد مسلمان اصل دین کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے افکار و نظریات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ تو یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا۔

Marfat.com

کہ یہ منکرین حدیث مارکس اور لینن کے نظریات کا پرچار کرکے اشتراکیت پھیلانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے قلب واذہان دین کے خلوص سے بالکل کورے اور بے دینی کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ کتاب کے اس دوسرے حصے کے آغاز میں ضرورت و اہمیت حدیث نیز حجیت حدیث کے عنوانات کے تحت نہایت شرح و بسط کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حدیث کو چھوڑ کر قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ منکرین حدیث تاریخ اسلام سے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ جس سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ کسی عہد میں مسلمانوں نے حدیث و سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن پاک ہی پر عمل کیا ہو۔

خلافت راشدہ اسلامی تعلیمات کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اس مبارک دور میں خلفائے راشدین و دیگر اصحابہ کرام کا احادیث نبویہ کو دین میں حجت تسلیم کرنے کی صدہا مثالیں ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان منکرین حدیث کو دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اہل اسلام خصوصاً تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ان لوگوں کی شاطرانہ چالوں سے باخبر رہنا چاہیئے۔ ذیل میں ان لوگوں کے وہ اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو حدیث کے بارے میں ان کی طرف سے بڑے شد ومد سے پیش کئے جاتے ہیں۔

منکرین حدیث کے اعتراضات

منکرین حدیث کے اعتراضات :- پیش کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں۔

مثلاً حدیث کے متعلق اگر گولڈ زیہر (GOLD ZIHER) سپرنگر (SPRENGER) اور ڈوزی (DOZY) کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے

بڑے بڑے اعتراضات من وعن وہی ہیں۔ جو ان مستشرقین نے کئے ہیں۔ مثلاً سپرنگر اپنی کتاب "الحدیث عند العرب" میں دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تدوینِ حدیث کا کام عہدِ رسالت میں نہیں ہوا۔ بلکہ دوسری صدی کے آغاز سے شروع ہوا۔ اسی طرح گولڈ زیہر نے اپنے علمی مضامین کا جو ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا ہے۔ اس میں دلائل سے یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ کہ کتب احادیث کی وہ روایات جن میں چند صحائف کا عہدِ رسالت میں مرتب کیا جانا مذکور ہے۔ مشکوک ہیں۔ ڈوزی نے بھی اسی طرح حدیث کے متعلق موشگافیاں کی ہیں مثلاً وہ کہتا ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال پر مشتمل جو صحیح اور حسن روایات ہیں۔ ان میں بھی بعض صحیح ہیں بعض غلط۔ مستشرقین کے اس قسم کے اتہامات ہی درحقیقت منکرین حدیث کے اعتراضات کی بنا ہیں۔

پہلے منکرین حدیث کے عام اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر ان کا بالترتیب جواب دیا جائے گا۔

۱۔ جب قرآن پاک کے متعلق یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ ایک کامل کتاب الہٰی ہے۔ تو اس کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی احتیاج محسوس کرنا گویا قرآن کو نامکمل تسلیم کرنا ہے۔ لہٰذا دین میں قرآن ہی کافی ہے۔ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ قرآن کا اپنا دعوےٰ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ یعنی قرآن میں ہر چیز کا بین بیان ہے تو ایسی صورت میں حدیث کی ضرورت کیوں محسوس کی جائے۔

۳۔ احادیث قابلِ وثوق نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان کی تدوین کا کام کہیں دوسری تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ عہدِ رسالت اور خلافت راشدہ میں بہت کم احادیث ضبطِ تحریر میں لائی گئیں۔

۴۔ بعض مسائل کے متعلق متعارض حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ایک ہی مسئلہ کے متعلق جب دو مختلف احادیث ملیں گی۔ تو ان کو پڑھنے سے خواہ مخواہ انسان تذبذب میں پڑ جائے گا۔ کہ کس پر عمل کیا جائے۔ اور کسے چھوڑا جائے۔ مثلاً مشکوٰۃ

Marfat.com

کتاب الصلوٰۃ میں باب مواقیت الصلوٰۃ میں حضرت بریدہ کی روائت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد فوراً یعنی اوّل وقت میں پڑھی۔ مگر بخاری میں گرمی کے موسم میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے یعنی تاخیر کر کے پڑھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ سے اسی قسم کی روائت منقول ہے۔ اسی طرح نماز فجر کے وقت کے متعلق مختلف احادیث ملتی ہیں۔ بعض سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے تھے۔ اتنا اندھیرا ہوتا تھا۔ کہ جو عورتیں فجر کی نماز پڑھ کر گھروں کو واپس جاتی تھیں۔ انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ مگر بعض دوسری حدیثوں میں فجر کو روشن کر کے پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔

۵۔ اکثر روایات احاد ہیں اور خبر احاد سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ محض ظنیات کو دین میں کیسے حجت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ خلفائے راشدین خصوصاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیث روائت کرنے کی ممانعت کرتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ واقع موجود ہے۔ کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کو بلا کر اس بات پر ڈانٹا۔

جوابات

نمبر ۱۔ قرآن حکیم بلا ریب ایک مکمل کتاب ہے۔ مگر اسے سمجھنے کے لئے کئی ایک علوم کی ضرورت ہے مثلاً صرف، نحو، معانی و بیان، لغت، محاورات عرب، نیز ان سب سے بڑھ کر وہ نبئ مقدس جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ان کی زبان فیض ترجمان سے اس کی تشریح و توضیح۔ اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنی اس کتاب کی تفصیل حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ (النحل ۴۴) یعنی ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ کی طرف

نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کتاب کی تشریح کر دیں۔ جو ان کی طرف اتاری گئی۔ لہذا مناصب رسالت میں کلام الہٰی کی تشریح و توضیح بیان کرنا بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن دین کے متعلق اصول بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ اور ان کی تفصیل کے لئے آطیعوا الرسول کا حکم دیتا ہے۔ نیز ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز پر عمل کرنے کے لئے حکم فرمائیں اس پر عمل کرو اور جن چیزوں سے منع فرمائیں منع ہو جاؤ) کی طرف اپنے پڑھنے والے کی توجہ مبذول کراتا ہے۔ حدیث نبویہ سے پہلو تہی اختیار کر سکے۔ قرآن حکیم کی تفسیر جو زبان رسالت سے بیان ہوئی کہاں سے ملے گی۔ مثلاً قرآن پاک اقیموا الصلوٰۃ کا حکم دے کر خاموش ہو جاتا ہے۔۔ اب الصلوٰۃ کیا ہے۔ اس کی اقامت کی شرائط کیا ہے۔ پانچوں نمازیں ان کے اوقات۔ ان میں رکعات کی تعداد۔ نماز کی ادائیگی میں حرکات مثل سجدہ و رکوع۔ قومہ جلسہ وغیرہ کا بیان قرآن میں کہاں ہے۔ حدیث کا منکر دن رات میں صرف ایک رکعت پڑھ کر ہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے اقیموا الصلوٰۃ پر عمل کر لیا ہے۔

✓ قرآن نے فرمایا۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ یعنی زمین اور آسمانوں کی پیدائش کے دن سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ ہے۔ جن میں سے چار مہینے بزرگی والے یا حرمت والے ہیں۔

کیا منکر حدیث قرآن پاک سے ان چار حرمت والے مہینوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔

✓ لفظ النکاح لغت کے لحاظ سے وطی، یا عورت کے ساتھ مباشرت ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن سے نکاح اور زنا کے مابین تمیز نہیں کی جا سکتی۔ قرآن نے صرف ان کی حلت و حرمت ہی بیان کی۔ بالتفصیل ان میں فرق نہیں

Marfat.com

بتایا۔ حدیث کے بغیر یہ فرق بیان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح احادیث کی روشنی میں زکوٰۃ کا مطالعہ نہ کرنے والا اسے محض ایک ٹیکس سے تعبیر کرے گا جس کی شرح میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر انہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ضرورت و اہمیت حدیث کے عنوان کے تحت اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔ اس مختصر سے بیان کا لُبِ لباب یہ ہے کہ جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے۔ قرآن بے شک ایک مکمل کتاب ہے۔ مگر یہ اپنے اصولوں کی تشریح شارح اسلام صلے اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیتا ہے۔ قرآنی اصولوں کی اس تشریح و توضیح کے لیے ہمیں حدیث کی احتیاج پڑتی ہے۔

۲۔ اس اعتراض کا جواب بہت حد تک جواب نمبر ایک میں آ گیا ہے۔

۳۔ منکرین حدیث کا یہ اعتراض مستند حقائق سے چشم پوشی کی بنا پر ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ کہا یہ اعتراض مستشرقین یورپ ہی کے اعتراضات سے ماخوذ ہے۔ حدیث کی جمع و تدوین کے تحت اس حقیقت کو مستند دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ حدیث کی کتابت عہدِ رسالت ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ اگر ابتدائے نزول قرآن کے زمانہ میں حضور نے قرآن کے سوا اور کچھ لکھنے کی ممانعت فرمائی تو محض اس لیے کہ کہیں قرآن اور حدیث آپس میں گڈ مڈ نہ ہو جائیں۔ اور یہ ممانعت بھی صرف ان صحابہ کے لیے تھی جو قرآن و حدیث کا فرق اچھی طرح نہ جانتے تھے۔ ایسے اصحابہ جو علمی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت عمرو بن عاص، حضرت علی وغیرہم ان کو تو حضور احادیث خود لکھواتے تھے۔

عہدِ رسالت میں لکھے جانے والے احادیث کے مجموعوں کی فہرست گذر چکی ہے ان میں سے چند ایک دوبارہ عرض کیے دیتا ہوں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا صحیفہ صادقہ کتاب الصدقہ جس میں زکوٰۃ کے احکام تھے۔ حضور نے ابوبکر بن حزم والی بحرین کو لکھوائی تھی۔ یہ تحریر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ۹۹ھ میں ملی دارقطنی

Marfat.com

وہ تبلیغی خطوط جو حضور نے خود لکھوائے تھے ; مقوقس شاہ مصر کے نام لکھا ہوا حضور کا خط اب بھی اسکندریہ کی لائبریری میں محفوظ ہے ۔ اس خط کے عکس بھی کئی بار اخبارات میں چھپ چکے ہیں ۔ بخاری و مسلم یا دیگر کتب احادیث میں اس خط کی جو عبارت محدثین امت نے بسلسلہ روایت لکھی ہے من و عن حضور کے اصلی خط کے مضمون سے ملتا ہے ۔ ہاں یہ کہنا درست ہے : کہ حدیث کی کتابت یا اس کی جمع و تدوین کی طرف جتنی توجہ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں دی گئی اس سے پہلے نہیں دی گئی ۔ مگر اس کی بھی کئی ایک وجوہات تھیں ۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی ۔ کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ ہی میں زیادہ تر مصروف رہے ۔ انہیں کتابت حدیث کا اتنا موقع کہاں میسر آتا تھا ۔ نیز ان حضرات کی قوت حافظہ اتنے غضب کی تھی کہ ایک ایک شخص اپنے اونٹ کے سلسلہ سو سو پشت تک گن جاتا تھا ۔ اس تحریر کے بجائے حفظ ہی پہ زیادہ بھروسہ کیا جاتا تھا ۔ خلافت راشدہ کے دور میں بھی تقریباً یہی حالات رہے ۔ پھر بھی عہد رسالت کی طرح اس زمانے میں بھی کتابت حدیث کا کام جاری رہا ۔ چنانچہ اس ضمن میں سب سے زیادہ قابل ذکر احادیث کا وہ مجموعہ ہے جسے حضرت ابوہریرہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ (متوفی ۹۹ھ) کے لئے تحریر کیا ۔ دور صحابہ کا لکھا ہوا احادیث کا یہ مجموعہ آج تک بالکل محفوظ موجود ہے ۔ اس صحیفہ کا ایک نسخہ برلن میں اور دوسرا دمشق میں موجود ہے ۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں اس مجموعے کی ساری احادیث جو تعداد میں ۱۳۸ ہیں ۔ جمع کر دی ہیں ۔ (مسند حنبل)

درحقیقت یہ صحیفہ ان صحائف میں سے ایک تھا ۔ جنہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۸ھ) نے مرتب کئے تھے ۔ باقی تو حوادث زمانہ سے تلف ہو گئے ۔ یہی ایک بچ رہا ۔ جسے آپ کے شاگرد عزیز ہمام بن منبہ نے آپ سے سماعت کیا ۔ مندرجہ بالا مختصر بیان سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ احادیث نبویہ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ میں نہیں لکھی گئیں ۔

Marfat.com

بالکل لغو اور سراسر جھوٹ دافترا ہے۔ حق شناس اور حقیقت پسند انسان مذکورہ بالا حقائق کے ہوتے ایسے کذب وبہتان کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ تعصب کا کوئی علاج نہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

۴۔ یہ درست ہے کہ بعض مسائل سے متعلقہ احادیث میں تعارض پایا جاتا ہے مگر یہ کہ احادیث میں تعارض کی وجہ سے ان سے احتجاج ہی نہ کیا جائے۔ لاحاصل ہے۔ دراصل اس کا تعلق نسخ سے ہے۔ جس طرح ایک ماہر معالج کسی مریض کا علاج کرتے وقت ایک وقت میں اس کے لئے ایک دوا تجویز کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے وقت میں موسم میں تبدیلی یا دیگر وجوہ کی بنا پر وہ دوا بدل کر دوسری دوا تجویز کر دیتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ دوا پہلی دوا کی خاصیت سے مختلف خاصیت رکھتی ہو۔ مگر اس کی مصلحت معالج ہی سمجھتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے سب سے بڑے روحانی معالج ہیں۔ حضور نے روحانی مریضوں کے لئے بعض اوقات اپنے روحانی علاج میں کسی مصلحت کے پیش نظر تبدیلی فرما دی۔ نیز یہ بھی عین ممکن ہے کہ ایسی احادیث جن میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہو۔ حقیقتاً تعارض نہ ہو۔ بلکہ اس کی وجہ سمجھنے والے کی کم فہمی وکم علمی ہو۔ جہاں تک نسخ یا ناسخ ومنسوخ کا تعلق ہے اس کے متعلق مفصل بحث گذر چکی ہے یہاں پر مختصراً عرض کرتا ہوں۔ کہ ایسی دو مقبول متعارض حدیثیں جن میں تطابق کی کوئی صورت نہ ہو۔ تاریخ یا نص کا تتبع کرنے سے یقیناً ان میں تقدم وتاخر زمانی پایا جائے گا۔ جس حدیث میں تاخر ثابت ہوگا۔ وہ حکم میں دوسری حدیث کی ناسخ ہوگی۔ لہذا پہلی متروک العمل ٹھہرے گی۔ مثلاً حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں زیارت قبور سے منع کر رکھا تھا۔ مبادا اہل اسلام یہود ونصاریٰ کی طرح قبور کی پرستش میں مبتلا ہو کر شرک نہ کرنے لگ جائیں۔ جب یہ خطرہ اٹھ گیا تو حضور نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ زیارت قبور کی اجازت کی حدیث

Marfat.com

صحیح مسلم میں موجود ہے جسے حضرت بریدہ نے روایت کیا ہے اس حدیث نے اُس حدیث کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ جس میں حضور نے زیارت قبور کی ممانعت فرمائی تھی صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں " كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ " یعنی میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا ہوا ہے۔ اب تم اُن کی زیارت کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

متعارض نظر آنے والی بعض وہ احادیث ہیں۔ جن میں ایک حدیث کا حکم ایک وقت کے لئے مختص تھا۔ دوسری حدیث کا دوسرے وقت کے لئے۔ یا یہ کہ پہلی حدیث کا حکم کسی خاص مصلحت کے لئے دیا گیا۔ پھر بعد میں اسے بدل دیا گیا۔

مثلاً منکرین حدیث کے اس ضمن میں کئے جانے والے اعتراض میں مشکوٰۃ کے باب المواقیت کی ان احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جن کا تعلق نماز ظہر اور نماز فجر کے اوقات سے ہے۔ بظاہر ان میں تعارض نظر آتا ہے۔ مگر حقیقتاً نہیں۔ نماز ظہر کے وقت کے سلسلے میں ایسی احادیث جن میں یہ بیان ہے۔ کہ حضور نے یہ نماز اول وقت میں پڑھی اُن سب کا تعلق سردیوں میں نماز ظہر کے وقت سے ہے۔ جن میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم ملتا ہے۔ یا یہ کہ حضور نے یا صحابہ نے ظہر کو آخری وقت میں پڑھا ان سب احادیث کا تعلق گرمیوں میں نماز ظہر کے وقت سے ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں اصحابہ کرام کا گرمی کے موسم میں نماز ظہر ادا کرنے کے لئے دیواروں کے سائے میں نماز ادا کرنے کے لئے جانے کا بیان ہے یا یہ کہ اصحابہ گرمیوں میں ظہر اس وقت پڑھتے تھے۔ جب ٹیلوں کے سائے نظر آنے لگتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

نماز فجر کے متعلق وہ احادیث جن میں یہ بیان ہے کہ حضور اس نماز کو اندھیرے میں پڑھا اور بعض احادیث میں یہ ہے کہ آپ نے یہ نماز اُجالے میں پڑھی یا اُجالے میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث جن

Marfat.com

میں آپ کا نماز فجر اندھیرے یعنی غلس میں پڑھانے کا بیان ہے وہ پردہ کے احکام کے نازل ہونے سے پہلے کی ہیں جب صحابیات مسجد نبوی میں حضور کی اقتدا میں نماز ادا کرتی تھیں۔ جب عورتوں کے لئے پردہ فرض ہو گیا ہے۔ ان کا گھروں میں ٹھہرنا لازم قرار دیا گیا۔ اور اس کے مطابق مسلمان عورتیں مسجدوں کی بجائے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگیں۔ تو حضور نے نماز فجر کو بجائے غلس کے خوب اُجالے میں پڑھانا شروع کر دیا اور حکم بھی فرما دیا۔ کہ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ " نماز فجر خوب اُجالے کے وقت میں پڑھو۔ الغرض منکرین حدیث کا احادیث میں تعارض کے پائے جانے کا اعتراض یا تو علم حدیث سے نابلد ہونے کا ثبوت ہے یا محض ان کی ہٹ دھرمی اور دل کی کجی۔ ورنہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے جن احادیث میں ظاہری طور پہ تعارض ملتا ہے۔ وہ خلوص کے ساتھ تحقیق و تجسس کرنے سے دور ہو سکتا ہے۔

۵۔ خبر احاد کے متعلق اس نظریہ میں علماء و محدثین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مفید علم ظنی ہوتی ہیں۔ یا مفید علم یقینی۔ محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد حارث محاسبی۔ حسین بن علی کرابیسی۔ ابو سلیمان امام مالک اور امام ابن حزم شامل ہیں۔ خبر واحد کو علم یقینی کے لئے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابن حزم کا قول پہلے بھی گذر چکا ہے جو انہوں نے اپنی تصنیف الاحکام فی اصول الاحکام میں ذکر کیا ہے۔ کہ ایک عادل راوی جب اپنے جیسے راوی سے کوئی حدیث روایت کرے تو وہ علم و عمل دونوں کی موجب ہو گی۔ محدثین کی دوسری جماعت جو خبر واحد کو علم ظنی ہی کے لئے مفید خیال کرتے ہیں۔ ان کے اس نظریہ ہی کو اگر درست تسلیم کر لیا جائے اور ترجیح دی جائے۔ تو اس امر میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ کہ خبر احاد جو صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ دین میں حجت ہیں اور واجب العمل ہیں۔ اگر جملہ اخبار احاد کو محض ظنیات کہہ کر رد کر دیا جائے۔ خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے ثقہ راوی سے مروی ہو۔ تو پھر تو (معاذ اللہ) قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے میں بھی کلام ہو سکتا

Marfat.com

ہے آخر اس کا کلام الٰہی ہونا بھی تو خبرِ واحد ہی سے ثابت ہے۔ گو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال صداقت و راست گوئی جس میں کذب کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا کے پیش نظر حضور ہی کے خبر دینے سے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اسے کلام الٰہی تسلیم کر لیا گیا۔ خبر متواتر کے متعلق یہ کہنا کہ کثرت رواۃ کا کذب پر اتفاق ممکن نہیں یہ بھی تو قیاس ہی پر مبنی ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہزاروں معاملات کا دار و مدار اخبار احاد ہی پہ ہوتا ہے۔ محض یہ خیال کر کے کہ ہر اخبار احاد ہیں ان کو قبول نہ کیا جائے اس سے معاملات میں کس قدر پیچیدگی پیدا ہوگی۔ نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ علمائے حدیث نیز آئمہ مجتہدین نے اخبار احاد کو دین میں حجیت تسلیم کرنے ان کو واجب العمل سمجھنے کے لئے باقاعدہ شرائط مقرر کی ہیں۔ جن کا مفصل بیان حجیت حدیث کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے۔

۶۔ خلفائے راشدین کا احادیث کی کثرت روائت سے روکنا درحقیقت احتیاط و ضبط کے پیش نظر تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ لوگ یونہی بغیر تحقیق و تجسس کے حدیث کو روائت کرنا شروع کر دیں گے۔ تو اس سے غلطی کا احتمال ہوگا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت وعید بھی ہے۔ "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ فِي النَّارِ" حضور کی اس وعید کے پیش نظر یہ حضرات متشدد فی الروایت بھی تھے۔ اور کتابت حدیث سے بھی احتراز کناں تھے۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اگر اس دور میں اس قدر احتیاط نہ برتی جاتی تو شائد احادیث کو عدم احتیاط سے روائت کرنے سے دین میں کس قدر فتنہ پیدا ہوتا۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے "تقلید العلم" میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آپ احادیث کو روائت کرنے یا لکھنے میں کس قدر محتاط تھے اور کیوں۔ آپ کا یہ قول حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے قول ہے" جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں حدیثیں لکھنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔ اس اثناء میں مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتاب خداوندی کے ساتھ اور کتابیں

Marfat.com

تھیں۔ پھر کتاب الہی کو چھوڑ کر انہی کے ہو رہے۔ بخدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چ
ملط نہیں کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے کتابت احادیث کا ارادہ ترک کر دیا۔"

اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف حضرت مغیرہ
تنہا حدیث روایت کرنے پر میت کی دادی کو میراث کا چھٹا حصہ نہ دیا جب
نے روایت کی صحت کی شہادت نہ دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ ع
ابوموسیٰ اشعری نے اذن طلب کرنے کے متعلق حدیث سنائی تو آپ نے ا
فرمایا کہ اگر تم اس کی شہادت پیش نہ کر سکے تو تمہیں سزا دوں گا۔" چنانچہ
خدری نے ابوموسیٰ اشعری کی تائید میں شہادت دی۔ تو حضرت عمر ؓ
ابوہریرہ کو ڈانٹنا بھی دراصل اسی لئے تھا کہ وہ احادیث کی روایت م
ہیں۔ المختصر خلفائے راشدین کا کثرت روایت سے روکتے کا
حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جا سکے
احادیث دین میں حجت ہیں۔ نیز اصول دین کی تشریح
تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ حضرات احادیث
کرتے تھے۔ یا ان کی روایت اور کتابت کے قطعی خ
کے اس اعتراض سے احادیث نبویہ کی اہمیت
منکرین حدیث کے اس قسم کے بے بنیاد ا
دھوکہ میں ڈالنے کے لئے ہیں۔ ان کا اصل مقصد
دگمراہی پھیلانا ہے اس قسم کے لوگ درحقیقت مسلمانو
ہیں۔ اعاذنا اللہ من شرہم۔

تاریخ الحدیث سے متعلقہ ا

۱۔ سنت اور حدیث میں فرق بیان کیجئے۔ نیز
قرآن کریم سے حجیت حدیث پر دلائل دیجئے

Marfat.com

ہے آخرانہم دلائل ان کے دعاوی کے ہیں۔ قلمبند کر کے ان کا مدلل جواب دیجئے۔ ۱۹۵۱ء

اللہ علیہ و دین حدیث کی تاریخ پر اس انداز سے ایک مختصر مگر جامع مضمون لکھیے جس سے اس

سکتا کے بلیتنی کی اہمیت پر روشنی پڑ سکے۔ ۱۹۵۷ء

تسلیم کر لیا گیا تو کی کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ قرآن کی شرح ہے۔ اگر شرح ہے۔ تو کن

یہ بھی تو قبائر ہیں۔ (۱۹۵۹ء)

اخبار احاد ہی بخاری اور صحیح مسلم میں موازنہ کیجئے۔ اور بتائیے کہ صحت کے لحاظ سے ترجیح

کیا جائے اس اصل ہے اور کیوں۔ ۱۹۵۹ء

ہو جائے گا۔ عاکی اہمیت اور حجیت پر دلائل دیجئے اور مختصر طور پر تدوین حدیث

کرنے ان کو واضح کیجئے۔ (۱۹۶۰ء)

بیان حجیت حدیث یث کی وضاحت کرتے ہوئے مختصراً تاریخ و تدوین حدیث سے

۶۔ خلفائے راشد (۱۹۶۲ء)

احتیاط و ضبط کے پیش نظر کیا قیام ہے۔ کیا قرآن مجید کے ساتھ حدیث بھی شریعت کا ماخذ

حدیث کو روایت کرنا شروع کیجئے۔ (۱۹۶۳ء)

میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حث کرتے ہوئے مختصراً تدوین حدیث تحریر کیجئے۔ ۱۹۶۴ء

مُتَحَمِّلُ اَفَيَتَبَبِّعُوا وَ مُحَقِّقُ نبویت کی وجوہات بیان کیجئے۔ ۱۹۶۷ء

یہ حضرات متشدد فی الروایت ہیں ان کے تحت جو قیود ہیں ان کا بھی ذکر کیجئے۔ ۱۹۶۵ء

تھے۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا

مثلاً احادیث کو عدم احتیاط

چنانچہ خطیب بغدادی نے "تقلید

نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا۔

قدر محتاط تھے اور کیوں۔ آپ

ہے" جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں

مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے پہلے

راحسنہ ختم شد

Marfat.com

حصّہ سوم

احادیث نبویہؐ کا ترجمہ و تشریح

(مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الصّلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصّوم)

میں سے منتخبہ احادیث

کتاب الصلوٰۃ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلصَّلوٰۃُ خَمْسٌ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُکَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَ الْکَبَائِرُ

(رواہ المسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ جو ان کے درمیان ہوئے ہوں۔ جب کہ گناہ کبیرہ نہ کئے گئے ہوں۔

تشریح:۔ حدیث مذکور قرآن پاک کی اس آیۂ مبارکہ ہی کی تشریح ہے " اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ پانچوں نمازیں۔ جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان کے درمیان ہونے والے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ ان صغیرہ گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو۔ اس لئے کہ حقوق العباد یا تو ادا کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ یا معاف کر دینے سے معاف ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ بھی اس شرط معاف ہوتے ہیں۔ کہ کبیرہ گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اس لئے کہ کبیرہ گناہ سوائے توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اگر صغیرہ گناہ سرزد نہ ہوں۔ تو نماز پنجگانہ۔ جمعہ اور رمضان درجات کی بلندی کا باعث ہوتے ہیں۔ حدیث کے نفس مضمون کو پڑھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی

عبادات جن سے گناہ مٹ جائیں ان کی طرف کیوں نہ توجہ دی جائے۔ تو گویا اس میں پانچوں وقت کی نماز کی ادائیگی نماز جمعہ کا پڑھنا۔ رمضان میں روزہ رکھنا اور رمضان کی حرمت کے سلسلہ میں اس کا حق ادا کرنے کی تحریص و ترغیب پائی جاتی ہے۔ کمال یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی مذمت بھی فرما دی۔ کہ صغائر تب ہی معاف ہوں گے جب کبائر سے اجتناب کرو گے۔

حدیث نمبر ۲:- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ كَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی یہ بتائے کہ اگر اس کے دروازے کے سامنے ایک نہر جاری ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گی۔ اصحاب نے عرض کیا۔ اس شخص کے بدن پر ایسی حالت میں میل باقی نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا۔ پس پانچوں نمازوں کی یہی کیفیت ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے سبب سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

تشریح:- نفس مضمون میں یہ حدیث پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہے۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پنج گانہ نماز کی ادائیگی کو نہر میں پانچ مرتبہ غسل دینے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ جس طرح جسم سے پانی میل کچیل گندگی نجاست وغیرہ کو دور کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز کو اللہ تعالےٰ نے یہ فضیلت بخشی ہے۔ کہ اس سے باطنی میل کچیل جو گناہوں کے سرزد ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ دھل جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جو خطائیں، لغزشیں یا صغیرہ گناہ مسلمان سے ہو جاتے ہیں۔ نماز ادا کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ جس طرح

Marfat.com

ہر شخص فطری طور پر پسند کرتا ہے۔ کہ وہ صاف ستھرا ہے۔ اس کے جسم پر کسی قسم کا میل کچیل نہ رہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ کتنی ہی بار پانی سے غسل کرتا ہے۔ اسی طرح جس مسلمان کی یہ خواہش ہو کہ اس کی خطائیں معاف ہو جائیں تو وہ پانچوں وقت کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی رغبت رکھے گا۔

حدیث نمبر ۲۳:- وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْاَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اِنِّي اَصَبْتُ الْحَدًّا فَاَقِمْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَلَكَ ذَنْبَكَ اَوْحَدَّكَ

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں نے ایسا کام کیا ہے جس سے مجھ پر حد واجب ہو گئی ہے۔ پس آپ مجھ پر حد جاری کر دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حد یا جرم کے متعلق اس شخص سے کچھ نہیں پوچھا۔ نماز کا وقت آگیا اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو اس شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ میں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ جو قابل حد ہے آپ کلام الٰہی کے مطابق مجھ پر حد لگائیں آپ نے فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی اس نے عرض کیا۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے تیرے گناہوں اور تیری حد کو بخش دیا۔

تشریح:- حدیث نمبر ۱ اور ۲ میں نماز کی وجہ سے خطاؤں کے مٹ جانے کا ذکر تھا۔ اس حدیث میں نماز سے واقعتہً گناہ کے مٹ جانے کا واقعہ درج ہے۔ جس کے پڑھنے سے یہ یقین و ایقان قلب و ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے۔ کہ جب نماز سے

Marfat.com

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق معمولی گناہ تو درکنار ایسا گناہ بھی مٹ جاتا ہے جو قابل حد ہو۔ تو اس سے ایک تو گناہ سرزد ہونے کے بعد بھی نماز ترک نہ کرنے کی تعلیم موجود ہے۔ نیز نماز کی فضیلت واہمیت آشکارہ ہو جاتی ہے

حدیث نمبر ۴: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِيْ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔ پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا کام اچھا ہے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہ باتیں مجھ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں اگر میں اور پوچھتا تو اور بھی بتاتے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعتہ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ افضل اعمال مختلف احادیث کے بیان کے مطابق مختلف ہیں کسی میں سلام کہنا اور بھوکے کو کھانا کھلانا افضل عمل بتایا گیا ہے کسی میں صلاۃ اللیل کو کسی میں ایسے جہاد کو جس میں مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے کسی میں ایسے حج کو جس میں کوئی معصیت سرزد نہ ہو۔ کسی میں ایسے عمل کو افضل الاعمال بتایا گیا ہے جو ہمیشہ کیا جائے اور کسی حدیث میں یہ کہ مسلمان کے ہاتھ اس کے مطابق سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں نماز کو افضل الاعمال کہا گیا ہے۔ تو حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ یا تو یہ ہے کہ حضور نے افضل العمل کے متعلق سوال کرنے والے مختلف لوگوں کو ان کی رغبت نیز ان کے احوال کی مناسبت دیکھ کر عمل کی نشان دہی فرمائی۔ یا یہ کہ مختلف مواقع کی اہمیت

Marfat.com

کے پیش نظر مختلف اعمال کو افضل الاعمال بتایا گیا۔ مثلاً ابتدائے اسلام میں جہاد باقی تمام امور سے زیادہ اہم تھا۔ تو حضور نے اس وقت اسے افضل العمل قرار دیا۔ اسی طرح عسرت یا تنگی کے وقت انفاق فی سبیل اللہ کو سب کاموں پر فضیلت دی۔ حتیٰ کہ نماز پر بھی۔ اگرچہ عام حالت میں نماز صدقہ سے افضل ہے۔

حدیث بالا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضیلت کے اعتبار سے نماز کے بعد والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کو دوسرے درجے پر لانا بعینہٖ قرآن پاک اُن متعدد آیات کے مطابق ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کیساتھ بھلائی کا حکم دیا۔ مثلاً "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" نیز "وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا"

والدین کی خدمت بجالانے کو جہاد پر فضیلت دینے کے سلسلے میں ایک اور حدیث مذکور ہے۔ جسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ کہ ایک صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے۔ حضور سے مشورہ لینے کو حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ کیا تیری والدہ ہے۔ صحابی نے عرض کی ہاں فرمایا اس کی خدمت لازم کر کہ جنت اس کے قدم کے پاس ہے۔

حضرت ابن مسعود نے ازراہِ حیا کثرت سوال سے احتراز کرتے ہوئے مزید سوال نہ کیا۔ دگرنہ حضور اور کچھ بھی فرماتے۔

حدیث نمبر ۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مسلمان اور کافر کے درمیان نماز ہی حدِّ فاصل

ہے جس کے ترک کرنے سے مسلمان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں تارک صلوٰۃ کے لیے انتہائی سخت وعید ہے۔ گویا خدا رسول کے نزدیک ترک صلوٰۃ اتنا گناہ عظیم ہے۔ کہ وہ مسلمان کو کفر کے نزدیک کر دیتا ہے۔ اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں حضور نے فرمایا "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" کہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی گویا اس نے کفر کر لیا۔ اسلام میں فریضہ صلوٰۃ کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ اصحاب ظواہر کے نزدیک تارک الصلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعی۔ امام مالک کے نزدیک واجب القتل ہے۔ جمہور کے نزدیک کافر تو نہیں ہو جاتا۔ مگر کفر کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔

باب المواقیت

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ الصَّلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ظہر کا وقت وہ ہے جب دوپہر ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے۔ اور نماز عصر کا وقت شروع نہ ہو

جائے۔ اور عصر کا وقت تک رہے گا۔ سورج زرد نہ پڑ جائے اور مغرب کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور عشا کا وقت نصف شب تک رہتا ہے اور فجر کی نماز کا وقت سورج کے طلوع ہونے تک ہے کہ جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو۔ اس لئے سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں اوقات نماز پنجگانہ کا بیان ہے۔ ترتیب میں نماز ظہر کو مقدم رکھا اس لئے کہ سب سے پہلے جبریل امین نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہی نماز پڑھائی تھی۔ اس لئے اس کو نماز پیشین بھی کہتے ہیں۔ اس نماز کے وقت کی ابتدا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے سورج کے مغرب کی جانب ڈھل جانے کے وقت سے ہوتی ہے۔ اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس چیز کے قدر کے برابر ہو جائے۔ نماز ظہر کے آخری وقت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک زوال یا نصف النہار کے وقت کسی چیز کا جو سایہ ہوتا ہے جسے سایہ اصلی بھی کہتے ہیں۔ یہ سایہ نکال کر جب اس کا سایہ ایک مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ مذہب حنفی میں نماز ظہر کا وقت کسی چیز کا اصلی سایہ نکال کر اس چیز کے دو مثل سایا ہونے تک رہتا ہے۔ روایات مختلفہ متعارضہ کے پیش نظر جمہور علمائے کا قول مختار یہ ہے کہ نماز ظہر مثل اول میں پڑھ لی جائے نماز عصر دو مثل کے بعد۔

نماز عصر کا وقت سورج کا رنگ زرد ہو جانے تک ہے۔ در اصل یہ کراہت کا وقت ہے آخری وقت غروب آفتاب ہے۔ سورج کے زرد ہو جانے کی شناخت یوں ہو سکتی ہے۔ اگر سورج کی ٹکیہ کی طرف دیکھا جائے تو نظر خیرہ نہ ہو۔ نماز مغرب غروب آفتاب سے غروب شفق تک۔ شفق سے مراد بعض کے نزدیک وہ سرخی جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی سمت میں دکھائی دیتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سرخی کے بعد سفیدی ہے۔ اس میں بھی قول مختار یہ ہے۔ کہ نماز مغرب سرخی ختم ہونے سے پہلے ادا کر لی جائے اور نماز عشاء سفیدی غروب ہونے کے بعد شروع کی جائے

نماز فجر کے وقت کی ابتدا طلوع فجر یا صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔
اس حدیث میں سورج کے طلوع ہوتے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت میں حضور کا یہ فرمانا کہ سورج شیطان کے دو توسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ اس کی توضیح صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں موجود ہے۔ جس میں حضور نے فرمایا کہ جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو شیطان ملعون سورج کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سر اس کے نزدیک کر لیتا ہے۔ اور جب طلوع ہو جاتا ہے۔ تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور یہی معاملہ غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ شیطان کی پرستش کرنے والے عموماً انہیں اوقات میں اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں کہ جن میں شیطان کے پجاری اس کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ناپسند فرمایا۔ اس لئے ان اوقات کو اوقات مکروہہ کہا جاتا ہے۔ صاحب اشعۃ اللمعات نے اس کا مفہوم یہی بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث نمبر ۷:- عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَہٗ صَلِّ مَعَنَا ھٰذَیْنِ یَعْنِی الْیَوْمَیْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الظُّھْرَ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ بَیْضَاءُ نَقِیَّۃٌ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ کَانَ الْیَوْمُ الثَّانِیْ اَمَرَہٗ فَاَبْرِدْ بِالظُّھْرِ فَاَبْرَدَ بِھَا فَاَنْعَمَ اَنْ یُّبْرِدَ بِھَا وَصَلَّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ اَخَّرَھَا فَوْقَ الَّذِیْ کَانَ وَصَلَّی الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّی الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَھَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ وَصَلَّی الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِھَا ثُمَّ قَالَ اَیْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ

Marfat.com

فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَقْتُ صَلٰوتِکُمْ بَیْنَ مَا رَاَیْتُمْ۔

رواہ مسلم۔

ترجمہ :- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کیے آپ نے فرمایا تو دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھ۔ تو جب (پہلے دن) سورج ڈھل گیا تو آپ نے بلال کو حکم دیا۔ انہوں نے اذان کہی۔ پھر ان کو حکم دیا۔ انہوں نے تکبیر کہی۔ پھر آپ نے عصر کی تکبیر کا اس وقت حکم دیا۔ جب کہ آفتاب بلند تھا۔ اور سفید و صاف تھا۔ پھر سورج غروب ہونے پر مغرب کا حکم دیا۔ پھر جب شفق غائب ہو گئی تو عشاء کا۔ پھر جب صبح ہوئی تو فجر کا حکم دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے بلال کو حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر دے۔ تو بلال نے وقت کو خوب ٹھنڈا کیا پھر نماز ظہر پڑھی۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج آخری بلندی پر تھا یعنی بالکل آخری وقت میں نماز پڑھی اور مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے پہلے پہلے تک پڑھی اور عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے پر ادا کی۔ فجر کی نماز خوب روشن کرکے پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ نماز کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے۔ پھر وہ شخص حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہاری نماز کا وقت وہ ہے۔ جو ان دونوں دنوں کے اوقات کے درمیان ہے۔

تشریح :- اس حدیث مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کے اوقات پوچھنے والے شخص کو عملی طور پر پانچوں نمازوں کی ابتدا کے اوقات اور آخری اوقات جن میں یہ نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں بتا دیئے۔ گویا نماز ظہر کا ابتدائی وقت سورج ڈھل جانے کے بعد شروع ہے۔ آخری وقت دو مثل تک رہتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس لئے مذہب حنفی میں نماز ظہر کا موسم گرما میں مستحب وقت آخری وقت ہے۔ نماز

Marfat.com

عصر کا آخری وقت ملا کر اب تک سورج کی زردی سے پہلے۔ نماز مغرب کا غروب شفق تک۔ اور عشاء کا آخری وقت اگرچہ طلوع فجر تک ہے مگر تہائی رات گذر جانے کے بعد اس میں کراہت ہے۔ اس لئے کہ یہ وقت عموماً آرام کا وقت ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ہی نماز ادا کر لینا بہتر ہے۔ اگرچہ حضور نے ابتدائی اور آخری وقتوں کے علاوہ اوسط وقت میں بھی نماز کے جواز کی صورت میں سائل کو نماز دیا۔ کہ تمہارے لئے یہ وقت موزوں ہے۔

حدیث نمبر:

باب تعجیل الصلوٰۃ

عَنْ سَیَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِیْ عَلٰی اَبِیْ عَلٰی اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیِّ فَقَالَ لَهُ اَبِیْ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَةَ فَقَالَ کَانَ یُصَلِّی الْهَجِیْرَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰی حِیْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَیُصَلِّی الْعَصْرَ ثُمَّ یَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰی رَحْلِهٖ فِیْ اَقْصَی الْمَدِیْنَةِ وَالشَّمْسُ حَیَّةٌ وَنَسِیْتُ مَا قَالَ فِی الْمَغْرِبِ وَکَانَ یَسْتَحِبُّ اَنْ یُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَکَانَ یَکْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَهَا وَکَانَ یَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِیْنَ یَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِیْسَهٗ وَیَقْرَأُ بِالسِّتِّیْنَ اِلَی الْمِائَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا یُبَالِیْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَلَا یُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: ۔ سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے والد ابی برزہ اسلمی کے پاس گئے۔ میرے والد نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرض نماز کس طرح ادا فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا حضور ظہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے اُس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا

Marfat.com

اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کے بعد واپس شہر کے آخری کنارے پر پہنچ جاتا تو سورج ابھی صاف اور روشن ہوتا۔ سیار کا بیان ہے کہ نماز مغرب کے متعلق ابو ہریرہ نے جو کچھ بتایا تھا۔ اس کو میں بھول گیا۔ اور ابو برزہ نے کہا کہ حضور عشاء کی نماز میں تاخیر پسند فرماتے تھے۔ جس کو تم نماز عتمہ کہتے ہو۔ اور عشاء سے پہلے سونے کو بُرا جانتے تھے۔ اور نماز کے بعد بات کرنے کو بھی بُرا جانتے تھے۔ اور فجر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کی شناخت کر لیتا۔ اور نماز فجر میں حضور ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک پڑھنے میں کوئی تامل نہ فرماتے تھے۔ اور نماز عشاء سے پہلے سونے کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح عشاء کے بعد باتیں کرنا آپ کو پسند نہ تھیں۔

تشریح: اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز ظہر کو اوّل وقت میں پڑھنا غالباً جاڑے کے موسم کا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ گذشتہ حدیث میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے آخر وقت میں پڑھنے کا بیان گذر چکا ہے۔ گویا نماز ظہر کو موسم گرما میں تاخیر کر کے پڑھنا اور جاڑے کے موسم میں اوّل وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ نماز عشاء کے لئے اس حدیث میں عتمہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ عتمہ عربی میں اس اندھیرے کو کہتے ہیں جو شفق غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ ابتداء میں عشاء کو عتمہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حضور نے منع فرمایا ہے۔ نماز عشاء کو تہائی رات سے زیادہ تاخیر کر کے پڑھنا حضور کو پسند نہ تھا۔ اس لئے کہ تہائی رات کے بعد سونے اور آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ نیز نماز عشاء سے پہلے سو جانے کو بھی حضور پسند نہ فرماتے تھے۔ امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اگر نیند غلبہ کرے تو سو جانے کی اجازت ہے۔ مگر اسے عادت نہ بنا لیا جائے۔ نماز

سے پہلے سو جانے میں یہ اندیشہ ہے کہ نماز کے وقت میں آنکھ ہی نہ کھلے اور نماز قضا ہو جائے۔ یا خدانخواستہ فوت ہو جائے تو بھی نماز فوت ہو جائے گی۔ اسی طرح نماز عشاء پڑھنے کے بعد باتیں کرنے کو بھی حضور نے پسند نہیں فرمایا۔ اس سلسلے میں علامہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی نیز علامہ علی قاری علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ گھر والوں کے ساتھ یا مہمانوں کے ساتھ ضروری حاجات کے متعلق باتیں کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ کلام لایعنی اور بیہودہ قسم کی نہ ہو۔ نیز سونے کے وقت یاد خدا کرتے ہوئے سونے میں یہ مصلحت ہے۔ کہ اگر اسی حالت میں انتقال ہو جائے کو باعث سعادت ہوگا۔

حدیث نمبر ۹ :- وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ الصَّلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ (متفق علیہ)

ترجمہ :- محمد بن عمرو بن الحسن بن علی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کی کیفیت کیا تھی۔ انہوں نے کہا کہ حضور ظہر کی نماز دن ڈھلے پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز جبکہ آفتاب روشن ہوتا۔ مغرب کی غروب آفتاب کے بعد اور عشا کی نماز جب بہت سے لوگ اکٹھے ہو جاتے اگر تھوڑے ہوتے تو دیر سے پڑھتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے۔

تشریح :- اس حدیث میں نمازوں کے اول وقت میں پڑھنے کا بیان ہے۔ اور اول وقت میں نمازوں کی ادائیگی کے سلسلے میں تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰ :- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ وَاشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّھَا فَقَالَتْ رَبِّ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَھَا بِنَفَسَیْنِ نَفَسٍ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِی الصَّیْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْھَرِیْرِ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیْ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِھَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْھَرِیْرِھَا۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور بخاری کی ایک روایت میں جو ابوسعید سے منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھے اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ ہے اور یہ فرمایا کہ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا بعض حصہ بعض کو کھائے جاتا ہے پس اللہ تعالٰے نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں۔ تو گرمی اور سردی کی شدت دوزخ کے انہی دو سانسوں کی وجہ سے ہے۔ جو یہ گرمی اور سردی میں لیتا ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ گرمی کی شدت جو تم پاتے ہو وہ دوزخ کے گرم سانس کی وجہ سے ہے۔ اور سردی کی شدت اس کے سرد سانس کی وجہ ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان فرما دی۔ کہ گرمی کی شدت دراصل دوزخ کے گرمیوں میں گرم سانس لینے کے سبب سے ہے۔ دوزخ میں دو طبقات ہیں۔ ایک گرم اور ایک سرد۔ حدیث میں ایک حصے کا دوسرے کو کھانے سے مراد یہ ہے۔ کہ دونو طبقے

Marfat.com

اس قدر شدت جوش میں تھے۔ کہ ایک طبقہ دوسرے کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی دو دفعہ سانس لینے یعنی اپنا جوش نکالنے کی اجازت دی۔ تو دوزخ ایک بار گرمی میں اور ایک بار سردی میں جوش مارتا ہے۔ جس کی وجہ سے گرمیوں میں اس کے جوش کے وقت گرمی کی شدت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں اس کے سرد سانس کی وجہ سے سردی کی شدت ہو جاتی ہے۔ چونکہ موسم کی شدت میں نماز پڑھنے سے نماز میں خشوع خضوع اچھی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے۔ کہ اصحابہ اکرام گرمی کے موسم میں ظہر اس وقت پڑھتے جب پھیلے ہوئے ٹیلوں کے سائے زمین پر پڑنے شروع ہو جاتے اور یہ وقت ظہر کا وقت اخیر ہوتا تھا۔ المختصر یہ کہ موسم گرما میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۱۱:- عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز عصر جو آخر وقت میں پڑھی جائے منافق کی نماز ہے۔ اس لئے کہ منافق انتظار کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سورج زرد ہو جاتا ہے۔ اور شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت اٹھتا ہے۔ اور چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے۔

تشریح:- اس حدیث میں نماز عصر کو حد سے زیادہ تاخیر کرنا یہاں تک کہ سورج زرد ہو جائے منافق کی علامت بتائی ہے۔ اس لئے کہ ایک تو غروب آفتاب کا وقت جیسا کہ پہلی احادیث میں گذر چکا ہے۔ کراہت کا وقت ہے۔ دوسرے وقت کی قلت کے باعث اس وقت میں نماز پڑھنے والا پورے اطمینان

Marfat.com

کیساتھ ارکان کی صحت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرے گا۔ چنانچہ حضور نے ایسی نماز کو جانور کے ٹھونگیں مارنے سے تشبیہہ دی اس لئے کہ جانور جلدی جلدی ٹھونگیں مارتا ہے۔ اور اپنا سر بھی اچھی طرح اوپر نہیں اٹھاتا اسی طرح اس وقت میں نماز پڑھنے والا سجدہ کرتے وقت پہلے سجدے کے بعد اپنا سر بھی اچھی طرح نہیں اٹھاتا اسی لئے حضور نے فرمایا کہ وہ چار ٹھونگیں مارتا ہے۔ تو اگرچہ عصر میں سجدے آٹھ ہوتے ہیں۔ مگر جلدی میں نماز پڑھنے والا دو سجدے اس طرح کرتا ہے گویا اس نے ایک ہی سجدہ کیا۔ چونکہ منافق کے دل میں عبادت کے لئے خلوص نہیں ہوتا۔ وہ محض دنیوی مقاصد کے لئے ایمان اور اسلام کا اظہار کرتا ہے۔ اور ریاکاری کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ اس لئے اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ کہ نماز کس وقت میں اور کس طرح پڑھی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی نماز میں سستی کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کم کرنے کو منافقین کی علامت بتایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ "وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا" یعنی یہ منافق جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بادلِ نخواستہ بڑی سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پڑھتے بھی ہیں تو محض ریاکاری کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ گویا اس کے اہل و عیال اور مال لوٹ لئے گئے۔

تشریح:- قرآن میں نماز عصر کی خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔ لقولہ تعالیٰ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى یعنی نماز

Marfat.com

ادا کرو خصوصاً عصر کی نماز۔ اور یہ تاکید اس لئے ہے۔ کہ یہ وقت زیادہ مصروفیت کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے خصوصی تاکید کر دی۔ کہ کہیں دنیوی امور میں حد سے زیادہ انہماک سے نماز ہی فوت نہ ہو جائے۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے فوت ہو جانے کو اہل وعیال اور مال کے لٹ جانے سے تشبیہ دی۔ جس طرح ایک انسان جس کے اہل وعیال اور مال لٹ جائیں۔ تو وہ تہی دست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضور کے ارشاد کے مطابق عصر کی نماز کو فوت کر دینے والا مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے بے حد دینی خسارہ اٹھاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۳:- عَنْ رَافِعِ ابْنِ خُدَيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- رافع بن خدیج کہتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے۔ اور نماز پڑھ کر جب ہم سے کوئی واپس ہوتا تو وہ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا۔

تشریح:- اس حدیث میں نماز مغرب کا اول وقت میں پڑھ لینے کا بیان ہے۔ اس لئے کہ اصحابی کا یہ فرمانا کہ نماز پڑھنے کے بعد ہم اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتے تھے۔ گویا نماز پڑھ لینے کے بعد اتنا اندھیرا نہیں ہوتا تھا۔ تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے۔

حدیث نمبر ۱۴:- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم فجر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ عورتیں (نماز پڑھ کر) واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی پہچان نہ سکتا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھ لینے سے یہ مراد نہیں کہ حضور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ بلکہ صبح صادق ہونے کے بعد تھوڑی سی دیر کیلئے جو اندھیرا رہتا ہے جسے غلس کہتے ہیں اس میں حضور نماز پڑھتے اور یہ معمول بھی اس وقت تک رہا جب تک عورتوں پر پردہ فرض نہ ہوا۔ جب پردہ فرض ہو گیا تو حضور نے صراحتہً فرمایا کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے دس گنا زیادہ بہتر ہو گا۔ نیز دوسری احادیث میں حضور کا نماز فجر کو اُجالے میں پڑھنے کا بیان ہے۔ تو موجودہ حدیث اور دوسری احادیث میں تطابق کی یہی صورت ہے۔ کہ پردہ کے احکام سے پہلے حضور نماز فجر غلس میں پڑھ لیتے تھے، نماز پڑھ کر مرد بیٹھے رہتے۔ عورتیں گھروں کو چلی جاتیں اور اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔ اور جب پردہ کے احکام نازل ہو گئے تو پھر عورتوں کو گھروں ہی میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ اور نماز فجر اُجالے میں پڑھی جانے لگی۔

حدیث نمبر ۱۵:۔ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَزَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَ فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ النَّبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی قُلْنَا لِاَنَسٍ کَمْ کَانَ بَیْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ قَدْرُ مَا یَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِیْنَ اٰیَةً (رواہ النسائی)

ترجمہ:۔ حضرت قتادہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت نے سحری کھائی۔ سحری کھانے کے بعد حضور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور نماز پڑھ لی۔ ہم نے انس سے پوچھا کہ سحری کھانے اور صبح کی نماز کے درمیان کتنا فرق تھا۔ انہوں نے

Marfat.com

کہا کہ صرف اتنا وقت کہ ایک آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ایک تو سحری کھانے کے آخری وقت کا بیان ہے کہ حضور نے اس وقت سحری کھائی جبکہ نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے آدمی پچاس آیات پڑھ سکتا تھا۔ تو ایسے وقت میں سحری کھانا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے یا احتیاط کے پیش نظر کہ کہیں سحری کو اتنی تاخیر نہ کر دی جائے۔ کہ صبح صادق ہو جائے اور روزہ ہی نہ ہو یا کفارہ دینا پڑے۔ ورنہ امت کے لئے صبح صادق تک سحری کھانے کی اجازت ہے جیسے قرآن مجید میں مذکور ہے "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ"

سحری کھانے کے بعد حضور نے جو نماز پڑھی یہ نوافل ہوں گے۔ نیز فجر کا جو وقت اس حدیث میں مذکور ہے یہ اول وقت ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱:۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ نَافِلَۃٌ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہو گا۔ جب تجھ پر ایسے حاکم یا امراء مسلط ہوں گے۔ جو نماز کو دیر کر کے پڑھیں گے۔ ابی ذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا آپ اس وقت کے لئے کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تو وقت پر نماز پڑھ لے اگر ان کے ساتھ نماز کو پائے تو پڑھ لے یہ تیرے لئے نفل نماز ہو جائے گی۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ایک تو حضور نے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ نماز کو دیر سے پڑھنے والے امراء یا سردار ہوں گے۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی۔ اگر ایسا اتفاق ہو جائے۔ کہ امام یا قاضی یا حاکم نماز

Marfat.com

میں ضرورت ہے۔ زیادہ تاخیر کرے تو نماز پہلے پڑھ لینی چاہیے۔ بعد میں از ترفِ فساد اس کے ساتھ بھی پڑھ لی جائے۔ بشرطیکہ یہ نماز فجر، عصر و مغرب کی نماز نہ ہو۔ اس لئے کہ فجر اور عصر کے بعد نوافل نہیں ہوں گے۔ اور مغرب کے تین فرض ہوتے ہیں اور نوافل کی تین رکعتیں نہیں ہوتیں۔ علاوہ ازیں اس میں امراء افسروں اور حکام کے لئے بھی تہدید ہے کہ وہ نمازیں سستی اور تاخیر نہ کریں۔

حدیث نمبر ۱۷:۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الْعَصْرَ

(متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ لی۔ اس نے فجر کی نماز کو پالیا اور جس نے عصر کی نماز کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی اُس نے عصر کی نماز کو پالیا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فجر اور عصر کی نمازوں کے آخر وقت کی نشان دہی فرمادی۔ کہ نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ حضور کا کرم ہے کہ اگر ان نمازوں میں ایسا اتفاق ہو جائے۔ جیسا بیان کیا گیا ہے تو نماز ادا کر لی جائے اگرچہ سورج غروب ہونے یا طلوع ہونے سے پہلے ایک ہی رکعت پڑھ سکے۔ نماز کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اگرچہ ایسے وقت میں نماز پڑھنا باعث کراہت ہوگا۔ تاہم ادا ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۱۸:۔ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ

Marfat.com

إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقْظَةِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلٰوةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو جانے سے کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ البتہ جاگنے کی حالت میں موجبِ قصور ہے پس جب تم میں سے کوئی نماز کو بھول جائے۔ یا نماز سے غافل ہو کر سو جائے تو جس وقت یاد آئے فوراً پڑھ لے جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اَقِمِ الصلوٰۃ لِذِکْرِی۔ یعنی مجھے یاد کرنے کے وقت نماز ادا کر۔

تشریح:۔ اس حدیث میں حضور نبیٔ اکرم رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے سہو و نسیان کی وجہ سے یا نیند کے سبب نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے والے کو قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ البتہ جو قصداً جاگتے ہوئے تاخیر کر دے تو وہ قابلِ مواخذہ ہے۔ اگر نیند نے اتنا غلبہ کیا ہوا ہو کہ نماز پوری صحت کے ساتھ ادا نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے سو جانا بہتر ہے۔ بشرطیکہ نماز قضا ہو جانے کا خوف نہ ہو۔ تاخیر ہو جاتے میں مضائقہ نہیں۔

باب فی فضائل الصلوٰۃ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۹:۔ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي

اَلْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ حضرت عمارہ بن رویبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص دوزخ کی آگ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ جو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے نماز پڑھنے اور غروب ہونے سے پہلے فجر اور عصر کی۔

تشریح :۔ اس حدیث میں نماز فجر اور عصر کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی اس لئے کہ نماز فجر کا وقت آرام کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت نماز کیلئے اٹھنا نفس امارہ پر بڑا گراں ہوتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں اور نماز عصر کام کاج میں زیادہ مصروفیت کا وقت ہوتا ہے۔ تو جو شخص ان دونو نمازوں کو اہتمام سے ادا کرے اس کے لئے دوسری نمازیں ادا کرنا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔ ویسے جمہور علماء کے نزدیک نمازوں کی ادائیگی صغیرہ گناہوں کو دور کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ نہ کہ کبیرہ گناہوں کی۔

حدیث نمبر ۲۰ :۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دو نمازیں ٹھنڈے وقت میں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح :۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ کہ ان دونوں نمازوں کے متعلق اکثر کی رائے یہ ہے کہ یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ سردی کے موسم میں نماز فجر کے اول وقت میں اور نماز عصر کے آخر وقت میں ان نمازوں کے باقی اوقات کی نسبت زیادہ ٹھنڈ ہوگی۔ بعض کے نزدیک ان نمازوں سے مراد فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ ویسے قول اول کی تائید پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۲۱ :۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

Marfat.com

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلٰٓئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلٰٓئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ اور یہ فجر اور عصر کی نماز کے وقت جمع ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ فرشتے واپس جاتے ہیں جو تم میں رہے تھے تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا ہے۔ اور جس وقت ہم ان کے پاس پہنچے تھے اس وقت بھی نماز پڑھتے تھے۔

تشریح:- اس حدیث میں نماز فجر اور عصر کے اوقات میں نماز کی ادائیگی و دیگر ذکر و اذکار کرنے کی تحریص مقصود ہے۔ نیز نماز فجر اور عصر کی خصوصی فضیلت بھی بیان کرنا مقصود ہے جس کی علت پہلے بیان ہو چکی ہے فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف نہیں بلکہ فرشتوں کو بتانا مقصود ہے کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کہتے تھے کہ تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنے لگا ہے جو زمین میں فتنہ و فساد برپا کرے گی۔ اور خون ریزیاں کرے گی اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ تو گویا فرشتوں سے یہ سوال عابد لوگوں کی ملائکہ پر فضیلت اور فخر کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے

حدیث نمبر ۲۲:- عَنْ جُنْدُبِ بْنِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ

Marfat.com

مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَیْءٍ فَاِنَّهٗ مَنْ یَّطْلُبُهٗ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَیْءٍ یُّدْرِکْهُ ثُمَّ یَکُبُّهٗ عَلٰی وَجْهِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جندب قسری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ خدا کے عہد و ذمہ میں ہے پس تم کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس حال میں رکھو کہ خدا تم سے اپنے عہد و ذمہ کی بازپرس نہ کرے یعنی تم سے اپنے ذمہ کا مواخذہ نہ کرے۔ کیونکہ خدا جب اپنے عہد کو کسی سے طلب کرے گا۔ تو اس کو پالے گا۔ اور منہ کے بل اس کو آگ میں ڈال دے گا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں نماز فجر کی فضیلت کا بیان ہے کہ جو شخص پابندی کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے اپنی حفاظت اور ذمہ داری میں لے لیتا ہے۔ تو جو شخص ایسے مسلمان کی جان آبرو اور اس کے مال پر دست درازی کرتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں خلل واقع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ کے عہد میں خلل واقع کرنے والے شخص کی جب گرفت ہوگی تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ ایسا شخص جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں نماز فجر کو چھوڑنے والے کے لئے وعید بھی ہے۔ کہ جو شخص نماز فجر چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے عہد اور ذمہ سے نکل جاتا ہے۔ تو اس صورت میں اس کا مال و جان و آبرو محفوظ نہیں رہتے۔

حدیث نمبر ۲۳:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَّسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا

کَوْحَبْوًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ اذان دینے میں کتنا ثواب ہے۔ اور جماعت میں پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر ہے تو وہ اسے نہ پانے کی صورت میں قرعہ ڈال کر اس کو حاصل کریں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز کو سویرے جانے کا کتنا ثواب ہے تو وہ دوڑ کر جائیں۔ اور اگر عشاء اور صبح کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے۔ تو وہ قوت نہ ہونے کی صورت میں سُرین کے بل بیٹھ کر ان نمازوں کے لئے آئیں۔

تشریح:۔ اس حدیث میں اذان، نماز میں جماعت کی صف اول میں کھڑے ہونے۔ نیز نماز فجر، ظہر اور عشاء کی فضیلت کا بیان ہے۔ جو شخص اذان دینے کے لئے مسجد میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ محض خدا رسول کی خوشنودی اور رضا کے لئے اپنی جملہ مصروفیات چھوڑ کر نماز کے وقت سے پہلے مسجد میں جائے گا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اسے اجر و ثواب زیادہ ملے گا۔ اسی طرح صف اول میں نماز پڑھنے والا امام کی قرأت کو اچھی طرح سن سکے گا۔ نیز بعد میں آنے والے نمازیوں کی نسبت وہ پہلے آئے گا۔ ذکر و اذکار زیادہ کرنے کا موقع پائے گا۔ تو اس لئے حضور نے فرمایا اذان دینے اور صفِ اول میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب اس قدر ہے کہ اس کے حصول کی خاطر صف اول میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں لوگ قرعہ ڈالیں قرعہ اسی وقت ڈالا جاتا ہے جب کسی مطلوبہ چیز کے خواہشمند زیادہ ہوں مگر حصہ تھوڑا ہو۔ تو پھر قرعہ کے ذریعے مناسب تقسیم کی جاتی ہے۔

اسی طرح نماز ظہر کی فضیلت کے سلسلے میں فرمایا کہ اگر اول وقت میں دوپہریوں میں نماز ظہر کا ثواب معلوم ہو تو لوگ دوڑ کر جائیں تاکہ اول وقت

Marfat.com

ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اسی طرح نماز عشاء اور فجر کی نمازوں کی فضیلت کے بارے میں یہ فرمایا کہ ان نمازوں کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ چلنے کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں سُرین کے بل چل کر یہ ...... نمازیں پڑھیں۔ اس حدیث میں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث نمبر ۲۴:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ صَلٰوۃٌ اَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِیْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق پر فجر اور عشاء کی نمازوں سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں۔ اگر ان کو ان نمازوں کی فضیلت معلوم ہو جائے تو سرینوں پر چل کر آئیں۔

تشریح:۔ منافق میں نماز کے لئے سستی اور کاہلی کا پایا جانا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ چونکہ نماز فجر اور عشاء کے اوقات خواب استراحت اور شدت نیند کے اوقات ہوتے ہیں۔ موسم سرما میں ان اوقات میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے حضور نے ان نمازوں کو منافق کے لئے بھاری فرمایا۔ تاکہ عام مسلمان ان نمازوں کی ادائیگی کا خصوصیت کے ساتھ زیادہ خیال رکھیں۔ اور سستی کر کے اس حدیث کے مصداق نہ بنیں۔

حدیث نمبر ۲۵:۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَمَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَکَاَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّهٗ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ :- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اُس نے گویا آدھی رات عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی اس نے گویا ساری رات عبادت کی۔

تشریح :- اس حدیث میں نماز عشاء اور نماز فجر کو جماعت کیساتھ ادا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے حدیث کے نفس مضمون کے پیش نظر نماز فجر کی فضیلت نمازِ عشاء سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لیئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جہاں پر عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے آدھی رات تک عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ وہاں نماز فجر کی جماعت کیساتھ ادائیگی سے ساری رات عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ گویا جو شخص اس بات کا متمنی ہے کہ اُسے رات بھر عبادت کرنے کا ثواب مل جائے۔ تو وہ یہ دونو نمازیں باجماعت پڑھنے کی کوشش کرے۔ ساری رات عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی صفت ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص بندے وہ ہیں جو رات سجدے اور قیام میں گذار دیتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۶ :- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَتَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْعِشَاءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لوگ تمہاری نماز مغرب کے نام پر کہیں غالب حاصل نہ

Marfat.com

کر لیں۔ راوی کا بیان ہے کہ دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کو عشاء کہتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دیہاتی لوگ تمہاری نماز عشاء کے نام پر غلبہ حاصل نہ کر لیں۔ کہ اس نماز کا نام خدا کی کتاب میں عشاء ہے۔ پس تحقیق یہ گنوار لوگ اونٹوں کا دودھ دوہنے کے سبب سے تاخیر کرتے تھے۔

تشریح :- حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایام جاہلیت کے رکھے ہوئے ہر قسم کے ناموں کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس لئے کہ ان سے جاہلیت کی بو آتی تھی۔ اسی ضمن میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کے نام بھی آتے ہیں دیہاتی لوگ مغرب کے وقت کو عشا کہتے تھا۔ اور عشاء کے وقت کو عتمہ ایام جاہلیت میں تاریکی کو عتمہ کہا جاتا تھا۔ نیز دیہاتی لوگ شفق چھپنے کے بعد اونٹنیوں کا دودھ دوہنے لگتے۔ اور عشاء کی نماز میں تاخیر کر دیتے۔ حضور نے ان کے اس فعل کو بھی ناپسند فرمایا۔ تو اسلام میں نام خواہ نمازوں کے ہوں یا اور کسی چیز کے ...... وہ پسندیدہ ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہوں۔

حدیث نمبر ۱۲۷ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَہُمْ وَقُبُوْرَہُمْ نَارًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا کہ کافروں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے باز رکھا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

تشریح :- غزوہ خندق کے دن خندق کھودنے یا دوسرے امور ضروریہ میں مصروفیت کے سبب سے نماز عصر فوت ہو گئی۔ حضور نبی

Marfat.com

کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا اس قدر قلق ہوا۔ کہ آپ نے کفار کے لئے بد دعا فرمائی۔ اس سے نمازِ عصر کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے۔ کہ دیگر غزوات میں حضور کو کفار کی طرف سے کتنی ہی اذیتوں کو برداشت کرنا پڑا۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بد دعا نہیں فرمائی۔ اس غزوہ کے موقعہ پر کفار کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہونے کے لئے بد دعا کے کلمات فرمائے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ نمازِ عصر کی فضیلت کس قدر ہے۔ جس کے فوت ہو جانے کا حضور کے دلِ اقدس کو اتنا رنج ہوا۔

بَابُ الْاَذَان

فصل اوّل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ

حدیث نمبر ۲۸: فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمٰعِيْلُ فَذَكَرْتُهٗ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ لوگوں نے نماز کا وقت معلوم کرانے کے سلسلے میں آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ پھر انہوں نے یہود اور نصاریٰ کا ذکر کیا۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو دفعہ کہیں اور تکبیر کے کلمات کو ایک ہی بار کہیں۔

اسمٰعیل نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ ایوب نے کہا تھا کہ تکبیر میں سوائے اقامت یعنی (قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ) کے کلمات کے باقی کلمات کو

Marfat.com

ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا تھا۔

تشریح:- جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اصحابہ سے مشورہ فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے لئے اکٹھا کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بعض نے مشورہ دیا کہ کسی اونچی جگہ آگ روشن کر دی جائے۔ بعض نے مشورہ دیا کہ ناقوس بجایا جائے۔ مگر یہ دونو طریقے پسند نہ کئے گئے اس لئے ان میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہوتی تھی۔ اور حضور ان مغضوب اور گمراہ قوموں کے ساتھ مشابہت ہرگز پسند نہ فرماتے تھے۔ تو اس دن بغیر کسی بات پر اتفاق کے یہ گفتگو ختم ہو گئی۔ رات کو حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نماز کے لئے اذان دے رہا ہے انہوں نے یہ خواب اور خواب میں اذان کے یہ کلمات جو انہوں نے سنے تھے۔ حضور سے عرض کئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خواب حق ہے اور انہی کلمات کے ساتھ حضرت بلال اور حضرت عبداللہ بن زید کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ آواز سن کر حضرت عمر فاروق بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ چنانچہ نماز کے لئے بلانے کا یہی طریقہ یعنے اذان کہنے میں شروع ہو گیا۔ اذان کے کلمات کو جفت ادا کرنے کے معنی یہ ہے کہ اذان میں اللہ اکبر چار بار۔ اور باقی کلمات دو دو بار۔ اور تکبیر میں سوائے آخری کلمات کے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ باقی کلمات کو صرف ایک ایک بار کہا جاتا ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے حضرت امام اعظم کے نزدیک یعنی مذہب حنفی میں تکبیر میں بھی یہ کلمات جفت ہی ادا کئے جاتے ہیں۔ البتہ حضرت امام شافعی۔ حضرت امام مالک۔ حضرت امام احمد کا عمل اسی حدیث پر ہے۔

Marfat.com

بَابُ فَضْلِ الْأَذَانِ وَإِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۹ :- عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت معاویہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ نے فرمایا کہ اذان دینے والے لوگ قیامت کے دن لمبی گردنوں والے ہوں گے۔

تشریح :- امر خیر کے لئے دعوت دینا اسلام میں نہایت مستحسن ہے خصوصاً ایسا امر خیر جو فرائض دین میں خصوصی اہمیت کا حامل ہو۔ لہذا اذان جو اقامت صلوٰۃ کے لیے بلانے کا اسلامی طریقہ ہے۔ اس کی تحریص پیدا کرنے کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مؤذنوں کی وہ رفعت شان ذکر فرمائی جو انہیں قیامت کے دن نصیب ہوگی۔ ان کی گردنیں باقی اہل محشر سے بلند ہوں گی۔ تاکہ سب لوگ ان کی امتیازی شان نیز قرب خداوندی کو ملاحظہ کرلیں۔ گویا مؤذنوں کو اللہ تعالےٰ بے حد اجر و ثواب سے نوازے گا۔ گردن لمبی ہونے کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ کہ جو شخص خوفزدہ ہو۔ یا اپنے گناہوں پر نادم اور شرمسار ہو۔ وہ اپنی گردن جھکا کر رکھتا ہے۔ وہی شخص اپنی گردن اونچی رکھ سکتا ہے جسے کسی قسم کا خوف اور حزن و ملال نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مؤذن قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے بھی محفوظ و مامون ہوں گے۔ نیز انہیں کسی قسم کا رنج اور غم

Marfat.com

نہ ہو گا۔

حدیث نمبر ۲۰ :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِیَ الصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاذِیْنَ فَاِذَا قُضِیَ النِّدَآءَ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قُضِیَ بِالتَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ یَكُنْ یَذْكُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَا یَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے۔ تو شیطان پشت دے کر بھاگتا ہے۔ اور اس طرح گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے کہ اذان کی آواز اس کے کان میں نہ پہنچے۔ جب اذان ختم ہوتی تو واپس آجاتا ہے پھر جب تکبیر کہی جاتی ہے۔ تو پھر پشت دیکر بھاگ جاتا ہے۔ اور تکبیر ختم ہونے کے بعد واپس آجاتا ہے۔ تاکہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے اور اس کو وہ چیزیں یاد دلائے جو اس کو یاد نہ تھیں۔ یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے۔ کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی۔

تشریح :- اس حدیث کا مقصود اذان کے کلمات کی شان عظمت اور اہمیت بیان کرنا ہے۔ نیز یہ کہ شیطان ملعون نماز پڑھتے وقت نمازی کے دل میں وساوس پیدا کرکے اسے حضور قلب میسر نہیں آنے دیتا۔ یہ ایک فطرتی تقاضا ہے کہ کسی بات سے نفور و بیزاری رکھنے والا اس بات کو سننا پسند نہیں کرتا۔ اور حتی الوسع کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ بات اس کے کانوں میں نہ پڑے۔ لیکن کلمات اذان میں چونکہ توحید

رسالت کا بیان، اقامت صلوٰۃ کی طرف دعوت کے کلمات ہوتے ہیں۔ ان کلمات کو سن کر مسلمان کے دل میں کفر و شرک کے خلاف بیزاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ نیز نماز جو مسلمان کے لئے فلاح دارین کی ضامن ہے اس کی ادائیگی کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر مسجد کا رُخ کرتا ہے۔ لامحالہ شیطان جس کا مشن مخلوق خدا کو گمراہ کرکے اپنے ساتھ جہنم میں لے جانا ہے۔ اذان کے کلمات کو سننا کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

لہٰذا یہ کلمات جو اذان میں پڑھے جاتے ہیں۔ یا تکبیر میں اُس پر اس قدر بھاری اور ہیبتناک ہوتے ہیں۔ کہ جونہی اذان شروع ہوئی وہ گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ختم ہونے پر واپس لوٹ آتا ہے مگر تکبیر کے کلمات سن کر دوبارہ بھاگ اٹھتا ہے۔ اذان ختم ہونے پر اس کے واپس آنے کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ نماز میں نمازی کے دل میں وساوس پیدا کرے۔ مگر تکبیر سُن کر پھر بھاگتا ہے۔ اور جونہی جماعت کھڑی ہوئی باتیں یاد دلاتا ہے۔ تاکہ وہ اچھی طرح خشوع و خضوع سے نماز نہ پڑھنے پائے۔ اور اسے نماز کا پورا پورا ثواب حاصل نہ ہو سکے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت ادھر ادھر کے خیالات پیدا ہونا لازمی امر ہے مگر خداوند کریم کی بارگاہ کی حاضری کا تصور کرکے ان شیطانی وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ تاکہ نماز پڑھنے کا صحیح مقصود حاصل ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۱:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَھِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (رواہ البخاری)

Marfat.com

ترجمہ :۔ حضرت ابی سعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن۔ انسان یا دوسری کوئی چیز جو بھی موذن کی انتہائی آواز کو سنتی ہے۔ وہ قیامت کے دن اس کی شہادت دیگی۔

تشریح :۔ اس حدیث میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی تحریص پیدا فرمائی۔ نیز یہ بھی کہ اذان دینے والا باآواز بلند اذان دے۔ تاکہ جتنی زیادہ دور اس کی آذان کی آواز پہنچے گی۔ اس کو سننے والوں انسانوں ۔جنوں و دیگر اشیاء کی تعداد اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ اور یہ سب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اذان دینے والے کے لئے گواہی دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اتنے گواہوں کی گواہی مؤذن کی گناہوں سے مغفرت کے لئے ایک مؤثر ذریعہ ہو گی۔

حدیث نمبر ۲۲ :۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ (متفق عليه)

ترجمہ :۔ عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دونو اذانوں (یعنی اذان اور تکبیر) کے درمیان نماز ہے۔ دونو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ پھر تیسری بار فرمایا کہ اس شخص کے لئے جو پڑھنا چاہے۔

تشریح :۔ دو اذانوں سے مراد اذان اور تکبیر ہے ان دونو کے درمیانی وقفہ میں جس نماز کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ وہ دراصل نفلی نماز ہے۔ تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد کے نوافل بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر نماز مغرب سے پہلے اذان اور تکبیر کے درمیان کوئی نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ حضور کا کلمات کو دہرانا تاکید کے لئے ہے۔ مگر آخر میں یہ

Marfat.com

فرمایا کہ جو شخص پڑھنا چاہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نوافل واجب نہیں۔

باب فی بیان بعض احکام الاذان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۳۳: عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ وَلٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيرُ فِي الْاُفُقِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں۔ کہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے اور نہ فجر دراز۔ البتہ جب افق پہ پھیلی ہوئی فجر نمودار ہو جائے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت بلال کی اذان کا جو ذکر ہے وہ دراصل نماز فجر کے لئے نہیں بلکہ رمضان المبارک میں یا غیر رمضان میں نماز تہجد کے لئے ہوتی تھی۔ تہجد کا وقت چونکہ صبح صادق طلوع ہونے تک رہتا ہے اس لئے حضور نے فرمایا کہ بلال کی اذان سن کر سحری کھانا بند نہ کرو اس لئے کہ سحری کھانے کا وقت طلوع فجر تک ہوتا ہے۔ نیز صبح صادق سے پہلے بھی شرقاً غرباً لمبی سی روشنی دکھائی دیتی ہے جسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس کے ظاہر ہونے سے بھی سحری کھانا بند نہیں کرنا چاہئے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے۔ کہ محض اذان کی آواز سن کر ہی سحری بند نہیں کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اذان دینے والا صبح صادق سے پہلے ہی اذان دے دے۔ نیز آخری وقت تک سحری کھانے کی اجازت ہے۔

Marfat.com

حدیث نمبر ۳۴:- عَنْ مَالِكِ بْنِ حُوَيْرِثٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَؤُمُّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے اور جو تم میں سے بڑا ہو۔ وہ تمہاری امامت کرے۔

تشریح:- اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نماز کی ادائیگی کے طریقے کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ وہ ہے جس طریقہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ادا کی۔ اسی لئے حضور نے حضرت مالک بن حویرث کو فرمادیا۔ کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔ لہذا نماز کی ادائیگی کا وہ طریقہ جو شارع اسلام صلے اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت نہ ہو مردود ہوگا۔ نیز اس حدیث سے اذان اور جماعت کی اہمیت بھی عیاں ہے۔ کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد کم از کم دو ہو تو اذان اور جماعت ہو سکتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور نے فرمایا کہ جب دو آدمی سفر میں ہوں نماز کا وقت آجائے۔ تو اذان کہہ کر جماعت کرلیں۔ مگر امامت کے فرائض دونوں میں سے وہ شخص ادا کرے جو سن میں اور علم میں بڑا ہو۔ چنانچہ اس حدیث میں امامت کی جملہ شرائط میں سے ایک شرط بھی واضح ہوگئی وہ ہے سن کا بڑا ہونا۔ امامت کی باقی شرائط کا بیان آسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۵:- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ

Marfat.com

فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ وَأْتُوْا قَارِ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (متفق علیہ)
وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمُسْلِمِ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ يَعْمِدُ اِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو تم دوڑ کر نہ آؤ۔ بلکہ طمانیت کیساتھ آؤ۔ اور جس قدر نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو۔ اور جو نہ پاؤ اس کو ادا کر لو مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ۔ کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کا ارادہ کرتا تو وہ گویا اس وقت سے نماز ہی میں ہوتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ہر کام کو اطمینان کے ساتھ کرنے کی تعلیم ہے۔ نیز ہر وہ حرکت وسکنت جو انسان کے وقار کے منافی ہو اس سے گریز کرنے کی تاکید ہے۔ جب نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے دوڑ کر جانے کی ممانعت ہے۔ اس لئے کہ یہ فعل اس صورت میں طمانیت قلبی جو نماز کا مدعا ہے حاصل نہیں ہونے دے گا۔ نیز صاحب وقار آدمی کے وقار کو کھو دے گا۔ اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تکبیر سن کر جماعت میں شمولیت کے لئے دوڑ کر جانے سے منع فرمایا۔ تو باقی امور میں جلد بازی کیسے مستحسن ہوگی۔ ہر عقل و دانش رکھنے والا انسان اس مسلمہ امر سے واقف ہے۔ کہ جلد بازی سے بالعموم کام بگڑ جاتے ہیں سنورتے نہیں۔ تو اس حدیث سے مسلمان کو یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہر کام نہایت احتیاط اور اطمینان کے ساتھ سرانجام دے تاکہ اس کا مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو۔ یہ بھی کہ مسلمان کی عزت اور اس کا وقار اللہ رسول کے نزدیک نہایت اہم ہیں۔ اس لئے اسے تعلیم دی۔ کہ وہ ہر وقت اپنے وقار

Marfat.com

کا خیال رکھے۔ اور کوئی ایسا لائحہ عمل اختیار نہ کرے۔ جس سے اس کے وقار کو ٹھیس پہنچے۔ یہ حضور کا کرم ہے کہ جو نمازی گھر سے نماز ادا کرنے کی نیت سے چل پڑتا ہے۔ اسے نماز میں شامل تصور کر لیا جاتا ہے۔ گویا نماز کے لئے اس کا جانا بھی اجر و ثواب کا باعث ہو گا۔ اس لئے اسے یہ غم نہیں کرنا چاہئیے کہ شاید مجھے پورا ثواب ملے یا نہ ملے۔ نیز حضور نے یہ بھی فرما دیا۔ کہ جماعت میں نماز کا جتنا حصہ مل جائے۔ وہ پڑھ لیا جائے جو رہ جائے وہ پھر ادا کر لیا جائے اگرچہ بعض علماء نے تکبیر اولیٰ حاصل کرنے کے لئے جلدی چلنے یا دوڑنے کی اجازت دی ہے مگر قول راجح وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوۃ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۴۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْہِ کُلِّہَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰی خَرَجَ مِنْہُ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْکَعْبَۃِ وَقَالَ ھٰذِہٖ الْقِبْلَۃُ (رواہ البخاری ورواہ مسلم عنہ عن اسامۃ بن زید)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے تمام گوشوں میں اپنے دعا کی۔ لیکن نماز نہیں پڑھی۔ پھر باہر آکر کعبہ کے سامنے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مذکور واقعہ فتح مکہ کا ہے فریضہ

Marfat.com

صلوٰۃ کی شرائط میں ایک شرط قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہے۔ مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے جانے سے پیشتر حضور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تحویل قبلہ کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا یعنی بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ قبلہ بن گیا۔ اس موقعہ پر حضور کا خانہ کعبہ میں داخل ہو کر دعائیں کرنا اور باہر آکر یہ فرمانا کہ یہ قبلہ ہے۔ تحویل قبلہ کی توثیق کے لیے تاکہ سب مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ کہ واقعتہً قبلہ کعبہ ہی ہے۔ بیت المقدس نہیں۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دیگر روایات سے ثابت ہے۔ کہ حضور نے کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھی، ویسے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا چاہیے۔ امام مالک و امام احمد کے نزدیک کسی قسم کی نماز اندرون کعبہ جائز نہیں۔ مگر جمہور کا اس سے اختلاف ہے۔

حدیث نمبر ۲۷:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَالْمَسْجِدِیْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی طرف کجاووں کو نہ باندھو ایک مسجد حرام۔ دوسری مسجد اقصیٰ۔ تیسری میری یہ مسجد۔

تشریح:- اس حدیث کے نفس مضمون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیائے عالم کی مساجد میں متبرک ترین حدیث میں مذکور تینوں مسجدیں ہیں۔ مسجد حرام یعنی کعبۃ اللہ جس کا باعث برکت ہونا ایک مسلمہ امر ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

تک اکثر انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ رہا۔ دوسری مسجد اقصیٰ جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء کا قبلہ یہی مسجد اقصیٰ رہی۔ تحویل کعبہ کے حکم سے پہلے یہی حضور کا قبلہ رہا مسجد نبوی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنے دست مبارک سے بنا کردہ مسجد ہے۔ جس کی عظمت اور برکت مسلمہ ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کہ ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی طرف سفر کرنا ہی ناجائز ہے تحصیل علم، تجارت دیگر مقامات متبرکہ مثلاً مزارات صلحا کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے مقصد یہ ہے۔ کہ اگر محض حصول برکت کے لیے کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ہو۔ تو ان مذکورہ مساجد کے سوا اور کسی مسجد کا قصد نہ کیا جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کی یہی توجیح فرمائی ہے جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۲۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث کی توضیح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک تو یہ ہے۔ کہ حضور کی قبر انور (بعض روایات میں بیت کی جگہ قبری ہے۔) اور منبر کی درمیانی جگہ ایسی بابرکت ہے۔ کہ اس جگہ جو شخص ذکر و اذکار و عبادت کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور نے اس جگہ کو روضہ فرمایا یہ یہاں ملائکہ جن و انس سب حاضر ہو کر ذکر کرتے ہیں۔ اور ذکر کرنے کی جگہ کو ایک اور حدیث میں

Marfat.com

ریاض جنت فرمایا گیا۔ مگر یہ دونوں اقوال معتبر نہیں۔ امام مالک نیز مشہور شارحین حدیث جن میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ نے حدیث کے الفاظ کو ظاہر پر ہی محمول کیا ہے۔ اور جو کچھ حضور نے فرمایا حقیقت ہے۔ کہ حدیث میں مذکور جگہ واقعۃً جنت ہی کا حصہ ہے قیامت کے دن اس جگہ کو فنا نہیں ہوگی۔ چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اقدس فنا نہیں ہوگا۔ اسے ملائکہ جنت میں اٹھا لے جائیں گے۔ اسی طرح حضور کا منبر کے متعلق فرمانا کہ میرے حوض پر ہے۔ تو یہ بھی حقیقت ہے اس لئے کہ بعض احادیث میں حوض کوثر کے کنارے پر حضور کے منبر مبارک کا ایستادہ ہونا مذکور ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن حضور کی منبر کی جگہ کو بھی فنا ہونے سے محفوظ رکھے اور اسی کے پاس حوض کوثر ہو۔

حدیث نمبر ۲۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام آبادیوں یا جگہوں میں اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین جگہ مساجد ہیں اور بدترین مقامات بازار ہیں۔

تشریح: اس میں شک نہیں کہ مسجدیں تمام مقامات سے افضل اور بہتر ہیں اس لئے کہ ان میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تک مسلمان مسجد میں رہے شیطانی وساوس سے بہت حد تک محفوظ رہتا ہے۔ اس کا پاکیزہ ماحول گناہوں کی طرف رغبت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اِدھر اُدھر کی فضول گوئی سننے یا کہنے سے باز رہتا ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو مسجدیں دیگر مقامات سے زیادہ پسند ہیں۔ اس کے برعکس بازاروں میں

Marfat.com

انسان دنیوی امور میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اکثر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ نیز ان میں ہر قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔ بازار کے ماحول کا تقاضا ہے کہ انسان کی توجہ زیادہ تر معصیات کی طرف ہو جاتی ہے۔ ہر قسم بیان کی خرافات کے پائے جاتے سے شیطان کیلئے انسان کو بہکانے کے مواقع زیادہ میسر آتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بازاروں کو پسند نہیں فرمایا۔ حدیث کا مقصد یہ ہے۔ کہ حتی الوسع زیادہ سے زیادہ وقت مسجد میں گذارا جائے۔ تاکہ شیطان کے گمراہ کن ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکے۔ ویسے اگر بغرض تجارت یا کاروبار مجبوراً بازار میں اپنی دکانوں پر رہنا پڑے تو اس میں ہرج نہیں بشرطیکہ منہیات سے بچے رہیں۔

حدیث نمبر ۹۸:۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُ ھُمْ فَاَبْعَدُ ھُمْ مَمْشًی وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں۔ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا گھر سب سے دور ہو اسے بہ سبب مسافت کے سب سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص نماز کا انتظار کرے اور پھر امام کے ساتھ نماز پڑھ کر جائے اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو تنہا نماز پڑھ کر سو رہے۔

تشریح:۔ چونکہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے بے شمار معاشرتی و سماجی فوائد ہیں اس لئے گھر پہ نماز پڑھنے کی نسبت مسجد میں اور تنہا نماز پڑھنے کی نسبت جماعت سے نماز ادا کرنے کا زیادہ اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں جماعت کے ساتھ

Marfat.com

نماز پڑھنے کی اہمیت واضح فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے۔ کہ جب اصحابہ کو پتہ چلا کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا کس قدر زیادہ اجر ملتا ہے۔ تو جن اصحابہ کے گھر مسجد نبوی سے دور تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر مسجد کے قریب بنا لیں۔ مگر یہ بات چونکہ ان کے لئے باعث تکلیف تھی۔ اس لئے حضور نے انہیں اطمینان دلایا اور فرمایا کہ جو شخص جس قدر زیادہ مسافت طے کر کے مسجد میں آئے گا۔ اُسے اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ جو شخص مسجد میں آ کر تنہا نماز پڑھ کر چلا جائے اور جا کر سو جائے اس سے زیادہ اجر اس شخص کو ملے گا۔ جو نماز کا انتظار کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھے اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکنے کی صورت میں مسجد میں آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ مسجدیں تو دراصل مذہبی مراکز ہیں۔ جن سے امت مسلمہ کے اندر یک جہتی۔ اتحاد اور اتفاق کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور باجماعت نماز ادا کرنے کی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ اس لئے حضور نے اس کی اہمیت واضح فرمائی۔

حدیث نمبر ۸۱: عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحَى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے تشریف لائے تو چاشت کے وقت آئے۔ اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اور دو رکعت نماز ادا کرتے پھر مسجد میں کچھ دیر بیٹھ جاتے۔

تشریح: اس حدیث سے بھی مسجد کی اہمیت عیاں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد سے اس قدر محبت تھی۔ کہ سفر سے

Marfat.com

واپسی پہ بجائے دولتکدہ پر تشریف لے جانے کے لئے مسجد میں جاتے۔ اس میں ہمارے لئے تعلیم ہے۔ کہ بسفر سے گھر لوٹیں تو حتی الوسع دن کے وقت آئیں۔ تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص سفر سے واپس آگیا ہے نیز گھر میں بھی اطلاع ہو جائے گی۔ مسجد میں ٹھہرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ گھر والے کھانے وغیرہ کا انتظام کر لیں گے۔ یا اس کے مزاج کے موافق دیگر ضروری امور سرانجام دے لیں گے۔ سفر کے متعلق بعض روایات میں حضور نے باقاعدہ تعلیم دی کہ سفر سے جب واپس لوٹو تو گھر جانے سے پہلے اپنے آنے کی خبر بھیج دو۔ اس کے فائدہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ مسجد میں آکر سفر سے سلامتی کیساتھ واپس آنے کے شکرانے کے دو نوافل جن کی تعلیم اس حدیث میں ہے پڑھ لئے جائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے بھی مسجد میں تشریف لائے تاکہ لوگ حضور کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ سیدھے گھر جانے کی صورت میں یہ سعادت نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ تو مسافر کے لئے ایسا کرنا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ امر استحباب ہے اگر سیدھا گھر بھی چلا جائے تو حرج نہیں۔ مگر بہتری اسی میں ہے۔ جو بیان ہو چکا ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص یہ سُنے کہ کوئی آدمی اپنی گمشدہ چیز مسجد میں ڈھونڈ رہا ہے۔ تو اُسے چاہیئے۔ کہ یہ کہے کہ خدا اس کی چیز کو واپس نہ لوٹائے اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

تشریح:۔ اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ مسجد

Marfat.com

نہانے کا مقصد تو یہ ہے۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ لِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ یعنی مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔ مسجد میں مقصود بالذات عبادت الٰہیہ ہے۔ اب جو شخص کوئی چیز گم کر کے مسجد کے اندر چیختا چلاتا پھرے تو گویا وہ مسجد میں حاضرین کا حاضر ہونے کا مقصد ضائع کر دے گا۔ وہ اللہ رسول کا ذکر چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اسی لئے حضور نے مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے سے سختی سے منع فرمادیا۔ نیز مسجدوں کے اندر باتیں کرنا قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت قرار دی۔ مسجد میں سوال کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں حدیث گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۴: عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ الْمُنْتِنَۃِ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ الْاِنْسُ ۔ متفق علیہ

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بدبودار درخت میں سے کچھ کھائے۔ وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے اس لئے کہ فرشتے اس چیز سے ایذا پاتے ہیں۔ جس سے انسان ایذا پاتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث آداب مسجد کی تعلیم کے سلسلے میں ہے کہ مسجد میں بودار چیز کھا کر نہیں جانا چاہیئے۔ مثلاً کچا پیاز لہسن۔ مولی وغیرہ۔ اس لئے کہ ان کی بو سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف محسوس ہوگی نیز مسجد میں ملائکہ بھی آتے ہیں۔ اُن کو بھی ان چیزوں کی بو ناگوار ہوگی۔ بُو سے ہر شخص کو نفرت ہوتی ہے۔ اسلام تو ایک دوسرے کیساتھ محبت موانست والفت کرنا سکھاتا ہے۔ اس لئے ہر وہ فعل جس سے محبت کی بجائے

نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اس کی مذمت کرتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دین اسلام کس قدر پاکیزہ دین ہے۔ جو مسلمان کو اس قدر صاف ستھرا رہنا سکھاتا ہے۔ کہ کسی قسم کی بو بھی اس کے پاس نہ آنے پائے جب مُنہ سے آنے والی بُو کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے تو گندے کپڑے یا بدن سے آنے والی بو کو کیونکر برداشت کیا جائے گا۔ اسی لئے ایک حدیث میں حضور نے فرمایا اللّٰہُ طَیِّبٌ وَلَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔ یعنی اللہ تعالےٰ خود پاک ہے۔ اور صاف ستھروں کو پسند فرماتا ہے۔ نیز قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۴:۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِہِمْ مَسَاجِدَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جس سے حضور جانبر نہ ہو سکے۔ ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

تشریح:۔ یہود و نصاریٰ چونکہ اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا کر شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس لئے حضور نے اپنی آخری علالت کے دنوں میں اس بات کا ذکر فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل اسلام میں بھی یہ قباحت پیدا ہو جائے چنانچہ حضور نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی تا کہ معلوم ہو جائے کہ حضور کو یہ فعل کس قدر ناپسند ہے۔ قبر خواہ کسی کی ہو اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا منع ہے۔ اگر ایسا کرنے والا صاحب قبر ہی کو

معاذاللہ معبود سمجھ لے تو مشرک ہو جائے گا۔ اور اگر ویسے تعظیم کے لئے ایسا کرے گا تو بھی فعل حرام کا مرتکب ہو گا۔

قبر تو در کنار حضور نے اپنی ذات کو سجدہ کرانا پسند نہیں فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اگر میں خداوند کریم کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا روا سمجھتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔

حدیث نمبر ۴۵:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں میں بھی نمازوں میں سے کچھ پڑھا کرو۔ اور گھروں کو قبریں نہ بنادو۔

تشریح:۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس طرح قبروں میں نماز پڑھنے کی کلی ممانعت ہے اسی طرح گھروں کو قبروں پر محمول نہ کرو۔ تاکہ گھر میں نماز کا کچھ حصہ پڑھنے سے اہل خانہ بچے عورتیں وغیرہ بھی متاثر ہوں اور ماحول کا نفسیاتی اثر لے کر پابند صلوٰۃ بن جائیں۔ نیز گھر میں اللہ رسول کا ذکر خیر و برکت کا موجب ہو گا۔ اس لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ فرائض کے علاوہ سنتیں اور نوافل گھر پر پڑھنے چاہئیں۔ گھر پر نوافل پڑھنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے۔ کہ نفلی عبادت اعلانیہ طور پر کرنا محمود و مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ اس میں کچھ نہ کچھ ریاکاری کا عنصر مل جاتا ہے۔ گھر پہ نوافل ادا کرنے سے بہت حد تک ریاکاری سے چھٹکارا مل جائے گا۔

Marfat.com

بَابُ السَّتْرِ

فصل اوّل

حدیث ۴۶۲ :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقَیْهِ مِنْهُ شَیْءٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمۃ :- حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے کے ساتھ نماز نہ پڑھے جب تک کہ اس کے کپڑے کا ایک حصہ مونڈھوں پر نہ ہو۔

تشریح :- اس حدیث کا مقصد نماز میں ستر عورت کی تعلیم دینا ہے۔ نماز ایسے لباس سے پڑھی جائے جس سے مناسب طریقے سے جسم کے وہ حصے چھپ جائیں جن کا چھپانا نماز میں واجب ہے۔ نماز میں مونڈھوں کے بھی ڈھانکنے کا بھی حکم ہے۔ کہ مونڈھوں کو بغیر ڈھانکے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں حاضری دینا خلاف ادب ہے۔ اس لئے شارع اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نماز پڑھنے سے منع فرمادیا جس سے مونڈھے ننگے رہ جائیں۔ تو اگرچہ نماز پڑھنے والے کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اس سے حتی الوسع ستر عورت کرسکے تو اس ایک کپڑے سے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز ایک کپڑے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے جسم کا مناسب طریقے سے پردہ ہو سکے۔

حدیث ۴۶۳ :- عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَیْتِهَا

فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صلے اللہ علیہ وسلم اَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلٰوتِيْ

(رواہ البخاری)

ترجمہ :- حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ نے مکان کے ایک گوشہ میں ایک پردہ ڈال رکھا تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس پردہ کو ہمارے سامنے سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں۔

تشریح :- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے کی ایک دیوار پر ایک رنگدار منقش پردہ لٹکایا ہوا تھا جس کا مقصد دیوار کی ستر پوشی تھا۔ مگر چونکہ اس کے نقش و نگار نماز کو خشوع و خضوع کیساتھ ادا کرنے میں حائل ہوتے تھے اس لئے حضور نے اس پردے کو ہٹا دینے کا حکم فرمایا۔ تو گویا ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں نماز میں حضور قلب میسر آنے کی بجائے خیالات منتشر رہیں منع ہے۔ اسی لئے فقہا نے ایسے کپڑے پہن کر جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں یا ایسی جگہ میں نماز پڑھنا جہاں تصویر ہوں مکروہ تحریمہ قرار دیا ہے یعنی ایسا کرنا اسلام میں بہت زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

بَابُ السُّتْرَةِ

فصلِ اوّل

عَنْ أَبِي جُهَيْمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ

حدیث ۱۹ :- صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ

اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ سَنَةً ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابی جہیم کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو وہ نمازی کے گذرنے سے چالیس ... تک ٹھہرا رہنا اور نہ گزرنا بہتر خیال کرے۔ ابو نضر کا بیان ہے۔ چالیس سے کیا مراد ہے یہ مجھے یاد نہیں رہا۔ چالیس دن مراد ہیں یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔

تشریح :- ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض معروض کر رہا ہوتا ہے۔ نماز کی قبولیت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں حضور قلب کے ساتھ خشوع و خضوع پایا جائے تو نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والا شخص نمازی کی توجہ نماز سے ہٹا کر اپنی طرف کرے گا۔ اور اس طرح اس کے خشوع و خضوع میں حائل ہو جائے گا۔ ہر وہ بات جو نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل انداز ہو منع ہے حتیٰ کہ قرآن پاک بآواز بلند تلاوت کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ یہ تعلیم اسی لئے ہے۔ کہ نمازی طمانیت قلبی کیساتھ اچھی طرح نماز پڑھ سکے۔ چنانچہ اس حدیث میں حضور نے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے لئے سخت وعید فرمائی۔ تاکہ کوئی شخص اس غلطی کا مرتکب نہ ہو۔ چالیس کا عدد مبالغہ کے لئے استعمال فرمایا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فعل کسی قدر قبیح اور مذموم ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں۔ کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ دوسرے شخص کی ہر وہ حرکت جو نماز پڑھنے والے کی نماز میں خارج ہو اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۹ :- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُہٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ

Marfat.com

بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْ فَعْہُ فَاِنْ اَبیٰ فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو سامنے کھڑا کرکے یعنی سترہ کھڑا کرکے نماز پڑھے اور اس سے اس کا منشا یہ ہو کہ سترہ اس کے اور گذرنے والے کے درمیان ہے پھر ایسی حالت میں جو شخص سترہ کی پرواہ نہ کرے اور نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہے تو نمازی کو چاہیے کہ وہ اس کو اس سے روکے۔ اور اگر وہ نہ رکے یا نہ مانے تو اس سے لڑے۔ اس لئے کہ وہ ایسی صورت میں شیطان ہے۔

تشریح:- مسجد کے علاوہ اور کسی کھلی جگہ پر نماز پڑھتے وقت نمازی کو اپنے سامنے کوئی چیز لکڑی ہو یا اور کوئی شے رکھ لینی چاہیے۔ اصطلاح شرع میں ایسی چیز کو سترہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی باہر نماز پڑھتے تو اپنے سامنے نیزہ بجاوے کی کوئی لکڑی یا اور کوئی چیز رکھ لیتے۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ نمازی کے سامنے سے گذرنے والا یا تو گذرنے سے احتراز کرے گا۔ اور اگر گذرے گا۔ تو احتیاط کے ساتھ گزریگا تاکہ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہو۔ ویسے نمازی کے آگے سترہ ہونے کی صورت میں آگے سے گذرنے کی اجازت ہے۔ مگر سترہ اور نمازی کے درمیان سے نہیں اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے حضور نے سخت تہدید فرمائی جو باوجود سترہ دیکھنے کے پھر بھی نمازی کے آگے سے گذرنے سے نہ رکے گویا اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ قصداً نماز میں خلل ڈالے تو اس صورت میں حضور نے ایسے شخص کو شیطان سے تشبیہ دی ایسلئے کہ نمازی کو سکون اور اطمینان کے ساتھ نماز نہ پڑھنے دینا شیطان ہی کا فعل

ہے۔ جیساکہ حدیث میں گذر چکا ہے۔ کہ شیطان نمازی کے دل میں وساوس ڈال کر اُسے نماز میں بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ایسے شخص کے ساتھ اگر وہ باز نہ آئے لڑنے کی اجازت ہے۔

حدیث نمبر ۵۰: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ تَقْطَعُ الصَّلوٰۃَ الْمَرْاَۃُ وَالْحِمَارُ وَالْکَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِکَ مِثْلُ مُؤْخِرَۃِ الرَّحْلِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نمازی کے سامنے سے عورت۔ گدھے اور کُتے کا گزرنا نماز توڑ دیتا ہے۔ اور لکڑی کا کھڑا کرنا جس طرح کہ کجاوہ کی لکڑی ہوتی ہے۔ روک دیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی نماز پڑھتے وقت سامنے سترہ کے لئے کوئی لکڑی وغیرہ رکھنے کی تعلیم ہے۔ حضور نے عورت، گدھے اور کُتے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ یہ تینوں چیزیں نماز میں نسبتاً زیادہ مخل ہوتی ہیں۔ عورت کا سامنے سے گذرنے سے اس کی طرف توجہ ہو جاتا۔ ایک فطرتی امر ہے۔ بقولہٖ تعالیٰ "زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ" گدھے کی آواز اس قدر مکروہ ہوتی ہے۔ کہ وہ خواہ مخواہ نماز میں خلل انداز ہوگی۔ نیز حدیث میں ہے۔ کہ اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ جب اس کی آواز سنو تو اَعُوْذُ پڑھو۔ اور کُتا ویسے ہی نجس جانور ہے۔ اور پھر ہر وقت بھونکتے رہنا اس کی فطرت ہے۔

اگرچہ جمہور علماء محدثین کے نزدیک، نمازی کے سامنے سے ان چیزوں کے گذرنے سے نماز باطل تو نہیں ہوگی۔ تاہم مبالغہ وتاکید کے لئے حضور

نے ان کا ذکر فرمایا۔ نماز پڑھتے وقت اور سامنے سترہ رکھنے کا یہ فائدہ بھی بیان فرما دیا۔ کہ یہ تینوں چیزیں جو دوسری چیزوں کی نسبت نماز کو زیادہ خراب کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ سترہ ان کیلئے رکاوٹ بن جائے گا۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

فصل اول

حدیث نمبر ۱۵۱:- عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین نماز وہ ہے۔ جس میں طویل قیام ہو۔

تشریح:- نماز میں طویل قیام سے مشقت زیادہ ہوتی ہے اور یہ نفس امارہ پر گراں گزرتی ہے۔ اس لیے ایسی نماز زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک اس حدیث کی تائید کرتا ہے۔ کہ حضور نماز میں اسقدر قیام فرماتے کہ حضور کے پاؤں اقدس متورم ہو جاتے۔ نیز نماز میں قیام کو طول دینا اس لئے بھی مستحسن ہے کہ طویل قیام میں زیادہ قرآن پاک کو پڑھنا میسر آئے گا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و امام اعظم رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے نماز میں اتنا طویل قیام کیا کہ ایک ایک رکعت میں مکمل قرآن پاک ختم کیا۔ مگر اس میں

Marfat.com

ذوق وشوق شرط ہے۔ ویسے بھی طویل قیام سے انسان جفاکش بن جاتا ہے سہل انگاری بہت حد تک ختم ہو جاتی ہے۔ تو ایسا نمازی باقی امور زندگی میں بھی مشقت اٹھانے سے نہیں گھبراتا۔ اور مشقت سے جی نہ چرانا ایک بڑا اچھا وصف ہے۔

بَابُ الْقِرَأَةِ فِي الصَّلٰوةِ

فصل اوّل

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ

حدیث نمبر ۱۵۷: رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو الحمد اور الحمد کے بعد کچھ اور نہ پڑھے۔

تشریح: نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ بشرطیکہ نماز ادا کرنے والا منفرد ہو۔ اگر جماعت کے ساتھ امام کی اقتدا میں نماز پڑھے تو واجب نہیں۔ اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت کی قائم مقام ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوگی نیز ایک حدیث میں ہے کہ جس نے جماعت کے ساتھ رکوع پا لیا اس سے

پوری رکعت مل گئی۔ تو اس صورت میں جماعت کیساتھ ملنے والا شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکے گا۔ اور بہر قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے کہ جب قرآن پاک پڑھا جائے خاموش ہو کر سنو ارشاد خداوندی ہے۔ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ " یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ البتہ امام شافعی و امام احمد کے مذہب میں اسی حدیث کے مطابق نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ان کے نزدیک بغیر اس کے نماز کامل نہیں ہوتی۔ مذہب حنفی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ فاتحہ کا پڑھنا صرف اس وقت واجب ہے۔ جب آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔ امام کے پیچھے واجب نہیں۔ نماز میں فاتحہ کا وجوب اس کی عظمت شان ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا منشا و مقصود اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا عبودیت کا اظہار۔ صراط مستقیم پر چلنے کے لیے دعا اور گمراہ بے دینوں سے کا اظہار۔ یہی دین اسلام کا نچوڑ اور لب لباب ہے۔ لہذا نمازی نماز پڑھتے وقت جب بار بار۔ اس سورہ کو پڑھے گا۔ تو اس کے دل میں اسلام کی یہ بنیادی باتیں پوری طرح راسخ ہو جائیں گی۔ اور وہ صحیح معنی میں مسلمان بن جائے گا۔ سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں لفظ فصاعدا سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۳۵:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی۔ اس کے پچھلے گناہ معاف کئے جائیں گے۔

Marfat.com

تشریح: آمین کو پست آواز سے کہنے یا بلند آواز سے کہنے میں بھی فضیلت کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے مذہب میں آمین بلند آواز سے کہنے کی تعلیم ہے جب کہ مذہب حنفی میں پست آواز سے مذہب شافعی کی دلیل اسی حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں۔ حنفی مذہب کی دلیل یہ ہے کہ گناہوں کی مغفرت کا وعدہ اس شخص سے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو۔ چونکہ فرشتوں کے آمین کہنے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس لئے موافقت اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب آمین کہنے والا پست آواز سے آمین کہے۔ علاوہ ازیں جامع ترمذی میں شعبہ سے مروی ایک حدیث ہے جس میں صراحت سے یہ الفاظ موجود ہیں۔

"فَقَالَ اٰمِیْن وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ" یعنی حضورؐ نے آمین کہی اور اس میں آواز پست کی۔ نیز سورہ فاتحہ کے بعد امام قرأت شروع کر دیتا ہے، تو بلند آواز سے آمین کہنا امام کی قرأت میں خارج ہو گا۔ اور قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننے کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

بَابُ الرُّکُوْع

فصل اول

حدیث نمبر ۱۵: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِيْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور سجود اچھی طرح کرو۔ اللہ کی قسم میں تم کو پیچھے

Marfat.com

سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح:۔ رکوع اور سجدہ چونکہ نماز کے اہم ترین ارکان ہیں اسلئے کہ ان میں نمازی انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ اپنے پروردگار کی تسبیح و تہلیل بیان کرتا ہے لہذا حضور نے ان ارکان کو خصوصیت کیساتھ اچھی طرح ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ نماز میں نقص واقعہ نہ ہو۔ اور پورا پورا اجر و ثواب ملے ۔ اس حدیث میں حضور کا یہ فرمانا کہ میں تمہیں پیچھے سے دیکھتا ہوں اس کے متعلق شارحین حدیث مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعتہ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو حضور کے سامنے اس طرح رکھا ہے۔ کہ حضور کے لئے غیبت اور شہود یکساں ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ حضور کے لئے اللہ تعالیٰ شش جہات کو ایک ہی جہت یعنی سامنے بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح ایک دوسری حدیث میں ملتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں)۔ لَا يَخْفَىٰ عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا سُجُودُكُمْ إِنِّي أَرَىٰ خَلْفِي كَمَا أَرَىٰ بَيْنَ يَدَيَّ ۔ یعنی مجھ پر تمہارے رکوع اور سجود مخفی نہیں ہیں۔ میں اپنے پیچھے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے۔ تو حضور کا یہ کمال خرق عادت اور معجزات کی قبیل سے ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حدیث نمبر ۵۵:۔ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّىٰ نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّىٰ نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے پھر کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوتا کہ آپ نے شاید وہ رکعت چھوڑ دی پھر آپ سجدہ میں جاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے اس قدر کہ ہم کو پھر یہی خیال آتا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں بھی نماز کو تعدیل کیساتھ ادا کرنے کی

Marfat.com

تعلیم ہے۔ مسنون بھی یہی ہے۔ کہ رکوع کے بعد جب کھڑے ہوں تو سیدھے ہو کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ ممکن ہے کہ حضور، تسبیح و تحمید کے اور بھی کلمات ادا فرماتے ہوں چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے جو حضرت رفاعہ بن رافع سے مروی ہے۔ کہ ایک صحابی نے کثیراً طیبًا مبارکًا کے کلمات بڑھائے تو حضور نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو ان کلمات کا ثواب لکھنے میں جلدی کرتے ہوئے دیکھا مقصد یہی ہے کہ نماز نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز میں حد سے زیادہ جلدی نفاق کی علامت ہے۔ جیسا کہ باب المواقیت میں حدیث گذر چکی ہے۔ حضور نے جلدی جلدی نماز پڑھنے والے کی نماز کو جانور کی ٹھونگیں مارنے سے تشبیہ دی۔

ایک اور روایت میں ہے۔ ایک صحابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی جب وہ پڑھ چکے تو حضور نے بلا کر فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ صحت ارکان کیساتھ نماز پڑھو۔ نیز نماز جلدی ادا کرنے سے خشوع و خضوع بھی کم ہی حاصل ہوتا ہے۔ جس کے بغیر نماز کا پورا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

بَابُ السُّجُوْدِ وَفَضْلِهٖ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۵۶:- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ پیشانی پر۔ دونو ہاتھوں پر۔ پاؤں کے پنجوں پر اور یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ نماز میں ہم نہ تو کپڑوں کو اکٹھا کریں۔ اور نہ بالوں کو سنواریں۔

تشریح :- اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کرنے کے طریقہ کی تعلیم فرماتے ہیں۔ سجدہ کی حالت میں ان سات اعضاء کا زمین پر لگنا واجب ہے۔ ۱۔ پیشانی اس میں ناک بھی شامل ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ و اکثر اماموں کا یہی مذہب ہے۔ کہ ان دونو کے زمین پر لگنے کے بغیر سجدہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو اور ناک زمین پر نہ رکھ سکے تو فقط پیشانی پر سجدہ ہو سکتا ہے۔ بغیر عذر کے فقط پیشانی سے سجدہ کرنے میں کراہیت لازم آئے گی۔ امام شافعی نیز صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔

۲۔ دونو ہاتھ (ہتھیلے) اس طرح کہ انگلیاں قبلہ رو ہوں۔ اور کہنیاں وبازو زمین سے اُٹھے ہوئے ہوں نہ زمین پر بچھے ہوئے اور نہ پیٹ کے ساتھ چمٹے ہوئے۔ حضور نے ان دونوں طرح سے سجدہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ دوسری روایات میں ہے کہ حضور جب سجدہ فرماتے تو آپ کے پیٹ مبارک اور ہاتھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا کہ بکری کا بچہ آسانی سے گذر سکتا۔ بازو زمین پر بچھا کر سجدہ کرنے کو حضور نے کتے کے بیٹھنے سے تشبیہہ دی ہے۔ البتہ عورتوں کے لئے سجدہ کی حالت میں بازوؤں کو پیٹ کے ساتھ ملائے رکھنے کی تعلیم ہے۔ تاکہ پردہ ہو سکے۔

۳۔ دونو گھٹنے (۵-۶) - ۴۔ دونو پاؤں (۷-۶) اس طرح کہ انگلیاں قبلہ کی سمت میں ہوں۔

سجدہ کی حالت میں پاؤں اوپر اٹھا لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے کہ ایسا کرنا سجدہ کی صحیح حالت کو جو حضور نے بیان فرمائی بدل دیتا ہے۔ پاؤں

Marfat.com

کی سب انگلیوں میں سے ہر پاؤں کم از کم ایک ایک انگلی کا زمین پر لگنا فرض ہے۔ اس سے زیادہ سنت۔ علاوہ ازیں ان انگلیوں کے صرف سرے ہی زمین پر نہ لگے ہوں بلکہ ان کا درمیانی حصہ بھی جسے انگلیوں کا پیٹ کہتے ہیں۔

نماز پڑھتے وقت سجدہ میں جاتے ہوئے سامنے سے کنکریاں دور کرنا یا کپڑے سمیٹنا تاکہ گرد آلود نہ ہو جائیں۔ یا بالوں کو سنوارنا سب ممنوع افعال ہیں۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں حضور کا ارشاد ہے " اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ " نماز سکون کے ساتھ پڑھو۔ وہ حرکات جو نماز میں ضروری ہیں۔ ان کے علاوہ ہر قسم کی حرکت مذموم ہے۔

حدیث نمبر ۵۷:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَأَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطٰنُ يَبْكِيْ يَقُوْلُ يَا وَيْلَتٰى اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت پڑھتا ہے۔ اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا دور چلا جاتا ہے۔ اور کہتا ہے افسوس ہے آدم کے بیٹے کو سجدہ کا حکم دیا گیا۔ اس نے سجدہ کیا اور اس کے لئے جنت ہے اور مجھ کو سجدہ کا حکم دیا گیا۔ تو میں نے انکار کیا۔ اور میرے لئے دوزخ ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث کا تعلق دراصل سجدۂ تلاوت سے ہے قرآن پاک میں تقریباً ۱۴ آیات الٰہیہ ہیں کہ جن کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ مزید برآں سجدہ کی حالت چونکہ انتہائی عاجزی کی حالت ہوتی ہے اس لیے خداوند کریم کی بارگاہ میں سجدہ کی فضیلت مسلمہ ہے۔ موجودہ حدیث کا نفس مضمون سجدہ کی فضیلت ہی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس وقت سجدۂ

Marfat.com

کی آیت پڑھ کر کوئی مسلمان سجدہ کرتا ہے۔ تو شیطان ملعون حسرت و یاس سے اپنا سر پیٹتا ہے۔ اور روتا ہے۔ کہ وہ سجدہ کرنے سے انکار کرنے پر جہنم کا مستحق بنا اور ابن آدم اس سجدہ ہی کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گا۔ اور اس طرح سے اس کی بنی آدم کو بہکا کر اپنے ساتھ جہنم میں لے جانے کی تمام امنگوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ گویا مسلمان کا سجدہ کرنا شیطان ملعون پر اس قدر گراں ہے۔

حدیث نمبر ۵۸:- عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ربیعہ بن کعب کہتے ہیں کہ میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اور آپ کو وضو کا پانی و دیگر ضروریات مہیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا جو مانگنا چاہتا ہے۔ مانگ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جنت میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کے سوا اور بھی کچھ چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ بس یہی۔ آپ نے فرمایا تو زیادہ سجدے کر کے میری مدد کر۔

تشریح:- حضرت ربیعہ کی پرخلوص خدمات سے متاثر ہو کر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آیا۔ تو آپ نے ان سے فرمایا جو مانگنا ہے مانگ لو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی بھی شامل ہے کے مالک ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید و توثیق حضور کے ایک دوسرے ارشاد سے ہوتی جو صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضور نے فرمایا۔ "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِي"

Marfat.com

یعنی اللہ تعالیٰ نعمتیں دینے والا ہے اور میں ان نعمتوں کو تقسیم کرنے والا ہوں حضرت ربیعہ کا جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اُن کے نزدیک حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اسی لئے حضور کے دوبارہ پوچھنے پر بھی انہوں نے حضور سے یہی سوال کیا۔ مزید بلندی درجات کے لئے حضور نے حضرت ربیعہ کو زیادہ نوافل پڑھنے کے لئے فرمایا۔ اس لئے کہ کسی نیک مقصد کے حصول کے لئے قرآن پاک کی بھی یہی تعلیم ہے کہ۔ " وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ " صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔

تو سجدہ وہ مبارک فعل ہے جس کی فضیلت اس حدیث سے آشکار ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی جنت میں رفاقت (جس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں) کے لئے حضور نے زیادہ سجدے کرنے کی تلقین فرمائی عبودیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے نیز عاجزی اور انکساری سکھانے کے لئے سجدے سے بڑھ کر اور کوئی فعل زیادہ مؤثر نہیں۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۵۹:- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اُصْبُعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے پھر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے بلا کر حلقہ بناتے اور بائیں ہاتھ سے اپنا بایاں گھٹنا پکڑ لیتے۔

تشریح :۔ اس حدیث میں نماز کے اس رکن کی تعلیم ہے جسے تشہد کہا جاتا ہے۔ چار رکعت یا تین رکعت کی نماز میں تشہد دو بار پڑھا جاتا ہے جب کہ دو رکعت کی نماز میں ایک بار۔ دراصل تشہد ان کلمات پر مشتمل ہے جن کی تعلیم حضور نے دوسری احادیث کے ذریعے دی۔ تشہد کے لئے بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ پہلے قعدہ کو قعدۂ اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرے کو قعدۂ اُخریٰ۔ قعدۂ اولیٰ میں جو مسنون کلمات پڑھے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالطَّیِّبَاتُ ...... الخ قعدۂ اُخریٰ میں اس کے علاوہ درود اور ایک دُعا بھی شامل ہے۔ تشہد پڑھتے وقت کلمات تشہد یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتے وقت حضور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔ حضور کا یہ فعل مبارک سنت مؤکدہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نمازی کا اس طرح انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر نیزے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یہ اشارہ کرنا درحقیقت اسی طرح ہے جس طرح گفتگو کرتے وقت انسان جس بات پر زیادہ زور دینا چاہتا ہے۔ اس پر ہاتھ یا انگلی سے اشارہ کرتا ہے۔ گویا کلمات تشہد پڑھتے وقت نمازی کا انگلی سے اشارہ کرنا اس امر کی تصدیق ہے۔ کہ توحید و رسالت پر اس کا ایمان پختہ ہے۔ اس میں اسے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

حدیث نمبر ۴۶ :۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللہ علیہ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔

(رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جو شخص ایک مرتبہ درود پڑھے گا۔ اللہ تعالےٰ اُس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔

تشریح :- درود لغت میں دعا، رحمت اور مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام دنیائے عالم میں بلند کرنے کے لئے سابقہ جملہ انبیاء سے زیادہ مصائب و آلام کا سامنا کیا تو اللہ تعالےٰ نے حضور کو اپنا قرب خاص عنایت فرمایا۔ درجہ محبوبیت سے نوازا اور اہل اسلام پر فرض کیا کہ وہ حضور پر درود و سلام پڑھیں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ یعنی اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود پڑھتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام پڑھو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کے سلسلے میں حضور نے درود پڑھنے کی تحریص کے لئے فرمایا: کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا۔ اللہ تعالےٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ مسند امام احمد میں سبعین مرۃً یعنی ستر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ درود پاک کے بے شمار فضائل ہیں علماء نے درود کے فضائل پر مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ درود پاک کے کلمات کی تعلیم حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ نماز کے اندر درود پڑھنا واجب ہے۔ علاوہ ازیں جب بھی حضور کا نام پاک سنا جائے حضور پر درود پڑھنا واجب ہے۔ ایک حدیث قدسی میں حضور نے ایسے شخص کے لئے وعید فرمائی جو حضور کا نام سن کر درود نہیں پڑھتا۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث ہے حضور نے فرمایا جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اس کی ناک خاک میں ملے۔ ایک اور حدیث میں اُسے بخیل فرمایا، ترمذی کی ایک اور حدیث جو حضرت عمر فاروق سے مروی ہے۔ میں ہے جس دعا کیساتھ حضور پہ درود نہ پڑھا جائے وہ دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

درود کے فضائل میں ترمذی کی ایک اور حدیث ہے جسے عبداللہ ابن مسعود نے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب میں زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجا درود پاک کی کثرت سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و شیفتگی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے حضور کی اتباع ہی فلاح دارین کی کلید ہے۔ اسے چھوڑ کر کوئی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ ؎

خلاف پیغمبر کسے را گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۶:- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطٰنِ شَيْئًا مِنْ صَلٰوتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں۔ کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے یعنی اس امر کو لازم خیال کرے کہ داہنی جانب سے پھرے اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اکثر دیکھا ہے۔ بائیں جانب سے پھرتے ہوئے۔

تشریح:- نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسنون طریقہ یہ ہے

کہ امام دائیں جانب رخ کر کے بیٹھے بعض روایات میں قبلہ کو پشت کر کے اور اپنا رخ مقتدیوں کی طرف کر کے بیٹھنے کا بھی بیان ہے۔ بعض میں بائیں جانب بھی رخ کر کے بیٹھنے کا ثبوت ہے۔ مگر آپ کا اکثر عمل جیسا کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنے کا ہے۔ نماز کے بعد کی دعا بالعموم ذرا بلند آواز سے امام اور مقتدی مل کر مانگتے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ وہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے بیٹھے۔ بعض اوقات مسائل وغیرہ کا استفسار بھی ہوتا ہے اسی لئے یہی مناسب ہے۔ جو امور نماز میں لازم نہیں ان کو لازم کرنا گویا نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کرنا ہے۔ اس سے محترز رہنا چاہیے۔ جو باتیں کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ انہیں کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۲: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ النِّسَاءَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ. فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتیں جب فرض پڑھ لیتیں تو اٹھ جاتیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مع مردوں کے جبتک خدا چاہتا بیٹھے رہتے پھر جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھتے تو مرد بھی اٹھ جاتے۔

تشریح: عہد رسالت کے آغاز میں عورتوں کا مسجد میں آکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں باب المواقیت الصلوٰۃ میں بھی احادیث گذر چکی ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جبکہ ابھی عورتوں پر پردہ کے احکام فرض نہیں ہوئے تھے۔ نیز اس میں مصلحت یہ بھی ہو گی کہ صحابیات خود حضور کو نماز پڑھتے دیکھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھ لیں۔ تاہم حضور مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو روکنے کیلئے فرض نماز پڑھنے کے بعد خود بھی تشریف فرما رہتے اور مرد بھی جب کہ مستورات اٹھ کر اپنے گھروں کو

Marfat.com

چلی جاتیں۔ ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حضور جب تک نہ اٹھتے صحابہ بھی بیٹھے رہتے۔ اور جب حضور اٹھتے تو وہ بھی اٹھ جاتے۔ گویا اس حدیث سے اہل اسلام کو یہ سبق ملتا ہے۔ کہ ایسے مواقع جہاں کہیں مرد اور عورتیں دو نوں صنف اکٹھے ہوں۔ ایسا طریق کار اختیار کیا جائے۔ کہ دونوں صنفوں کا باہمی اختلاط نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ اس سے بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۶۲۳۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ختم ہونے کو تکبیر سے پہچان لیتا تھا۔

تشریح :- حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز ختم کرتے ہی بآواز بلند اللہ اکبر فرمانا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ حضور کو ذکر خدا کتنا محبوب و مرغوب تھا۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ کی مقربین کی یہی علامت بیان فرمائی "یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ" یعنی اللہ کے بندے اس کی یاد کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں قرآن پاک کے اسی ارشاد "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" سے خدا کے ذکر کا ہر چیز سے زیادہ اہمیت رکھنا معلوم ہے۔ بتعلیم امت کے لئے حضور یہ ذکر فرماتے۔ بعض دیگر روایات میں مختلف دعائیں

Marfat.com

منقول ہیں۔ بہرحال اس حدیث سے نماز پڑھنے کے بعد ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے ذکر بالجہر اس لیے بھی مستحسن ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کے نزول کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس محفل میں اللہ رسول کا ذکر ہوتا ہے وہاں ملائکہ حلقہ باندھ کر ذکر کو سنتے ہیں۔ اور اختتام محفل تک وہیں رہتے ہیں۔ نیز ذکر الٰہی شیطان ملعون کو دفع کرنے کے لیے اکسیر ہے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۴۶: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتے تھے جبکہ آپ نماز میں ہوتے تھے۔ پس آپ ہمیں جواب دیتے۔ پھر جب ہم نجاشی کے پاس سے آئے اور ہم نے سلام عرض کیا آپ نے جواب نہ دیا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے۔ جبکہ آپ نماز میں ہوتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ نماز میں شغل ہے۔

تشریح: ابتدائے اسلام میں بعض امور مصلحتاً جائز تھے۔ مگر بعد میں ان پر عمل متروک ہو گیا۔ ان امور میں نماز کے اندر سلام کا جواب دینا بھی شامل تھا

جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ دینی امور کو بتدریج رائج کرنا عین قرین حکمت ہے۔ نسخ کا ہونا تمام ارکان میں ثابت ہے۔ اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے اور یہ حدیث اس امر میں واضح دلیل ہے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے جیسا حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نمازوں میں ایک دوسرے کے سلام کا جواب دے دیتے تھے۔ مگر بعد میں منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ جب دوبارہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضور کی بارگاہ میں جب کہ آپ نماز میں مصروف تھے سلام عرض کیا حضور نے جواب نہ دیا اور ان کے استفسار کرنے پر حضور نے فرمایا کہ نماز شغل ہے یہ فرمانے سے آپ کا مقصد یہ تھا۔ کہ نماز میں تلاوت قرآن و دیگر دعوات و تسبیحات کا شغل ہوتا ہے تو نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ ایسا مقدس شغل چھوڑ کر اور کسی طرف اپنی توجہ مبذول کرے۔

حدیث نمبر ۶۵:۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے۔ شیطان بندے کی نماز اچک لیتا ہے

تشریح:۔ باب الاذان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اذان اور تکبیر کے بعد شیطان نماز پڑھنے والے کے دل میں وساوس ڈالتا ہے۔ اسے بھولی ہوئی باتیں یاد کراتا ہے۔ جس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ نمازی کو نماز میں حضور قلب اور خشوع و خضوع میسر نہ ہو اور نماز پڑھنے کا پورا اجر نہ ملے۔ اسی طرح شیطان نماز پڑھنے والے کی توجہ نماز سے ہٹا کر ادھر ادھر مبذول کراتا ہے تاکہ اس کی نماز کامل نہ ہو۔ تو ہر وہ حرکت جو نمازی کی توجہ کو نماز سے دور لے جائے انتہائی ناپسندیدہ ہے حضور نے اسے شیطان کی طرف منسوب کیا

Marfat.com

تاکہ ہر مسلمان ان سے آگاہ ہوکر نماز کے اندر ایسی حرکات سے گریز کرے ۔ اور پورے سکون اور توجہ کیساتھ نماز ادا کرے ۔ تاکہ اسے پورا پورا ثواب ملے ۔ بعض دوسری احادیث میں حضور نے سجدہ کی جگہ سے مٹی صاف کرنے سے پہلو پر ہاتھ رکھنے سے بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے سے منع فرمایا ۔ ان سب کا مقصد وہی ہے جو مذکور ہو چکا ہے ۔

حدیث نمبر ۶۶:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ ۔ (رواہ مسلم ۔) وَفِیْ روایتہ البخاری عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا یَقُلْ ھَا فَاِنَّمَا ذٰلِکُمْ مِنَ الشَّیْطَانِ یَضْحَکُ مِنْہُ ،

ترجمہ :- حضرت ابی سعید خدری سے روایت کیا ۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز کے اندر جمائی آئے تو وہ اسے جہاں تک ممکن ہو سکے روکنے کی کوشش کرے اس لئے کہ جمائی کے وقت شیطان منہ میں گھس آتا ہے ۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص کو نماز میں جمائی آئے تو وہ جہاں تک ممکن ہو ۔ اُسے روکے اور منہ سے ہا نہ کہے اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے ۔ وہ اس سے ہنستا ہے ۔

تشریح :- دراصل جمائی کا کرنا سستی اور کسل کی علامت ہے اور یہ عموماً شکم پری سے آتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ سستی خواہ نماز میں ہو یا اللہ کسی کام میں اسے احسن طریق سے مکمل نہیں ہونے دے گی ۔ خصوصاً نماز جس کی فضیلت اور اہمیت دین میں مسلمہ ہے جو شخص نماز ادا کرتے وقت سستی ظاہر کرتا ہے ۔ اور دیگر امور بطریق احسن کیسے سرانجام دے گا ۔ اس لئے حضور نے جمائی کی مذمت کی اور یہ تعلیم دی کہ اگر یہ نماز کے اندر آئے تو حتی

Marfat.com

منہ بند کرکے اسے روکنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ سستی پیدا نہ ہو۔ حضور نے جمائی کو اور جمائی سے جو ہا کی آواز پیدا ہوتی ہے

اس آواز کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اس لئے کہ نماز میں سستی پیدا کرنا دراصل شیطان ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ کہ نمازی اپنے خالق کے حضور کھڑا ہو کر بے توجہی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اور عبادت جو زندگی کا مقصد ہے اس میں تساہل اور سستی دکھا رہا ہے۔ اس کے خوش ہونے کو حضور نے ہنسنے سے تشبیہہ دی۔ اس حدیث سے ایک مسلمان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ نماز اور دیگر فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ اور ہر وہ حرکت و سکنت جو اس کی فرض کی ادائیگی میں حائل ہو اس سے محترز رہنے کی کوشش کرے۔

حدیث نمبر ۷۱:- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهُ شَيْئٌ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَإِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ تَسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔

ترجمہ:- حضرت سہیل بن سعد کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس شخص کو نماز میں کوئی بات پیش آئے پس اسے چاہیئے کہ وہ سبحان اللہ کہے اور دستک دینا یا تالی بجانا صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے ہے۔

تشریح:- اگر کوئی مرد یا عورت گھر میں نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے کوئی شخص اندر آنے کی اجازت طلب کرے۔ یا کوئی شخص یہ نہ جانتے ہوئے کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے آگے سے گزرنے کی کوشش کرے تو ایسی صورت میں یہ تعلیم ہے۔ کہ مرد سبحان اللہ کہہ کر اذن مانگنے والے

Marfat.com

یا سامنے سے گذرنے والے کو آگاہ کرسکے۔ مسلمان عورت کی آواز چونکہ پردہ کے احکام میں شامل ہے۔ اس لئے عورت کو سبحان اللہ کہنے کی بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ وہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ مارے۔ اور ہتھیلی ہتھیلی پر نہ مارے جس طرح گانا گانے والی عورتیں تالی بجاتی ہیں۔ تو اس حدیث میں ایک تو دوسرے شخص کی نماز میں خلل انداز نہ ہونے سے خبردار کرنے کے لئے نماز کے اندر خبردار کرنے کا طریقہ بتادیا گیا نیز مسلمان عورت کو یہ بتادیا گیا۔ کہ وہ غیر محرم مردوں سے اپنی آواز کو بھی چھپائے۔ اس لئے کہ نسوانی آواز میں بھی مرد کے لئے جاذبیت موجود ہے۔ قرآن حکیم کا عورتوں کو چبا چبا کر باتیں کرنے سے منع کرنا بھی انہی احکام سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ " فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ ...... الخ

یعنی مسلمان عورتیں چبا چبا کر باتیں نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ جس شخص کے دل میں (روحانی یا اخلاقی) بیماری ہو اس کے دل میں (چبا کر بات کرنے والی عورت کے لئے) گناہ کرنے کی حرص پیدا ہو۔

بَابُ السَّهْوِ

فصل اوّل

حدیث نمبر ۶۸: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَا يَدْرِي كَمْ صَلّٰى فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے۔ تو شیطان آکر اس کو شبہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ اس کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں پس تم میں سے کسی کو ایسی حالت پیش آئے تو بیٹھ کر دو سجدے کرے۔

تشریح :۔ اس حدیث میں دو باتوں کا بیان ہے ایک نماز کی حالت میں شیطان ملعون کا نمازی کو شک وشبہ میں ڈالنا۔ دوسرا یہ کہ اس شک سے اگر نماز میں کوئی قصور واقع ہو جائے تو اس کی تلافی کس طرح کرنا چاہیے۔ نمازی کے دل میں شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے سلسلہ میں باب الاذان میں احادیث گذر چکی ہیں۔ شیطان کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ نماز کی ادائیگی صحیح طور پر نہ ہو۔ اور نمازی کو اس کا پورا پورا اجر وثواب نہ ملے۔ اس لیے وسوسے ڈالتا ہے۔ ان وسوسوں کا بسا اوقات یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ نمازی کو نماز کے اندر پڑھی ہوئی رکعتیں بھی یاد نہیں رہتیں۔ ایسی صورت میں نماز پڑھنے والا اس تردد میں رہے گا۔ کہ میری نماز بھی ہوئی ہے یا نہیں تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تسکین خاطر کے لیے سجدہ سہو کی تعلیم دی جس سے نمازی کا تردد بھی دور ہو جائے۔ نیز شیطان ملعون بھی اپنے مقصد میں ناکام ہو کر ذلیل ورسوا ہو۔

نماز پڑھتے وقت پڑھی ہوئی رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں جمہور اہل علم کا قول یہ ہے۔ کہ نمازی تحری کرے یعنی ظن غالب سے دل میں فیصلہ کرے کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ اگر تین رکعت والی نماز میں ظن غالب یہ ہو کہ اس نے چار پڑھ لی ہیں تو ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کرے اگر چار رکعت کی نماز میں پانچ پڑھ لینے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں بھی ایک رکعت اور پوری کرکے سجدہ سہو ادا کرے سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے۔ کہ قعدہ آخری میں التحیات پڑھ کر صرف دائیں جانب سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے بعدہ دوبارہ التحیات، درود و دعا پڑھ کر دونو

جانب سلام پھیر دے۔ مذکورہ بالا صورت میں ایک تو نمازی کو دو نوافل مزید پڑھنے کا اجر مل جائے گا۔ دوسرے دو سجدے زائد کر کے شیطان کی امیدوں پر پانی پھیر دیگا اور اس طرح سے یہ خبیث نخائب و خلہ میں ہو گا۔

حدیث نمبر ۶۹:- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ ابن بحینہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور پہلی دو رکعت پڑھ کر قعدہ میں بیٹھنے کی بجائے آپ کھڑے ہو گئے۔ صحابہ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور صحابہ سلام پھیرنے کے منتظر تھے تو حضور نے سلام سے پہلے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی پھر دو سجدے کئے اس کے بعد سلام پھیرا۔

تشریح:- مندرجہ بالا حدیث میں منفرد نمازی کے نماز میں بھول جانے اور اس کی تلافی بذریعہ سجدہ سہو کرنے کا بیان تھا۔ اس حدیث میں امام کے سہو کی صورت میں امام اور مقتدیوں کے لئے تعلیم ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ حضور نے امام کو یہ تعلیم دی کہ وہ نماز میں نقص واقع ہو جانے کی تلافی آخر پر دو سجدے یعنی سجدۂ سہو سے کرے۔ اس حدیث میں یہ سجدے سلام سے پہلے کرنے کا بیان ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے مگر دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لئے کہ دوسری روایات سے ثابت ہے کہ حضور نے ایک جانب سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔ مقتدیوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ امام کی اقتدا کریں۔ مگر امام کو یاد دلانے کے لئے مقتدی آواز لگائیں سبحان اللہ کہہ دیں مگر اس کے باوجود اگر امام قعدہ

Marfat.com

پر نہ بیٹھے یا نماز کی صحیح حالت کی طرف نہ لوٹے تو مقتدیوں کو چاہیئے کہ وہ امام کیساتھ اٹھ جائیں جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہیں کہ صحابہ دوسری رکعت کے بعد تنہا قعدہ پر نہیں بیٹھے بلکہ حضور کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ (سجدۂ تلاوت کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱ :- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔ (متفق علیه)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ پڑھتے ہم آپ کے پاس موجود ہوتے آپ بھی سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔

تشریح :- قرآن پاک میں ۱۴ آیات ایسی ہیں۔ جن کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والے کو حکم ہے کہ وہ ان آیات کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرے۔ ان آیات کو آیات سجدہ کہتے ہیں۔ اور سجدہ کی یہ مخصوص قسم سجدہ تلاوت کہلاتی ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتے وقت آیت سجدہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی مخالفت ہے۔ اگر پڑھنے والا بلند آواز سے پڑھے گا۔ تو پڑھنے والے اور سننے والے سب پر سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

جیسا کہ حدیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ کہ حضور کے ساتھ سب نے سجدہ تلاوت کیا۔ اور اگرچہ بڑا ہجوم تھا۔ مگر چونکہ سب جانتے تھے۔ کہ سجدہ

Marfat.com

کرنا واجب ہے اس لئے سب نے سجدہ کیا۔ اگرچہ جگہ کتنی ہی تنگ تھی۔ گویا اس سے سجدۂ تلاوت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کہ اسے معمولی سمجھ کر ترک نہیں کرنا چاہیے۔ نماز پڑھتے وقت اگر امام آیت سجدہ قرأت میں پڑھے تو امام مع مقتدی سجدہ تلاوت کریں گے۔ نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر سجدہ کی نیت سے تکبیر کہہ کر ایک سجدہ کرے پھر اُٹھ کھڑا ہو۔ دراصل آیات سجدہ میں صراحتہً یا کنایتہً معبود حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کا حکم پایا جاتا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں سجدہ کرنے کی تعلیم ہے۔ نیز سجدہ کی حالت میں انسان کو جس قدر قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور کسی بھی حالت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ مددگار عالم کو سجدہ نہ کرنا شیطان ملعون کا شیوہ ہے۔ جس کی پاداش میں راندۂ بارگاہ ایزدی بن گیا۔ اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تو گویا مسلمان اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرکے شیطان سے اپنی بریت کا اظہار کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَاَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَاَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى اَتٰى فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ سورہ صٓ کا سجدہ تاکیدی سجدوں میں سے نہیں اور میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سورہ میں سجدہ کرتے وقت دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے۔ کہ مجاہد نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا سورۂ صٓ میں سجدہ کروں تو انہوں نے یہ آیت پڑھی

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ـــ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ تک پڑھی اور فرمایا کہ تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو ان انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں مگر حضور نے اپنی امت پر اس لئے واجب کیا کہ سجدہ کرنا سابقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا سجدہ تو یہ مشہور ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کرنے کے فعل کو پسند فرمایا چنانچہ حدیث میں ہے۔ کہ "نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی داؤد علیہ السلام نے توبہ کے قبول کے لئے سجدہ کیا اور ہم ادائے شکر کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ اس حدیث میں سابقہ انبیاء کے کسی فعل کو پسند فرماتے ہوئے حضور کا اس سے موافقت کرنا مجازاً اقتدا کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے امام و مقتدا ہیں۔ شب اسریٰ کی طرح سب انبیاء کا حضور کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا ثبوت احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام میرے زمانہ میں ہوتے تو انہیں میری اتباع کرنے کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ امام شرف الدین بوصیری قصیدہ بردہ میں حضور کو سورج کے ساتھ دیگر انبیاء کو ستاروں کے ساتھ تشبیہہ دیتے ہیں۔ شعر یہ ہے۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

یعنی حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم فضیلت کے سورج ہیں جب کہ وہ (انبیاء) ستارے ہیں۔ اور حضور اپنے انوار و تجلیات سے (گمراہی) کی تاریکیوں میں لوگوں کے لئے حق ظاہر فرماتے ہیں۔ مزید براں قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ فَبِهُدٰىهُمُ

أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ...... لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ..... الخ میں اللہ تعالیٰ نے ارواح انبیاء سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے ان کی نصرت وحمایت کرنے کا عہد لینے کا بیان ہے۔ الغرض نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا انبیاء سابقہ کی اقتدا کرنے سے مراد ان کی موافقت کرنا ہے۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

(ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۱۷: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰنَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور انہی وقتوں میں مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا۔ ایک آفتاب نکلنے کے وقت وہ ہمارے اس وقت کہ دوپہر کا سایہ قائم ہو یہاں تک کہ آفتاب کا سایہ ڈھل جائے۔ اور تیسرے اس وقت جبکہ آفتاب غروب ہونے لگے۔ یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

Marfat.com

تشریح:- اس حدیث میں ان اوقات کا بیان ہے جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ان اوقات کو اوقات مکروہہ کہتے ہیں۔ یہ تین وقت آفتاب کے طلوع اور غروب کا وقت اور نصف النہار کا وقت یعنی دوپہر کا وہ وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ کم از کم ہو۔ ان اوقات میں نماز پڑھنے کے علاوہ جو مردوں کو دفن کرنے کا بیان ہے۔ اس سے مراد نماز جنازہ ہے۔ ممانعت کی علت دیگر روایات میں مذکور ہے مثلاً صحیح مسلم میں عمرو بن عبسۃ سے مروی ایک طویل حدیث ہے جس میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان اوقات میں شیطان سورج کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ نیز شیطان اور سورج کے پجاری انہی وقتوں میں ان کی پوجا کرتے ہیں۔ لہذا ان وقتوں میں نماز پڑھنے سے ان مشرکوں کیساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے جو اسلام میں بے حد ناپسندیدہ فعل ہے۔ نصف النہار کے وقت دوزخ کے سانس لینے کا وقت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔ اس لئے اس وقت کو بھی اوقات مکروہہ میں شامل کیا گیا۔

حدیث نمبر ۲۷:- عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں اس وقت تک کہ آفتاب نہ نکل آئے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج ڈوب نہ جائے۔

تشریح:- اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ادا کوئی نماز

Marfat.com

پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اس نماز سے مراد در اصل نوافل ہیں۔ اس کی تصریح دیگر روایات میں موجود ہے۔ مذہب حنفی میں اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے نماز فجر کی جماعت کی وجہ سے جس شخص کی سنتیں قضا ہو جائیں اسے طلوع آفتاب کے بعد انہیں پڑھنے کی اجازت ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔

بَابُ الجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا جماعت کی فضیلت کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱ :- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَةً۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ہوتا ہے۔

تشریح :- اس حدیث سے جماعت کیساتھ نماز ادا کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی ترغیب و تحریص کے لیے ہے بعض احادیث میں پچیس گنا کا ذکر ہے۔ جبکہ اس حدیث میں ستائیس گنا ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اجر بڑھا دیا ہو۔ جماعت کیساتھ نماز کی ادائیگی سے ملت کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ نماز با جماعت اُمت مسلمہ کو استحکام بخشتی ہے۔ افراد کے اندر باہمی موانست و محبت الفت یگانگت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جماعت ہی سے مساوات کا نیز

Marfat.com

ایک امیر کی اطاعت کا سبق ملتا ہے۔ گویا جماعت کیساتھ نماز ادا کرنے سے بیں گونا گون فوائد مضمر ہیں۔ تبھی تو شارح اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی پابندی کی تاکید فرمائی اور اس قدر اجر و ثواب کی خوش خبری سنائی۔ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک ملت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک تو فرض ہے۔ فرض قرار دینے والے حضرات قرآن حکیم کی اس آیۃ مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں " وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ " یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

دیگر احادیث جن میں سے بعض کا ذکر آگے آتا ہے۔ جماعت چھوڑ دینے پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۷۵:- عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ ایک نابینا شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مسجد میں لانے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ پھر اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ اس کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جائے۔ آپ نے اس کو اجازت دے دی پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ نے اُس کو بلایا اور فرمایا کیا تو اذان کی آواز سنتا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

تشریح:- نابینا شخص جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت

Marfat.com

عبداللہ ابن اُم کلثوم تھے۔ ان کا حضور سے استفسار کرنا اور گھر نماز پڑھنے کی اجازت طلب کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضور کسی شخص کو جماعت چھوڑ کر گھر تنہا نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب صحابی نے اپنی معقول معذوری پیش کی کہ مجھے مسجد میں ساتھ لے جانے والا بھی کوئی نہیں تو حضور نے اجازت دے دی۔ مگر جماعت کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کو دوبارہ بلا کر فرمایا کہ اگر تم اذان کی آواز سن لیتے ہو تو تمہیں ضرور مسجد میں حاضر ہونا چاہیئے اس لئے کہ آواز سن کر اندھا شخص بھی آواز کی سمت کا اندازہ کر کے مسجد میں بغیر سہارے کے پہنچ سکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے۔ کہ معذور آدمیوں کو گھر ہی پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ مگر ابن اُم کلثوم چونکہ خواص صحابہ میں سے تھے اس لئے ان کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ فرمائی۔ تو جب ایک معذور صحابی کو اذان سن کر مسجد میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔ تو ایک تندرست شخص کو بلا عذر جماعت چھوڑ کر تنہا گھر پر نماز پڑھنے کی کیسے اجازت ہو گی۔ ایک حدیث میں حضور نے قصداً عمداً جماعت ترک کرنے والے کو ملعون فرما دیا۔ (اعاذنا اللہ منہا)۔

حدیث نمبر ۱۹۷:- عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے ایک نہایت سرد رات میں نماز کی اذان دی اور آندھی بھی چل رہی تھی۔ پھر اذان دینے کے بعد لوگوں سے کہا خبردار اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت جبکہ سخت سردی اور بارش ہوتی تھی موذن کو

Marfat.com

حکم دے دیتے تھے۔ کہ وہ اذان میں یہی یہ کہہ دے کہ آگاہ رہو اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔

تشریح :- اسلام فرائض دین کی ادائیگی کے لئے مسلمان کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔ لقولہٖ تعالےٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا یعنی اللہ تعالےٰ کسی جان کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا نیز ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ یعنی اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے نہ کہ تنگی کا۔ تو اگر موسم اس قدر خراب ہو جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ مسجد میں پہنچنا بہت مشکل ہو۔ تو اندریں حالات گھر پہ نماز پڑھنے میں ہرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر نے اذان کے بعد لوگوں کو کہہ دیا کہ لوگ گھر پہ نماز پڑھ لیں۔ اس حدیث کے نفس مضمون سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اصحابہ کرام اذان سن کر مسجد میں جاکر با جماعت نماز پڑھنے کے لئے کس قدر مستعد رہتے تھے۔ اسی لئے حضرت ابن عمر کو اذان کیساتھ مذکور کلمات کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کی تائید و تکملے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معمول کی بھی نشان دہی فرمادی۔ کہ حضور بھی سخت سردی۔ بارش یا آندھی کے وقت گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دیتے تھے، اور اس اجازت کا اعلان مؤذن ہی کے ذریعے کرا دیتے۔

حدیث نمبر ۷۷ :- عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا صَلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ وَلَا ھُوَ یُدَافِعُہُ الْاَخْبَثَانِ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ کھانا سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا عمل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس وقت جب دو خبیث دباؤ ڈال رہے ہوں۔

Marfat.com

تشریح:۔ ظاہر ہے کہ کھانا سامنے ہونے کی صورت میں جبکہ بھوک کی شدت ہو۔ کھانا چھوڑ کر نماز میں مکمل حضور قلب نصیب نہیں ہوگا نیز یہ بھی ممکن ہے۔ کہ بھوک سے اسقدر جسمانی کمزوری لاحق ہو جائے۔ کہ ارکان نماز اچھی طرح ادا نہ ہو سکیں۔ مگر اس صورت میں کہ نماز کا وقت فوت ہو رہا ہو۔ نماز قضا کر کے کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ حدیث میں جن دو خبیثوں کا ذکر ہے وہ پاخانہ اور پیشاب ہیں۔ ان کا غلبہ ہونے کی صورت میں بھی تا وقتیکہ ان سے انسان فارغ نہ ہو جائے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ ان کو روک رکھنے سے کئی قسم کی جسمانی عوارض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے قرین عقل و حکمت یہی ہے کہ ان سے فارغ ہو کر اطمینان کیساتھ فریضۂ صلواۃ ادا کیا جائے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ کہ احکام دین کس قدر پر از حکمت ہیں۔ نیز اللہ رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کے لئے کس قدر خیر خواہی فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۸۷:۔ عَنْ ابن عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاذَنَتْ امْرَأَۃُ اَحَدِکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یَمْنَعْھَا (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو تم اس کو منع نہ کرو۔

تشریح:۔ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے جب کہ ابھی عورتوں پر پردہ فرض نہیں ہوا تھا۔ نیز احکام دین سیکھنے کے لئے ان کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی۔ زمانہ کے تغیر سے جوں جوں فتنہ بڑھتا گیا۔ عورتوں کو اپنے گھروں ہی میں رہنا لازم کر دیا گیا۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

اگر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس صورت حالات کو دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کر دیئے ہیں تو آپ انہیں باہر نکلنے سے ایسے ہی منع فرما دیتے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔ البتہ حضرت ابن مسعود کے قول کے مطابق بوڑھی عورتیں مسجد میں جا سکتی ہیں۔ وہ بھی اس شرط پر کہ بناؤ سنگھار کر کے نہ جائیں۔ اور نوجوان عورتوں کو جائز نہیں مسلمانوں عورتوں کو عفت اور پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دینے کے لئے انہیں بتایا گیا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے سے انہیں مسجد میں نماز پڑھنے کی نسبت دس گنا زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ علاوہ ازیں اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لئے عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز فرض نہیں کی۔

بابُ تسویۃِ الصَّف۔ صفوں کے برابر کرنیکا بیان

فصلِ اوّل

حدیث نمبر ۷۹:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِیْ۔ رواہ البخاری وفی المتفق علیہ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِیْ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ نماز قائم کی گئی۔ اور آپ ہماری طرف منہ کئے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا صفوں کو درست کرو اور برابر کھڑے ہو میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں اور بخاری و مسلم کی روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ پورا کرو صفوں کو کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

Marfat.com

تشریح:- دین اسلام کی اساس عقل ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ ہر کام خواہ فرائض دینی ہو یا دنیوی امور سے حسن نظم کیساتھ سرانجام دیا جائے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی خصوصاً جب کہ نمازیوں کی تعداد کثیر ہو اسلام کی شان و شوکت ظاہر کرتی ہے۔ اگر نمازیوں کی صفیں اگر سیدھی نہیں ہوں گی تو ان کے ظاہری حسن و جمال میں نقص واقع ہوگا۔ مزید برآں نماز میں چونکہ نمازی خالق ارض و سما کی حاضری میں کھڑے ہوتے ہیں۔ تو ان کا صف کے اندر سیدھے کھڑے نہ ہونا خلاف ادب ہے۔ اس لئے حضور نبی اکریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو سیدھا کرنے نیز پورا کرنے کی تاکید فرمائی۔ جس طرح صف کے ٹیڑھا ہونے سے صف کے ظاہری حسن و جمال میں فرق پڑتا ہے۔ اسی طرح اگلی صفوں کا نامکمل ہونا بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

حضور کا صحابہ کو فرمانا کہ میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں آپ کا یہ دیکھنا حضور کا معجزہ تھا۔ اس پر تفصیلی گفتگو باب الرکوع ہو چکی ہے۔

گویا اس حدیث کے ذریعے پیغمبر اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے مسلمان کو ہر کام اعلیٰ درجے کی سلیقہ شعاری کیساتھ کرنے کی تعلیم دی ہے ایسے نمازی جو اس حدیث کی تعلیم کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے وقت صفوں میں سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے لئے میدان جہاد میں سیدھی صفیں بنانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ گویا اسلام ایسا جامع مذہب ہے۔ کہ یہ اپنے پیروکاروں کو عبادات کا ایسا ڈھنگ سکھاتا ہے۔ جو ان کی زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی کام آئے تو جو مسلمان فریضہ صلوٰۃ کو پوری سلیقہ شعاری کیساتھ ادا کرتا ہے وہ باقی امور زندگی کو کیوں ادھورا یا نامکمل چھوڑے گا۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اچھی طرح نماز پڑھنے والوں کو فلاح و کامرانی کی خوشخبری سے نوازا فرمایا: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ" یعنی وہ مومن فلاح پا گئے جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں۔

Marfat.com

حدیث نمبر ۱۸۰:- عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلٰوۃِ وَیَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِیْنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّہٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَہُمْ قَالَ اَبُوْمَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابومسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے مونڈھوں پہ ہاتھ رکھتے اور فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو۔ کہ اختلاف سے تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ اور مجھ سے تم میں سے وہ شخص قریب رہیں جو بالغ اور عقلمند ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں ابومسعود کہتے ہیں کہ آج تم اسی سبب سے سخت اختلافات میں پڑ چکے۔

تشریح:- اس سے پہلے نماز کے اندر صفوں کو سیدھا کرنے اور اگلی صفوں کو مکمل کرنے کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذر چکا ہے اس حدیث میں حضور کا بہ نفس نفیس نمازیوں کی صفوں کو سیدھا کرنے کا بیان ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور کو اس امر کا کس قدر خیال تھا۔ نیز صفوں میں ٹیڑھے کھڑے ہونے والوں کے لیئے وعید بھی فرما دی کہ نماز میں اُن کے ظاہری احوال کی خرابی ان کے باطن یعنی دلوں کی خرابی کا باعث بن جائے گی۔ یعنی جو نمازی نماز میں صفیں سیدھی نہیں کریں گے۔ ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گا۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود نے اسی حقیقت کی نشان دہی فرمائی اور اپنے زمانہ کے لوگوں کو فرمایا کہ تمہارے درمیان زیادہ اختلاف کا سبب یہی ہے کہ تم نماز کی صفوں میں سیدھے کھڑے نہیں ہوتے۔ دراصل یہ ایک قسم کا عتاب الٰہی ہے۔ اس لئے کہ جب دنیا کے شہنشاہ اپنے حضور بدنظمی اور بے ترتیبی کے ساتھ کھڑے ہونے والے غلاموں کو پسند نہیں کرتے تو وہ مالک حقیقی جو سب شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے وہ اپنی بارگاہ

Marfat.com

کی حاضری میں ٹیڑھی صفیں بنا کر کھڑے ہونے والوں کو کیسے پسند فرمائے گا۔

حدیث کے دوسرے حصے میں حضور نے نمازیوں کو صف کے اندر بلحاظ عمر و بلحاظ عقل اس طرح کھڑا ہونے کی تعلیم دی۔ حضور نے فرمایا جو عمر میں بڑے اور عقل میں برتر ہوں وہ دوسروں کی نسبت میرے زیادہ نزدیک رہیں۔ یہ اس لئے تاکہ وہ شعور کی پختگی کی وجہ سے نماز سے متعلقہ احکام کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور سمجھ کر دوسروں تک پہنچا دیں گے۔

باب الموقف (امام اور مقتدی کے کھڑے ہونیکی جگہ کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۸۱: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِہٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِہٖ فَعَدَلَنِیْ كَذٰلِكَ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِہٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے ہاں رہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھے اور نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی آپ کے بائیں جانب نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے پشت کی جانب سے ہاتھ نکال کر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو اپنی دائیں جانب کر لیا۔

تشریح:۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ابن عباس ابھی بچے تھے۔ مگر احکام دین سیکھنے کا اسقدر ذوق

Marfat.com

شوق رکھتے۔ کہ اکثر وقت حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم، کی خدمت عالیہ میں حاضر رہتے چنانچہ جس دن حضور حضرت میمونہ کے ہاں قیام فرماتے یہ بھی وہیں رہتے اس حدیث میں امام کے ساتھ ایک مقتدی کے کھڑے ہونے کے طریقے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مقتدی امام کی دائیں جانب اس کے بالمقابل کھڑا ہو۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابن عباس حضور کی بائیں جانب کھڑے ہوئے مگر حضور نے انہیں اپنی دائیں طرف کر لیا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کے آگے نہیں کھڑا ہونا چاہیے اس لئے حضور نے اپنے پیچھے سے حضرت ابن عباس کو دائیں جانب کیا۔ نیز نمازی کا نماز میں اتنا قلیل فعل جس کا کرنا ناگزیر ہو اس کی اجازت ہے۔

حدیث نمبر ۸۲:- عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُ حَتّٰی قُمْتُ عَنْ یَسَارِہٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَاَدَارَنِیْ حَتّٰی اَقَامَنِیْ عَنْ یَمِیْنِہٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِیَدَیْنَا جَمِیْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰی اَقَامَنَا خَلْفَہٗ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو گھما کر دائیں جانب لے گئے۔ پھر جبار بن صخر آ گئے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے اور پیچھے کر دیا۔ یہاں تک کہ ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے

تشریح:- پہلی حدیث میں ایک مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑے ہونے کا بیان تھا۔ اگر دوسرا مقتدی آ جائے تو پھر کیا حکم ہو گا۔ اس

Marfat.com

سلسلے میں حضور اس حدیث میں رہنمائی فرماتے ہیں۔ کہ دونوں مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ یا امام خود آہستگی سے آگے بڑھ جائے اور دوسرا آنے والا مقتدی پہلے مقتدی کیساتھ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے عموماً اسی پر عمل ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۸۳:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِىْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ میں نے اور یتیم نے اپنے گھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور اُم سلیمہ پیچھے تھیں۔

تشریح:۔ اس حدیث میں عورتوں کا مردوں کی جماعت میں کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان ہے۔ اوّل تو عورتوں کو مردوں کی جماعت میں شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ البتہ اگر کوئی ایسی صورت درپیش ہو تو اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ جیساکہ اُمّ سلیم حضرت انس و یتیم دونو کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ ایک اور حدیث میں جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور نے مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر پہلی صف بتائی اور عورتوں کی صفوں میں سب سے پچھلی صف۔ دراصل اس میں حکمت یہ ہے کہ صف میں عورتیں اگر مردوں کے محاذی کھڑی ہوں تو مردوں کی توجہ عورتوں کی طرف ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ جس سے مردوں کی نماز میں خلل واقع ہو گا۔ اس لیے عورتوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مردوں سے پیچھے پچھلی صف میں کھڑی ہوں۔

Marfat.com

باب الامامۃ امامت کا بیان

فصل اوّل

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
حدیث نمبر ۴۲۸: صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُ ھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلَ الرَّجُلُ فِیْ اَھْلِہٖ۔

ترجمہ:- حضرت ابو مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی وہ شخص امامت کرے جو قرآن مجید کو ان میں سب سے اچھا پڑھ سکتا ہو۔ پھر اگر سب ہی اچھا پڑھتے ہوں تو احکام دین کو سب سے زیادہ جاننے والا امامت کرے۔ پھر اگر سب اس میں برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اس کو امامت کرنی چاہیے۔ پھر اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ اور کسی شخص کسی کے دارالحکومت میں امامت نہ کرے۔ اور نہ ہی کوئی شخص کسی کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں امامت نہ کرے۔

تشریح:- اس حدیث میں امامت کی شرائط بتائی گئی ہیں۔

Marfat.com

امامت دین کا ایک بہت بڑا منصب ہے۔ اس لئے اس کی شرائط بھی کڑی مقرر کی گئی ہیں۔ چونکہ امامت کے فرائض میں قرآنِ حکیم کی قرآت ایک اہم رکن ہے اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سب سے پہلی شرط یہ مقرر فرمائی کہ امام اسے مقرر کیا جائے جو قرآن کو سب سے اچھا یعنی تجوید کے مطابق صحیح پڑھتا ہو۔ اس لئے کہ نماز میں قرآن کی قرأت بھی قرآن کی نشر واشاعت کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ امامت کے فرائض ادا کرنے والا مسلمان قرآن کی قرأت صحیح کرے۔ عربی زبان میں مہارت تامہ رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ اگر عربی حروف کی ادائیگی صحیح مخارج سے نہ ہو۔ اعراب یا دیگر قواعد تجوید کا خیال نہ رکھا جائے تو معنیٰ میں کس قدر تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور نے اس شرط کو باقی تمام شرائط پر ترجیح دی۔ ان شرائط میں دوسری شرط یہ ہے کہ وہ احکام نماز و دیگر مسائل سب سے زیادہ جانتا ہو۔ بالفاظ دیگر اسے تفقہ فی الدین دوسروں سے زیادہ حاصل ہو۔ اس شرط کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ بلکہ بعض آئمہ دین مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ۔ امام محمد۔ امام شافعی اور امام مالک نے اس شرط کو پہلی شرط پر مقدم رکھا۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ عہد رسالت کے قرّاءٗ مسائل دین کا علم بھی دوسروں سے زیادہ رکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور نے آخری دنوں میں صدیق اکبر کو اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔ حالانکہ ان سے اچھی قرأت کرنے والے کئی ایک قاری موجود تھے۔ امام ابو یوسف نیز امام احمد کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے اور یہ حضرات پہلی شرط ہی کو دوسری پر فوقیت دیتے ہیں۔ تیسری شرط ہجرت میں مقدم ہونا ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک ہجرت کے منقطع ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔ اس کے بعد عمر میں زیادہ سن رسیدہ ہونا۔ اور اس کے بعد خوش خلقی گویا امامت کے لئے

Marfat.com

انتخاب کی صورت میں حدیث میں مذکور شرائط کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ جس شخص میں یہ شرائط دوسروں کی نسبت بدرجہ اتم پائی جائیں اسے امام مقرر کر لیا جائے گا۔ اگر کئی ایک اشخاص امیدوار ہوں اور یہ شرائط بھی ان میں مساوی پائی جائیں تو پھر قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۸۵:- عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلٰثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَأُھُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابی سعید سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم تین آدمی ہو تو ایک ان میں سے امام بن جائے اور ان میں زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ پڑھا ہوا ہو۔

تشریح:- حدیث میں مذکور تعداد یعنی تین اتفاقیہ تعداد ہے اگر اس سے کم وبیش ہو تو بھی حکم یہی ہے۔ نفس مضمون میں حدیث بھی مذکورہ بالا حدیث کی تائید کرتی ہے۔ زیادہ پڑھا ہوا۔ مراد احکام و مسائل دین کا زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ خصوصاً مسائل صلوٰۃ۔ اس لئے کہ امام کا مسائل صلوٰۃ سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

باب ما علی الامام: جو بات امام پر واجب ہے اس کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۸۶:- عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّیْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوۃً وَّلَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَانَ لَیَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَیُخَفِّفُ مَخَافَۃَ اَنْ تُفْتَنَ

Marfat.com

اُمّہٗ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح ہلکی اور کامل ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مکرمہ تھی کہ جب آپ نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔ نماز کو ہلکا کر دیتے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں امام کے لئے تعلیم ہے۔ کہ وہ نماز میں امامت کراتے وقت مقتدیوں کا خیال رکھے۔ جہاں تک نماز کے ارکان کا تعلق ہے ان کی ادائیگی صحت کے ساتھ ہو۔ مگر نماز کو غیر معمولی طول نہ دیا جائے۔ اس لئے کہ مقتدیوں میں ممکن ہے بعض ملازم ہوں بعض کاروباری تجارت پیشے بعض مسافر ہوں تو ہر ایک نمازی کو نماز کے بعد اپنے اپنے امور میں مصروف ہونا ہوگا۔ اسلامی تعلیمات یہ نہیں ہیں۔ کہ ایک شخص جس کے ذمہ نماز کے علاوہ دیگر حقوق و فرائض بھی ہیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ وقت مسجد ہی میں گذارے۔ جس سے اس کے دوسرے فرائض رہ جائیں۔ لہٰذا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ سے امام کو نماز ہلکی کرنے کی ترغیب دی۔ اس حدیث میں بچہ کے رونے کا جو ذکر ہے وہ اس لئے کہ بچہ کے رونے سے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے بچہ کی والدہ کا مضطرب حال ہونا بدیہی امر ہے۔ نیز دوسرے نمازیوں کی نماز میں بھی رونے کی آواز سے خلل پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے حضور ایسی صورت میں نماز کو ہلکا یعنی مختصر کر دیتے۔ اس حدیث کا تعلق عہد رسالت کے اس ابتدائی وقت سے ہے جب عورتیں اسی عہد مسجد میں آکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھیں۔

دیتے ہیں عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
نزدیک سجہ حدیث نمبر ۸:۔ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ
میں زیادہ ہو فَاِنَّ فِیْہِمُ السَّقِیْمَ وَالضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَاءَ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص دوسروں کو نماز پڑھائے پس اُسے چاہیئے کہ وہ نماز کو ہلکا کرے اس لئے کہ لوگوں میں بیمار بھی ہوں گے۔ کمزور بھی اور بوڑھے بھی اور جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھے۔ تو جس قدر ممکن ہو نماز کو لمبا کرے۔

تشریح :۔ یہ حدیث بھی امام کو ہدایات دینے کے سلسلے میں پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ مگر زیادہ تفصیل کیساتھ نماز کو ہلکا کرنے کی وجوہات بیان کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیمار، کمزور اور بوڑھے آدمی نماز کی غیر معمولی طوالت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے حضور نے تعلیم دی کہ امام کو چاہیئے کہ وہ نماز کو ہلکا کرے، تاکہ مذکور آدمیوں کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مجسمہ رحمت ہیں، اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ بندوں کو تکلیف مالا یطاق دی جائے۔ بقولہٖ تعالےٰ " لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "

اللہ رسول کا یہ لطف و کرم ہے کہ انہوں نے عبادت میں اس قدر آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔ اس حدیث میں امام کو تو وہ نصیحت ہے جس کا ذکر گذر چکا۔ باقی منفرد نمازی کے لیئے یہ حکم ہے کہ وہ حتی المقدور نماز کو طول دے کر پڑھے۔ رکوع۔ سجود۔ قومہ، جلسہ وغیرہ خوب دلجمعی سے کرے۔ نماز اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ کی حاضری ہے اس میں جس قدر زیادہ وقت گذریگا۔ نمازی کے لیئے باعث سعادت ہے۔ مگر جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں عرض کر چکا ہوں کہ منفرد نمازی بھی اپنی نماز کو اس قدر غیر معمولی طول نہ دے جس سے اس کے پاس دیگر اہم فرائض کو بطریق احسن سرانجام دینے کے لئے وقت نہ بچے۔ مثلاً ایک ملازم نماز کی ادائیگی ہی میں ایک گھنٹہ صرف کر دے تو یہ نامناسب ہو گا۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا الغرض یہ کہ میانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ نماز میں اس قدر اختصار بھی نہ ہو۔ کہ قرأت سنت

Marfat.com

سے کم ہو۔ یا ارکان نماز پوری صحت کیساتھ ادا نہ ہو سکیں۔ اور نہ ہی نماز کو اتنا طویل کیا جائے۔ کہ نمازیوں کے دل میں ملال اور نفرت پیدا ہو نیز عبادت کا ذوق کم ہو جائے۔

حدیث نمبر ۸:۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلُّوْنَ لَکُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَکُمْ وَاِنْ اَخْطَاُوْا فَلَکُمْ وَعَلَیْھِمْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ امام تمہیں نماز پڑھائیں گے اگر وہ اچھی طرح پڑھائیں گے۔ تو تمہیں اس کا فائدہ ہوگا۔ اور اگر وہ غلطی کریں تو بھی تمہارے لئے ثواب ہے اور ان پر وبال۔

تشریح:۔ اس حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کو اچھی طرح نماز پڑھنے کی ہدایت ہے۔ اگر امام نماز میں امامت کے فرائض حسن و خوبی کیساتھ سرانجام دے۔ نماز کو درستگی کے ساتھ پڑھائے تو اس میں اس کا بھی فائدہ ہوگا۔ اور مقتدیوں کا بھی۔ اور اگر امام نماز میں خطا کرے گا۔ تو بحیثیت امام اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ مقتدی اگر جماعت کیساتھ نماز پڑھتے ہوئے نماز درستگی کیساتھ ادا کریں گے۔ تو انہیں اس کا پورا اجر ملے گا۔ گویا اس حدیث سے یہ منتج ہوتا ہے۔ کہ امام کی غلطی کا اثر مقتدیوں کی نماز پر نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ وہ اپنی نماز کی صحت کا خیال رکھیں۔ قرین عقل بھی یہی ہے کہ ایک شخص کی غلطی کا خمیازہ دوسرا کیوں بھگتے۔

R

باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق

امام کی اقتدا اور مسبوق کے احکام کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۸۹:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِىْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّىْ اَرَاكُمْ اَمَامِىْ وَمِنْ خَلْفِىْ۔ (رواہ بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ ایک روز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو ہماری طرف منہ کر کے فرمایا۔ لوگو میں تمہارا امام ہوں پس تم رکوع میں سجدہ میں کھڑے ہونے میں اور پھرنے میں یعنی نماز سے فارغ ہوتے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں جس طرح آگے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے دیکھتا ہوں۔

تشریح:۔ نماز میں مقتدی امام کی اقتدا میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے نامناسب ہے۔ کہ نماز کے کسی بھی رکن میں امام سے سبقت کریں۔ امام بحیثیت امیر جماعت ہوتا ہے۔ جماعت کے افراد کو کسی فعل میں امیر کی مخالفت کرنا یا اس سے اپنے آپ کو مقدم کرنا انتہائی نامناسب فعل ہے۔ جماعت میں ایسا کرنے سے جماعت کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحابہ کرام کو تعلیم فرمائی۔ کہ وہ حضور کے پیچھے نماز پڑھتے وقت رکوع۔ سجدہ۔ قیام وغیرہ کرنے

Marfat.com

سے پہلے نہ کریں۔ حضور نے صحابہ کو متنبہ فرما دیا کہ آپ کی اقتداء کرتے وقت پوری طرح محتاط رہیں اس لئے کے حضور بطور معجزہ و خرق عادت اپنی پچھلی جانب بھی ویسے ہی دیکھتے ہیں جیساکہ سامنے کی جانب الغرض اس میں عام نمازیوں کو تعلیم ہے کہ جماعت کیساتھ نماز پڑھتے وقت امام سے سبقت نہ کریں چنانچہ حضرت براء بن عازب کی روائت جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے پوری صراحت ملتی ہے۔ کہ اصحابہ جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے وقت جب تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لِمَنْ حمدہ کہنے کے بعد سجدہ میں اپنی پیشانی نہ رکھ لیتے اپنی پشت نہ جھکاتے یعنی اس وقت تک سجدہ کرنے کا قصد نہ کرتے۔

حدیث نمبر ۹۰: عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (متفق علیہ) اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِیَّ لَمْ یَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں امام سے پہلے کوئی کام نہ کرو۔ جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔

تشریح: جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں امام سے سبقت کرنے سے ممانعت کے بارے میں حدیث بالکل واضح ہے۔ حضور نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ امام سے پہلے کوئی فعل نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو

Marfat.com

مقتدی تکبیر کہیں۔ امام رکوع کرے تو مقتدی بھی رکوع بھی کریں۔ امام جب ولاالضالین کہے مقتدی آمین کہیں۔ آمین بالجہر کہیں یا آہستہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت مقتدیوں کو تعلیم فرمائی کہ وہ اللھم ربنا لک الحمد کہیں۔ تو یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی تائید و توثیق کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَاسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاسَهٗ رَاسَ حِمَارٍ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ شخص نہیں ڈرتا جو نماز میں امام سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے۔ اس سے خداوند تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے وعید شدید ہے جو نماز میں امام سے سبقت کرتا ہے بعض علماء مثلاً خطابی وغیرہ اس حدیث کو حقیقت ہی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت میں خاص حالات میں مسخ جائز ہے امام ابن حجر بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ کہ مسخ عام ممتنع ہے مگر مسخ خاص ممتنع نہیں۔ تو یہ مسخ خاص کی صورت ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اشعۃ اللمعات میں دمشق کے ایک محدث کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ چہرے پر نقاب ڈالے درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد کافی عرصہ ان کے پاس رہے۔ ایک دن شاگرد نے ان محدث سے نقاب رکھنے کی وجہ پوچھی اور بے حد اصرار کیا۔ تو استاد نے جواب دیا کہ میں نے اس حدیث میں شک کیا تھا۔ اور نماز پڑھتے وقت امام سے سبقت کی تو حضور کے فرمان کے مطابق میرا سر گدھے کا سر بن گیا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) علامہ علی قاری مرقاۃ میں اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ اس وعید کا وقوع عالم برزخ

Marfat.com

میں ہو گا۔ یا دوزخ میں۔ بہر حال مسلمان کے لئے یہ سخت وعید ہے لہذا مقتدی کو جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے وقت امام سے کسی بھی فعل میں سبقت نہیں کرنا چاہیئے۔

بَابُ مَنْ صَلَّی صَلوٰۃً مَرَّتَیْنِ

(اس شخص کے بیان میں جو دوبار نماز پڑھے)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۹۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَاْتِیْ قَوْمَہٗ فَیُصَلِّیْ بِہِمْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے۔

تشریح: حضرت معاذ بن جبل حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں گے۔ اور اغلب یہ ہے کہ یہ ظہر یا عشاء کی نماز کا بیان ہے۔ اس لئے کہ فجر عصر اور مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ نفل کی نیت سے نہیں پڑھ سکتے۔ چونکہ یہ اپنی قوم کے امام بھی تھے۔ اس لئے دوبارہ اپنی قوم کو جاکر نماز پڑھاتے۔ اور یہ اُن کی فرض نماز ہوتی تھی۔ اس لئے کہ امام نفل کی نیت سے مقتدیوں کو فرض نماز نہیں پڑھا سکتا۔ مقتدی فرض نماز میں امام کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز ادا کر سکتا ہے۔ حضرت معاذ حضور کے پیچھے زیادہ اجر و ثواب کے لئے نماز پڑھتے تھے نیز اس لئے بھی کہ نماز سے متعلقہ احکام و مسائل سیکھیں اور جاکر اپنی قوم کو بتائیں۔

Marfat.com

یہ معاملہ صرف حضرت معاذ ہی کے لیے خاص تھا۔ ہر امام کو ایسا کرنا جائز نہیں۔ البتہ کسی شخص نے ظہر یا عشاء کی نماز اکیلے ہی پڑھ لی ہو۔ تو وہ نوافل کی نیت سے جماعت کیساتھ شامل ہو سکتا ہے۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

(سنتوں کا بیان اور اُن کے فضائل)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۹۳ ۱:- عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فِیْ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ ثِنْتَیْ عَشَرَ رَکْعَةً بُنِیَ لَهٗ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ۔ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَکْعَتَیْنِ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔ (رواہ ترمذی) وفی روایة مسلم اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یُّصَلِّیْ لِلّٰہِ کُلَّ یَوْمٍ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ رَکْعَةً تَطَوُّعًا غَیْرَ فَرِیْضَةٍ اِلَّا بَنَی اللّٰہُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِیَ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔

ترجمہ:- حضرت ام حبیبہ کہتی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعتیں پڑھے اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ یعنی چار رکعتیں ظہر سے پہلے دو رکعتیں بعد۔ دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے اور مسلم کی ایک روائت میں ہے کہ انہوں نے یعنی ام حبیبہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو بھی مسلمان خالص

Marfat.com

عذاکے لئے روزانہ بارہ رکعتیں نوافل سوائے فرض کے پڑھے اللہ تعالےٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنایا جاتا ہے جنت میں اس کے لیے ایک گھر

تشریح: جن بارہ رکعتوں کی فضیلت کا بیان حدیث میں مذکور ہے وہ دراصل پانچوں نمازوں سے پہلے یا بعد میں جن کی تفصیل بھی حدیث میں موجود ہے سُنن مؤکدہ ہیں۔ حضور نے انہیں نفلوں میں سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ حضور کے لیے یہ نفل ہی تھے۔ مگر امت کے افراد کے لئے یہ سنتیں کہلاتی ہیں ان کا پڑھنا واجب ہے ان کو چھوڑنے سے نماز میں نقص واقع ہوتا ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر حضور نے ان کے پڑھنے والے کے لئے جنت میں مکان کی خوشخبری دی۔ کسی نفل کی تحریص کے لئے اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ ایک بخشش کا وعدہ۔ کیونکہ جنت بخشش کے بعد ہی ملے گی۔ دوسرے جنت میں مکان کی خوشخبری۔ ایسی خوشخبری کا علم ہوتے ہوئے کون باشعور مسلمان ان سنن مؤکدہ کو ترک کرے گا۔ ان مؤکدہ سنتوں کے علاوہ نمازوں کے ساتھ غیر مؤکدہ سنتیں بھی ہوتی ہیں۔ جن کا ذکر اس حدیث میں تو نہیں وہ عصر سے پہلے کی چار سنتیں اور عشاء سے پہلے کی چار سنتیں ہیں۔ ان سنتوں کا چھوڑ دینا گناہ تو نہیں مگر ہمیشہ ترک نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۱۹۴:- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے نماز پڑھی اور دو رکعتیں ظہر کے بعد۔ دو رکعتیں مغرب

Marfat.com

کے بعد آپ کے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں پڑھیں ابن عمر نے کہا کہ مجھ سے حضرت حفصہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو ہلکی رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے۔ جبکہ آفتاب طلوع ہوتا تھا۔

تشریح:۔ پانچوں نماز میں سنن مؤکدہ کے سلسلے میں یہ حدیث پہلی حدیث کی مؤید ہے صرف تھوڑا سا فرق ہے۔ کہ اس میں ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر ہے جبکہ پہلی حدیث میں چار کا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حضور ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ گھر پر پڑھ کر آتے تھے۔ اور وہ دو رکعت جن کا ذکر حضرت ابن عمر فرما رہے ہیں۔ یہ تحیۃ المسجد ہوگی۔ علامہ علی قاری اور حضرت شیخ عبدالحق اس حدیث کی تشریح میں ایسا ہی فرماتے ہیں۔ ویسے امام شافعی کے نزدیک ظہر سے پہلے سنت کی تعداد دو رکعت ہی ہے۔ وہ اسی حدیث سے سند لیتے ہیں۔ مذہب حنفی میں ان سنتوں کی تعداد چار ہے۔ وہ احادیث جن میں چار سنتوں کا ذکر ہے وہ حضرت علی حضرت عائشہ۔ حضرت ام حبیبہ سے مروی ہیں امام ترمذی کہتے ہیں۔ اکثر اہل علم صحابہ کرام کا اسی پر عمل تھا۔ یعنی وہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت پڑھتے تھے۔ باقی گھر پر سنت پڑھنے کے متعلق پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے۔ جس میں حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ گھروں کو قبروں کی مثل نہ بنا لو۔ نماز کا کچھ حصہ (سنت نوافل وغیرہ) گھر پر پڑھ لیا کرو۔ سورج طلوع ہونے کے بعد حضور کا دو ہلکی رکعت پڑھنا نماز اشراق کے نوافل ہیں۔ نماز اشراق وہ نفلی نماز ہے جو سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر (تقریباً بیس یا پچیس منٹ) بعد پڑھی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۹۵:۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ كَانَ النَّبِيُّ صلے اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کوئی نماز نہ پڑھتے البتہ واپس گھر تشریف لے جاتے پھر گھر میں داخل ہو کر دو رکعتیں پڑھتے۔

تشریح :- نوافل کا چونکہ گھر پہ ہی پڑھنا افضل ہے اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کے نوافل وغیرہ گھر پہ ہی پڑھتے نماز جمعہ سے پہلے اور بعد میں سنت و نوافل کے تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اس حدیث میں نماز جمعہ کے بعد بن دو رکعات کا حضور سے پڑھنے کا بیان ہے۔ یہ دراصل سنتیں ہیں۔ شافعیہ کا اسی پر عمل ہے۔ ایک قول میں سنت جمعہ کو سنت ظہر کے مثل بتایا گیا ہے۔ بعض حدیثوں میں حضور کا جمعہ سے پہلے چار رکعت اور بعد میں چار رکعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک روایت میں جمعہ کے بعد چھ رکعات کا بیان ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک آخری روایت راجح ہے۔

حدیث نمبر ۹۶: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ یَکُنْ النَّبِیّ صلے اللہ علیہ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاھُدًا عَلٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے سب زیادہ حفاظت صبح کی دو سنتوں کی فرماتے تھے۔

تشریح :- اس حدیث میں نماز فجر کی ان دو سنت مؤکدہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ جو فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کا ان پہ مداومت فرمانا مسلمان کے لئے تعلیم ہے کہ ان کی ادائیگی میں سستی نہ کرے اور انہیں قضا نہ کرے۔ اس حدیث کی تائید کئی ایک اور احادیث سے بھی ہوتی ہے مثلاً مسلم کی ایک روایت میں حضور نے ان سنتوں کو دنیا کی تمام چیزوں سے افضل فرمایا ہے اسی لئے اگر فرضوں کی جماعت کی وجہ سے سنت قضا ہو جائے تو طلوع آفتاب

Marfat.com

کے بعد انہیں پڑھ لینا چاہیے۔

عَنْ عَبْدُ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ
حدیث نمبر ۱۹۷۔ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلوٰةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعت نماز پڑھو۔ تین مرتبہ اپنے یہ الفاظ دہرائے تیسری مرتبہ یہ فرمایا جو شخص چاہے پڑھے اور جو نہ چاہے نہ پڑھے اس لئے فرمایا یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں لوگ ان رکعتوں کو سنت مؤکدہ نہ قرار دیں۔

تشریح:۔ نماز مغرب سے پہلے جن دو رکعت کا بیان اس حدیث میں ہے دراصل سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ اور اکثر فقہا کے نزدیک دیگر احادیث کے پیش نظر ان کے پڑھنے کی مخالفت ہے۔ یہ احادیث باب اذان میں گذر چکی ہیں۔

باب صلوٰۃ اللیل ۔ رات کی نماز کا بیان

فصل اوّل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
حدیث نمبر ۹۸:۔ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلوٰةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ سَجْدَةً مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا

Marfat.com

يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد فجر تک گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر کی اس میں شامل کر لیتے اور وتر کی اس رکعت میں اتنا لمبا سجدہ کرتے جتنی دیر میں کوئی شخص پچاس آیتیں پڑھ لے۔ پھر جب مؤذن فجر کی اذان سے فارغ ہوتے اور صبح کی روشنی پھیل جاتی تو آپ کھڑے ہو جاتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پھر اپنی کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک مؤذن آپ کے پاس نماز کی تکبیر کہنے کی اجازت کرنے آتا اور آپ نماز کو تشریف لے جاتے

تشریح:۔ اس حدیث میں عشاء اور فجر کے درمیان پڑھی جانے والی نفلی نماز کا بیان ہے اسے صلوٰۃ اللیل بھی کہتے ہیں۔ اور تہجد بھی۔ اس کے بیشمار فضائل احادیث میں مرقوم ہیں۔ اس کی رکعتوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض میں تیرہ۔ بعض میں نو اور بعض میں سات ہیں اس حدیث میں ان کی تعداد گیارہ بتائی گئی ہے۔ بہر حال تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ان رکعتوں میں وتر بھی شامل ہیں۔ اس حدیث کی شرح میں ابن ملک۔ ابن حجر نیز امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ نماز وتر کی اقل تعداد ایک ہے مگر جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور دو رکعت پر سلام پھیرتے گویا ایک رکعت کو دو کیساتھ ملا لیتے۔ اس طرح وتر کی تعداد تین بن جاتی ہے۔ اور باقی آٹھ رکعت تہجد کے نوافل ہیں۔ آخری رکعت میں حضور کا اتنا طویل سجدہ کرنا حضور کی خصوصیات سے ہے اس پر عمل متروک ہے۔ فجر کی سنتیں پڑھ کر حضور

Marfat.com

کا کچھ دیر کے لئے لیٹ جانا شب بیداری سے پیدا شدہ کلفت سے استراحت حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ تاکہ فرض اچھی طرح ادا ہو سکیں۔ تو یہ فعل مستحب ہے

حدیث نمبر ۹۹ :- عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً مِنْھَا الْوِتْرُ وَرَکْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ جن میں وتر بھی شامل تھے اور دو رکعتیں فجر کی سنتیں۔

تشریح :- یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی موافقت میں ہے۔ اس میں صلوٰۃ اللیل کی گیارہ رکعت کا بیان ہے۔ اس میں تیرہ کا۔ مگر ان تیرہ میں دو رکعت سنت فجر بھی شامل ہیں۔ باقی گیارہ رکعت میں تین وتر اور آٹھ تہجد کے نوافل جیساکہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ نماز وتر کی رکعات کے متعلق جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ تین ہیں چنانچہ شمائل ترمذی میں امام ترمذی نے حضرت عائشہ کی روایت نقل کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں۔ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلٰثًا ۔ یعنی پھر آپ تین رکعت پڑھیں۔ مسلم کی روایت تو اس سے بھی صریح ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ " پھر آپ تین رکعت وتر پڑھتے۔ فجر کی سنتوں کو رات کی نماز میں اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ نماز تہجد کا وقت ختم ہوتے ہی طلوع فجر سے نماز فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۰ :- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ مِنَ اللَّیْلِ فَلْیَفْتَتِحِ الصَّلٰوۃَ بِرَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات کی نماز کے لئے اٹھے تو پہلے دو ہلکی رکعتیں

پڑھے۔

تشریح:۔ صلوٰۃ اللیل کے ضمن میں جن دو رکعتوں کا اس حدیث میں بیان ہے۔ یہ دراصل تحیۃ الوضو کے نوافل ہیں۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حضور کا تہجد سے پہلے ان کے پڑھنے کا بیان ہے۔ تحیۃ الوضو کے نوافل کی فضیلت حدیث شریف سے واضح ہے۔ کہ شب معراج جب حضور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں تشریف لے گئے حضور نے اپنے آگے حضرت بلال کے پاؤں کی آہٹ کو سنا تو یہ واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضور نے حضرت بلال سے دریافت کیا کہ تم کیا عمل کرتے ہو جس کی بدولت تمہیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت بلال نے فرمایا کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔

حدیث نمبر ۱۰۱:۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ کَانَ اَکْثَرُ صَلٰوتِہٖ جَالِسًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک جب بھاری ہو گیا۔ تو آپ اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عذر معقول کے پیش نظر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ مثلاً مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے اس قدر جسمانی کمزوری لاحق ہو جائے کہ نماز میں قیام نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث میں مذکور فعل مبارک سے ثابت ہے۔ مگر صحت تندرستی اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اس صورت میں فرض سنت مؤکدہ اور وتر تو بالکل ہوتے ہی نہیں۔ البتہ

Marfat.com

نوافل پڑھنے کی اجازت ہے۔ مگر بہتر یہی ہے۔ کہ نوافل بھی کھڑے ہو کر پڑھے جائیں۔ اس لئے کہ ایک روایت میں صراحت ہے۔ کہ بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نوافل پڑھنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے ہر ایک کو معقول عذر کے بغیر نفل بیٹھ کر نہیں پڑھنے چاہئیں۔ ویسے ادا تو ہو جائیں گے۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ

(رات کی عبادت میں رغبت دلانے کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۰۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَاْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ۔ متفق علیہ

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تم میں سے کوئی سو جاتا ہے تو شیطان سر کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے اور ہر گرہ پر سونے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ رات بہت بڑی ہے پس تو سو تا رہ پھر اگر وہ سونے والا جاگ اٹھتا ہے۔ اور خدا کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب وضو کرتا ہے۔ تو اس کی ایک اور گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور وہ خوش اور

Marfat.com

بشاش ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نہ جاگا اور خدا کا ذکر نہ کیا تو وہ اس حالت میں صبح کو اٹھتا ہے کہ سست و کاہل اور پلید ہوتا ہے۔

تشریح:۔ شیطان ملعون کی سب سے بڑی کوشش مسلمان کو اس کے رب کے ذکر سے روگرداں کرنا ہے۔ تاکہ وہ اپنے خالق و مالک کا شکر گذار بندہ نہ بن سکے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر اسے اپنی بارگاہ سے ملعون اور مردود ٹھہرا کر نکال دیا تو اس نے کہا کہ میں بنی آدم کو گمراہ کر دوں گا۔ اور یہ کہا کہ " وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شَاکِرِیْنَ " یعنی تو اکثر کو اپنا شکر گذار بندہ نہیں پائے گا۔

رات کی نمازیں جن میں صلوٰۃ عشاء صلوٰۃ فجر اور تہجد شامل ہیں نفس امارہ پر بڑی گراں گذرتی ہیں۔ ان کا اجر و ثواب بھی دیگر نمازوں سے زیادہ ہے اس لئے شیطان ملعون کی انتہائی کوشش ہوتی ہے۔ کہ نمازی میں سستی پیدا کرے۔ منافق چونکہ شیطان کا ہم نوا ہوتا ہے۔ اس لئے عموماً نماز کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ منافق پر فجر اور عشاء کی نمازیں بڑی بھاری ہوتی ہیں اس حدیث میں شیطان کے اس حربے سے مسلمان کو آگاہ کیا گیا ہے۔ جس سے وہ مسلمان میں کسل اور کاہلی پیدا کرتا ہے۔ تاکہ اس کی نماز تہجد یا نماز فجر قضا ہو جائیں۔ لہذا وہ سونے والے نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ کہ ابھی رات بڑی لمبی ہے آرام سے سو۔ حدیث مذکور میں وسوسہ کو گرہ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ محدث ابن ملک نے بیان کیا۔ بعض نے اسے حقیقت پر ہی محمول کیا کہ شیطان فی الواقع گرہیں دیتا ہے۔ اس کا گرہیں دینا اسی طرح ہے۔ جس طرح کہ ساحر سحر کرتے وقت گرہیں دیتے ہیں۔ تین کا عدد عربی میں چونکہ جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث میں شیطان کا تین گرہیں دینا مذکور ہے۔ تاکہ اثر زیادہ ہو۔ علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس توجیہ کی تائید میں ایک روایت بھی نقل کی ہے حدیث میں منقول حقیقت کا مشاہدہ تقریباً ہر شخص کرتا ہے۔ نماز فجر کے وقت

Marfat.com

بے حد سستی پیدا ہوتی ہے۔ اٹھنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔ شیطانی وسوسہ کے اثر سے یہی خیال ہوتا ہے۔ کہ ابھی کافی وقت ہے۔ مگر جن سعادت مندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شیطان ملعون کے اس فریب سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان کے لئے تہجد کی نماز یا نماز فجر کے لئے اٹھنا کوئی دشوار نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن پاک ان خوش بختوں کا ذکر یوں فرماتا ہے۔" تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ـــــ الخ یعنی ان کی کروٹیں ان کے بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے رب کی عبادت اسکے خوف اور اس کی رحمت کی حرص سے کرتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مسلمان کو متنبہ کرتے ہیں کہ اس کا رات کے وقت نماز میں سستی کرنا یا فجر کی نماز کے لئے سستی سے اٹھنا شیطان کی طرف سے ہے تو اس سے بیزاری و نفور اختیار کرے۔ اور سستی نہ دکھائے یہ سستی جو کہ شیطان کی مذکور گرہوں کا سبب ہوتی ہے۔ یوں دور ہو سکتی ہے کہ نمازی اپنے بستر سے الگ ہو جائے۔ اٹھ کر وضو کرے اور نماز ادا کرے۔ حضور نے فرمایا کہ ایسا کرنے سے ایسے نمازی کی طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر پڑے گا مزاج میں انبساط پیدا ہو گا۔ ایسا شخص صبح کے وقت نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر جب اپنے دینوی امور میں مصروف ہو گا۔ تو اس کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گی نتیجۃً وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے بطریق احسن سرانجام دے سکے گا۔ اس کے برعکس جو شخص شیطان کی موافقت میں وقت پر اٹھ کر نماز ادا نہیں کریگا اور طلوع آفتاب تک سویا رہے گا۔ اس کے جسم میں انتہائی کاہلی۔ سستی اور کسل پیدا ہو گا۔ اپنے روزمرہ کے کام کاج بھی اچھی طرح نہیں کر سکیگا بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر سورج طلوع ہوتے تک سویا رہتا ہے۔ اور نماز نہیں پڑھتا اس کے دونو کانوں میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے۔

(اعاذنا اللہ منہا)

Marfat.com

حدیث نمبر ۳۰۱:- عَنِ الْمُغِیْرَۃِ قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ لِمَ تَصْنَعُ ھٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر طویل قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں آپ کی تو اگلی پچھلی ساری خطائیں بخش دی گئی ہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

تشریح:- اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا صلاۃ اللیل کے لئے کثرت قیام کا ذکر ہے۔ حضور اس قدر طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ آپ سے استفسار کرنے والے یا تو صحابہ کرام تھے۔ یا بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ صلوٰۃ اللیل کا مقصد تو اللہ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے۔ تو جب حضور مغفور عن الذنب ہیں اور عصمت انبیاء ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تو پھر قیام لیل میں اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ حضور نے ان کے جواب میں نہایت نفیس ارشاد فرمایا۔ کہ میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ بننے کے لئے اتنا قیام کرتا ہوں۔ گویا اللہ تعالےٰ کی ان گنت نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بہترین ذریعہ اس کی یاد اور اس کی عبادت ہے اور سب سے زیادہ افضل عبادت وہ ہے۔ جو رات کے وقت کی جائے۔ اس لئے کہ رات کے وقت شور و شغب ختم ہو جاتا ہے۔ اور انسان پورے اطمینان سکون اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے۔ اس لئے صلحائے امت صلوٰۃ اللیل کے ہمیشہ پابند رہے ہیں۔ روایات میں مذکور ہے۔ کہ حضور

Marfat.com

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قیام اللیل کے سلسلے میں حدیث حدیث میں مذکور مشقت اٹھاتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ فرمایا۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى" یعنی اے محبوب پاک آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ اسقدر رنج اٹھائیں نیز سورہ مزمل میں حضور کو نصف شب یا اس سے کم قیام کا حکم فرمایا۔

حدیث نمبر ۱۰:۔ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهٗ مَا زَالَ قَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ وَقَالَ فِيْ اُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ رات بھر پڑا سوتا رہتا ہے اور صبح تک نہیں اٹھتا۔ اور نہ نماز کو جاتا ہے آپ نے فرمایا شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔ یا آپ نے فرمایا کہ شیطان اس کے دونوں کانوں میں پیشاب کر دیتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث کا اجمالاً ذکر اس باب کی پہلی حدیث میں گذر چکا ہے۔ اس حدیث میں نماز فجر میں سستی کرنے والے اور قصداً نماز قضا کر دینے والے کو سخت عار دلائی گئی ہے۔ کون شخص یہ پسند کرے گا۔ کہ اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر دے۔ لامحالہ اس حدیث کی صحت پر ایمان رکھنے والا حتی الوسع صبح اٹھنے میں سستی نہیں کرے گا۔ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں نقل ہے کہ بعض صلحاء نے شیطان کے پیشاب کرنے کو حقیقت پر محمول کیا۔ چنانچہ ان سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ وہ سوتے رہے نماز تہجد یا نماز فجر قضا ہو گئی تو انہوں نے ایک سیاہ رنگت کا انسان دیکھا۔ کہ اس نے ان کے کانوں میں پیشاب کر دیا۔ امام حسن بصری سے منقول ہے کہ اگر ایسے موقعہ پر کوئی شخص اپنا ہاتھ

Marfat.com

اپنے کان کو لگاتا تو اُسے تڑپاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس چیز سے کنایہ ہے کہ شیطان ایسے شخص کو حقیر جانتا ہے۔ عام لوگ کسی چیز سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں تو اس چیز پر پیشاب بھی نہیں کرتا۔ گو وہ اس چیز سے از حد نفرت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایسے شخص کے لیے عتاب الٰہی کی بھی ایک صورت ہے۔ کہ جس شخص کے کان نماز فجر کے لیے مؤذن کی اذان نہیں سنتے تو وہ اسی لائق ہیں کہ ان میں شیطان پیشاب کرے۔ اس حدیث کا مقصد جیسا کہ ابتدا میں بیان ہو چکا ہے یہی ہے۔ کہ مسلمان رات کو اتنا زیادہ نہ سوئے کہ نماز فجر ہی قضا ہو جائے۔ ویسے بھی صبح دیر تک سوئے رہنا صحت کے اصولوں کے منافی ہے۔ حد سے زیادہ سونا انسانیت کا تقاضا نہیں بلکہ حیوانیت کا تقاضا ہے جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا

خفتہ باشد ہمچوں حیوان عمر ضائع مے کنند

رحمت را دزد مے رسد چوں پاسبان بیدار نیست

یعنی حیوانوں کی طرح سو کر عمر ضائع مت کر۔ تو ایسے محافظ کی مانند ہے کہ جس مال و دولت کی وہ حفاظت کر رہا ہے اس تک چور پہنچ چکا ہے مگر وہ ابھی سو رہا ہے

حدیث نمبر ۱۰۵:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَهٗ مَنْ یَّسْئَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَ لَهٗ (متفق علیه) وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ ثُمَّ یَبْسُطُ یَدَیْهِ یَقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ غَیْرَ عَدُوْمٍ وَّلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الْفَجْرُ

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات ایک تہائی رہتی ہے۔ تو پروردگار ہر روز آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے مانگے

Marfat.com

میں اس کے سوال کو پورا کروں کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اس کو بخش دوں۔

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ کون ہے وہ شخص جو قرض دے اس کو جو نہ فقیر ہے اور نہ ظالم۔ صبح تک اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔

تشریح ۱۔ انسان کے دل میں کسی چیز کی رغبت پیدا کرنے کے لئے دو ہی طریقے زیادہ مؤثر ہیں۔ ایک یہ کہ اس چیز کے سلسلے میں اس کے دل میں کسی قسم کا خوف پیدا کیا جائے دوسرا یہ کہ اس چیز سے کسی متوقع فائدے کی امید دلائی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بنی نوع انسان کے استاذِ کامل اور بہترین معلم ہیں نہایت نفیس طریقے سے اس حدیث میں صلاۃ اللیل کی رغبت پیدا فرماتے ہیں۔ رحمتِ خداوندی سے کوئی شخص بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر مسلمان کی انتہائی تمنا ہوتی ہے۔ کہ اس پہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی خوب بارش ہو۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو وہ گھڑی جس میں خصوصیت کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے بتاتے ہیں۔ یوں تو خداوند کریم کی رحمت کو طلب کرنے والے کے لئے اس کی رحمتوں کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ خلوص سے دعائیں مانگنے والوں کی دعائیں اس ذات پاک کے اس ارشاد کے مطابق "اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" ہر گھڑی قبول ہوتی ہیں۔ پھر بھی اس ذات کریمہ نے بعض ایسے اوقات مقرر کر رکھے ہیں۔ جن میں دوسرے اوقات کی نسبت دعائیں جلدی قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہیں۔ ان اوقات میں ایک وہ وقت ہے جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ رات کا وہ وقت ہے جب ایک تہائی شب باقی رہ جاتی ہے بعض روایات میں دو تہائی شب کا بھی ذکر ہے۔ حدیث میں اس وقت اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پہ نازل فرمانا یا ہاتھ پھیلانا متشابہات میں سے

Marfat.com

ہے اس لئے کہ وہ ذات ان افعال سے منزہ ہے

مراد یہ ہے کہ اس وقت یا تو ملائکہ رحمت اس کے حکم سے آسمان دنیا پر آتے ہیں۔ یا اس کی رحمتیں نہایت کثرت کیساتھ نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام مالک اور امام ابن حجر عسقلانی نے اس کے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

مرقاۃ میں اس کی تائید میں ایک روایت بھی مذکور ہے آسمان دنیا کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ آسمان دوسرے آسمانوں کی نسبت دنیا والوں کے زیادہ نزدیک ہے گویا یہاں سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں طلب کرنے والوں نیز بخشش مانگنے والوں کو فوراً رحمت اور بخشش عطا ہوتی ہے۔ بعض روایات میں رزق اور تندرستی طلب کرنے کا بھی ذکر ہے کچھ بھی طلب کر لیا جائے۔ اس کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے۔

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

مسلم کی روایت کے الفاظ پڑھ کر تو ایک مخلص مومن تڑپ اٹھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو بے نیاز ذات ہے وہ اپنے بندوں سے قرض طلب کرتا ہے۔ قرض سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ قرض کا لفظ حدیث میں اس لئے استعمال ہوا ہے کہ ان کا اجر آخرت میں ملے گا۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ وہ نہ فقیر ہے نہ ظالم۔ اس لئے کہ قرض دینے سے یہ دونوں وصف مانع ہوتے ہیں۔ فقیری یا ظلم۔ اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے وہ ذات غنی ہے اپنے بندوں پر کسی قسم کا ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰہَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ نیز لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا۔

وہ نیک اعمال جو انسان دنیا میں کرتا ہے۔ ان کا بدلہ سے دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں وہ ذات کریم کئی گنا اجر و ثواب سے نوازے گی۔

حدیث نمبر ۱۰۶: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوُدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ

Marfat.com

اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ بِقُومِ يُوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا

(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند کریم کے نزدیک بہترنماز داؤد علیہ السلام کی اور بہترین روزے بھی داؤد علیہ السلام کے روزے تھے۔ داؤد علیہ السلام آدھی رات سوتے۔ تہائی رات قیام کرتے اور پھر رات کا چھٹا حصہ آرام کرتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن روزہ نہ رکھتے۔

تشریح:۔ دین اسلام اعتدال پسند دین ہے۔ بقولہ تعالیٰ کُنْتُمْ اُمَّةً وَسَطًا۔

عبادات ہوں یا معاملات اسلام میں میانہ روی ہی کو مستحسن سمجھا گیا ہے۔ رسول پاک شہنشاہِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے " خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" یعنی کاموں میں بہترین کام وہ ہے جس میں میانہ روی پائی جائے۔ حدیث مذکورہ اعمل عبادت میں میانہ روی کا درس دیتی ہے۔ صحابہ کرام نے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ساری ساری رات قیام فرماتے ہیں اور کئی کئی دن بغیر افطار کئے ہوئے مسلسل روزے رکھتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی حضور کی اتباع میں ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ حضور نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر ساری رات قیام میں بسر ہو اور سویا نہ جائے۔ تو دن کے وقت کسب معاش کے سلسلہ میں انسان ضروری فرائض سرانجام نہیں دے سکے گا۔ اس لئے رات کا کچھ حصہ آرام بھی کرنا چاہئے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے متعلق اس حدیث میں ذکر ہے۔ کہ آپ رات کا تہائی حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ اور باقی وقت آرام فرماتے۔ اسی طرح روزے سے بھی یوں رکھتے کہ ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن ناغہ کرتے۔ افطار کے بغیر مسلسل روزے رکھنے سے بھی جسمانی قوت میں بہت حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے انسان کا

Marfat.com

ضروری امور سرانجام دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

باب القصد فی العمل۔(اعمال میں میانہ روی کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۰:- عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی نَظُنَّ اَنْ لَّا یَصُوْمَ مِنْہُ شَیْئًا وَّیَصُوْمُ حَتّٰی نَظُنَّ اَنْ لَّا یُفْطِرَ مِنْہُ شَیْئًا وَّ کَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاہُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا رَاَیْتَہٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتَہٗ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مہینے کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے۔یہاں تک کہ ہم یہ خیال قائم کر لیتے کہ اس مہینے آپ روزہ نہ رکھیں گے۔اور کبھی آپ اکثر ایام میں روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم یہ گمان کرتے کہ آپ اب روزہ نہ چھوڑیں گے۔اور اگر تو چاہے کہ رات کے وقت آپ کو نماز پڑھتا نہ دیکھے تو آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتا۔ اور اگر تو چاہے کہ آپ کو سوتا ہوا نہ دیکھے تو آپکو سوتا ہوا پائے۔

تشریح:- زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام انسان کو افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔حضور نفلی عبادت میں خود میانہ روی اختیار فرماتے تاکہ اُمت کبھی اعتدال پر رہے۔اس حدیث میں اسی امر کا بیان ہے۔حضور کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار فرماتے۔ہمیشہ روزہ نہ رکھتے تاکہ افراط نہ ہو اور نہ ہی ہمیشہ افطار فرماتے تاکہ تفریط نہ ہو۔بلکہ ہر ماہ کبھی افطار فرماتے اور

Marfat.com

کبھی روزے رکھتے۔ اسی طرح رات کو آرام بھی فرماتے اور صلوٰۃ اللیل کے لئے قیام بھی فرماتے۔ یعنی حضور کا عمل متوسط ہوتا نہ زیادہ نہ کم۔ قرین حکمت بھی یہی ہے۔ نیز انسانی فطرت بھی یہی چاہتی ہے۔ اُمم سابقہ افراط و تفریط ہی میں پڑکر تباہ و برباد ہوئیں۔

حدیث نمبر ۱۰۸:۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خدا کے نزدیک اعمال میں سے بہترین عمل وہ ہے۔ جو ہمیشہ کیا جائے۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔

تشریح:۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ ایک شخص اطمینان اور آرام کے ساتھ آرام سے اپنی منزل مقصود کی طرف چل رہا ہے۔ اور دوسرا شخص منزل کی طرف تیز دوڑ رہا ہے تیز دوڑنے والا لازماً جلد تھک جائے گا۔ اور عین ممکن ہے۔ کہ اُسے سمانی کوفت اس قدر ہو وہ ہمت ہی ہار دے اور منزل تک رسائی حاصل نہ کرسکے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص جلد یا بدیر منزل مقصود تک ضرور پہنچ جائے گا۔ بعینہ نفلی عبادت میں حد سے زیادہ کثرت کرنے والا۔ انسان اپنے عمل پر ہمیشگی نہیں رکھ سکتا۔ ارشاد خداوندی خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ عمل میں غیر ضروری کثرت فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ اس لئے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو انسانی فطرت سے پورے واقف ہیں انسانی فطرت کے مطابق تعلیم دیتے ہیں۔ ضروری فرائض کے علاوہ باقی نیک اشغال (اور اد وظائف وغیرہ) قلیل ہوں تو ان پر مداومت رکھنا آسان ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور نے اسی کی تحریض فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نیک عمل پر ہمیشگی کو پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں اٹھارویں پارہ کی ابتدائی آیات میں مفلحین کی صفات

Marfat.com

میں ایک صفت یہ بیان فرمائی " والذین ھم علی صلوتہم دائمون "
اور وہ لوگ کامیاب ہیں جو اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ عمل کی کثرت جسے انسان
شروع کرکے چھوڑ دے باعث عتابِ الٰہی ہوتی ہے۔ اسی لئے اہل تصوف اوراد
شروع کرکے ترک کرنا پسند نہیں فرماتے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
حدیث نمبر ۱۰۹۔ وسلم لیصل احدکم نشاطہ واذا
فتر ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تم جب تک خوشی اور اطمینان سے نماز پڑھ سکو پڑھو۔ اور جب
سست ہو جاؤ بیٹھ جاؤ۔

تشریح :- نماز میں سستی اور کسل کا سبب یا نیند ہوگی یا حد سے زیادہ
شکم پری اور یا تکان وغیرہ ظاہر کہ ان سب صورتوں میں نماز پوری صحت
کے ساتھ ادا نہیں ہو سکے گی۔ یا مقتضائے بشریت انسان بادلِ نخواستہ ہی نماز
ادا کرے گا۔ خداوند کریم ایسی نماز کو شرفِ قبولیت نہیں بخشتے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں دماغ پر نیند یا شکم پری کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ اکثر
اوقات نماز پڑھنے والا یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ تو ایسی حالت
میں نماز پڑھنے کا کیا فائدہ۔ شراب کی حرمت سے پہلے اسی لئے رب تبارک
وتعالیٰ نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ کسی آقا کے
سامنے اس کا غلام اس طرح حاضری دے کہ قرائن سے یہ ظاہر ہو کہ حاضری دینے
کو غلام کا دل نہیں چاہتا۔ تو آقا اس غلام کی ایسی حاضری کو کیسے قبول کرے گا
بلا تشبیہہ و بلا مثال مالکِ حقیقی بھی اپنے بندوں کی بہتری کے لئے انہیں اسی
وقت اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ جب انہیں طبع نشاط حاصل
ہو۔ تاکہ حاضری کے جملہ آداب ملحوظ خاطر رکھے جا سکیں۔ اور یہ نہ ہو کہ حاضری

Marfat.com

اُلٹا عتاب کا باعث بنے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ اتنی تن آسانی اختیار نہ کر لی جائے کہ معمولی سی تکلیف محسوس کرنے پر نماز چھوڑ دی جائے۔ جب وہ اس کا عادی ہو جائیگا تو پھر سستی۔ کاہلی یا کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ بہر حال حدیث کا مقصد یہی ہے کہ معبود حقیقی کی عبادت کرتے وقت دل ملول نہ ہو۔ اگر ہو تو ایسی عبادت کو چھوڑ کر آرام کرنا بہتر ہے جب سستی دور ہو جائے۔ سرنج اٹھ جائے تو پھر نماز ادا کرے۔

حدیث نمبر ۱۰۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُّشَآدَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دین ایک آسان چیز ہے۔ اور دین میں جو شخص سختی کرتا ہے۔ دین اس پر غالب آتا ہے۔ پس میانہ روی اختیار کرو قوت کے موافق عمل کرو۔ خوش رہو صبح وشام اور کچھ رات کے حصہ میں خدا سے مدد طلب کرو۔

تشریح: جو شخص بھی دین اسلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرے گا۔ اس پر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث میں فرمایا ہوا جملہ "اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ" کی حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جائے گی۔ آیات قرآنیہ بھی اس حقیقت کی مؤید ومصدق ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "اِنَّمَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" یعنی اللہ تعالےٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ تمہیں تنگی اور تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا نماز ہی کی مثال لیجئے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں صرف پانچ نمازیں فرض کیں۔ ان کی ادائیگی پر زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو چوبیس گھنٹے ہی عبادت کرنے کا حکم دیتا جبکہ اس کا فرمان بھی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ مگر اس نے اپنے رحم وکرم سے صرف

پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا۔ مزید برآں جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ بیٹھ کر پڑھ لے جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا وہ لیٹ کر اشارہ ولی سے پڑھ لے۔ چنانچہ بخاری میں عمران بن حصین کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے۔ پھر وضو کے لئے اگر پانی میسر نہیں یا پانی سے غسل یا وضو کرنے سے بیماری کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا ظن غالب ہے تو بردو صلو تو ن یا تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح مریض اور مسافر کو رمضان کے روزے بیا کو قضا کرنے کی اجازت ہے۔ غرضیکہ جیسا ابتدا میں بیان ہو چکا ہے دین اسلام میں بخلاف دیگر ادیان کے یہ خوبی ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا چنداں دشوار نہیں یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص کوتاہ عقلی یا نقص فی الدین کے سبب ایسا سمجھے تو جب اللہ رسول نے دین کو آسان بنایا تو جو شخص خود اسے اپنے لئے مشکل بنائے تو اس کا یہ فعل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔ ایسا شخص پوری حق ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے رب کا معتوب ہو گا۔ اسی لئے اسلام نے رہبانیت روا نہیں رکھی حضور نے فرمایا "لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" اسلام میں رہبانیت نہیں۔ اعتدال کی تعلیم دینے کے لئے حضور نے تین اوقات کو عبادت الٰہی کے لئے زیادہ ترجیح دی۔ صبح، شام اور رات کا وقت اُن میں قرب خداوندی حاصل کرنے کی ترغیب فرمائی۔ پھر واجب باتوں کو نفس پر واجب کر لینے سے چنداں خوشی و انبساط حاصل نہیں ہوتی۔ جو مستحسن نہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱:- عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ وَعَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهٗ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص وظیفہ پورا کئے بغیر سو رہا یا کچھ وظیفہ پڑھنے

Marfat.com

سے رہ گیا۔ اور اُسے نیند آگئی۔ پھر اس وظیفے کو نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان پڑھ لیا۔ تو وہ اُسی طرح شمار کیا جائے گا۔ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث بھی دین میں رخصت و آسانی دینے کے سلسلے میں پہلی حدیثوں کی تائید کرتی ہے۔ بعض حضرات کا یہ معمول ہے کہ وہ رات کا کوئی وقت اوراد و وظائف کے لئے مقرر کر لیتے ہیں۔ مگر کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے کہ زیادہ تھکن کے باعث نیند آ جاتی ہے۔ تو معمول کے مطابق وظیفہ کا کچھ حصہ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ یا سارے کا سارا ہی رہ جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو ربِّ کریم رؤف الرحیم کی راحت و رحمت کے مظہرِ حقیقی ہیں ایسی صورت میں اجازت فرماتے ہیں۔ کہ ایسا شخص رات کو سو رہے، اور دن چڑھے قبل از زوال وظیفہ پڑھ لے۔ اسے اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا۔ جتنا کہ اُسے مقررہ وقت پر پڑھنے کا ملتا تھا۔ اللہ رسول کی طرف سے مسلمان کے لئے کس قدر سہولتیں ہیں۔

الحمد للّٰہ علےٰ ذٰلِکَ۔

حدیث نمبر ۲۱۱:۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ

(رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو بہتر ہے اور بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے نصف ہے۔ اور جو شخص لیٹ کر پڑھے اس کا ثواب بیٹھے ہوئے پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے۔

Marfat.com

تشریح:۔ نماز میں قیام فرض ہے۔ بلا عذر شرعی فرض۔ وتر اور سنت مؤکدہ بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر بیماری وغیرہ کے باعث کھڑا ہو کر پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا تو ایسے شخص کے لئے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے جیسا کہ بخاری کی اہی باری سے مروی روایت میں صراحت موجود ہے۔ نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ مگر جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہے بلا عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنے کو کھڑا ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملے گا۔ اسی طرح لیٹ کر پڑھنے والے کو بیٹھ کر پڑھنے والے سے آدھا اجر ملے گا۔ لیٹ کر پڑھنے کی صورت یہ ہے۔ کہ دونوں مونڈھوں کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کر لیا جائے اور سیدھے چت لیٹ کر اشاروں سے نماز ادا کر لی جائے۔ چنانچہ دار قطنی میں چت لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں ایک روائت موجود ہے۔ کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بیٹھ کر پڑھنے کی نسبت اسی طرح بیٹھ کر پڑھنا لیٹ کر پڑھنے کی نسبت نفس امارہ پر زیادہ گراں گزرتا ہے۔ مزید برآں بارگاہ ایزدی میں مؤدب رہنے کی بہتر صورت ہے۔ اس لئے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے تن آسانی بھی بہت حد تک ختم ہو جاتی ہے۔ تن آسان انسان دینوی فرائض کو بطریق احسن سرانجام نہیں دے سکتا۔ گویا یہ حدیث مسلمان کو جفاکش بننے کی بھی تعلیم دیتی ہے۔

بَابُ الوِتْرِ (وتر کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۱۳:۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰی (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ:- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہیں، پس جب تمہارے سے کسی کو صبح ہو جانے کا خوف ہو تو
ایک رکعت اور پڑھ لے جو اس نماز کو طاق بنا دے گی۔

تشریح:- اس حدیث میں صلاۃ اللیل کی اقل رکعات کا ذکر ہے جو دو ہیں۔ امام شافعی۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اسی حدیث سے حجت پکڑ کر رات کو دو دو رکعت نفل پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں۔ مگر مشہور اور راجح قول کے مطابق آٹھ رکعات ہیں۔ جیسا کہ باب صلوٰۃ اللیل میں گذر چکا ہے۔ نماز وتر عشاء اور فجر کے درمیانی حصہ میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک سنت اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ اس کی رکعات کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ اس سے قبل صلاۃ اللیل کے باب میں بھی اس کا بیان ہو چکا ہے۔ مختلف روایات کے اعتبار سے اس کی رکعات ایک، تین یا پانچ ہیں شافعیہ کے نزدیک وتر ایک ہی ہے۔ اور یہ حضرات مذکور حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مذہب حنفی کے مشہور محدث اور فقیہ امام طحاوی فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث سے وتر کی ایک رکعت کا ثبوت نہیں ملتا اس لئے کہ حضور نے تیسری رکعت کے متعلق فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں کیساتھ پڑھے اور یہ ان دونوں کو طاق کر دے گی۔ گویا اس طرح وتر کی تین رکعت ہو جائیں گی۔ امام ہمام نے بھی اس بات کی تائید فرمائی وہ فرماتے ہیں کہ تیسری رکعت کو علیحدہ تکبیر تحریمہ سے پڑھنے کا حکم اس حدیث میں نہیں ملتا۔ نیز حضور نے علیحدہ ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ علامہ علی قاری نے مرقاۃ میں شیخ عبد الحق نے لمعات نے وتر کی تین رکعات ہونے کے ثبوت کے دلائل کے سلسلے میں مفصل بحث کی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت جس کا ذکر صلاۃ اللیل کے باب میں گذر چکا ہے میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ۔ یعنی پھر حضور نے تین رکعت وتر پڑھے۔

Marfat.com

حدیث نمبر ۱۱۴:- عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا یَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ فَلْیُوْتِرْ اَوَّلَہٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ یَّقُوْمَ اٰخِرَہٗ فَلْیُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّیْلِ فَاِنَّ صَلٰوۃَ اٰخِرِ اللَّیْلِ مَشْھُوْدَۃٌ وَذٰلِکَ اَفْضَلُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اس امر کا اندیشہ ہو کہ آخر رات میں وہ وتر پڑھنے کے لیے نہ اٹھ سکے گا۔ اس کو چاہیے کہ وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جس شخص کو آخر رات میں اُٹھنے کی امید ہے وہ رات کے آخر میں وتر کو پڑھے اس لئے کہ پچھلی رات کو نماز مشہود ہے۔ آخر رات میں وتر پڑھنا بہتر ہے

تشریح:- جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ نماز وتر کا وقت عشاء اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے۔ نماز تہجّد جس کے فضائل بے شمار ہیں کہ تحریص کے سلسلہ میں نماز وتر کا افضل ترین وقت رات کا آخری حصّہ قرار دیا۔ مگر سہولت کی خاطر حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے جو طلوع فجر سے پہلے تہجّد کے لئے نہیں اُٹھ سکتا۔ اجازت دی کہ وہ عشاء کے ساتھ ہی وتر پڑھ لے البتہ تہجد پڑھنے والوں کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ تہجد کے نوافل کے بعد وتر پڑھیں۔ اس حدیث میں آخری شب کی نماز کو مشہودہ فرمایا گیا۔ اس لئے کہ یہ وقت ملائکہ رحمت کے حاضر ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ وقت نماز وتر کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۵:- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ بِثَلٰثٍ صِیَامِ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ وَرَکْعَتَی الضُّحٰی وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ۔ (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ میرے دوست صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک تو ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی۔ دوسرے طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی اور تیسرے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔

تشریح :۔ اس حدیث میں جن تین روزوں کا ذکر ہے۔ یہ ہر قمری ماہ کی تیرہ۔ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے ہوتے تھے۔ انہیں ایام بیض کے روزے کہتے ہیں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ روزے رکھتے تزکیۂ نفس کے لئے روزہ کی عبادت نہایت موثر ہے۔ اس لئے تعلیم امت کے لئے حضور یہ نفلی روزے رکھتے اور ان کے رکھنے کی حضرت ابوہریرہ کو نصیحت بھی فرمائی۔ اگرچہ اس نصیحت میں حضرت ابوہریرہ کا ذکر خاص طور پر ہے۔ مگر کنایۃً اس میں تمام امت شامل ہے۔ سورج طلوع کے بعد دو رکعت نماز یا تو نماز اشراق ہے یا نماز چاشت۔ ان نفلی نمازوں کے بھی فضائل کثرت سے احادیث میں موجود ہیں۔ تیسری بات سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی نصیحت ہے۔ یہ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ سونے کے بعد طلوع فجر سے پہلے آنکھ نہ کھلے اور نماز وتر ہی قضاء ہو جائے اس لئے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے۔ عشاء کے ساتھ ہی وتر کا پڑھ لینا بہتر ہے۔ اس سے نماز وتر کی فضیلت واہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

بَابُ الْقُنُوتِ ۔ (قنوت کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۱۶ :۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰى

Marfat.com

اَحَدٍ اَوْ يَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَمَسْلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ ابْنَ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ الْاٰيَةَ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی کو بددعا دینے کا ارادہ فرماتے یا کسی کے لئے دعا فرماتے۔ تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے اور بعض وقت جب کہ آپ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے تو یہ دعا کرتے ’’اے اللہ ولید بن ولید کو۔ مسلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو نجات دے اور اے اللہ قوم مضر پر تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو قحط کی صورت میں نمودار کر ایسا قحط جو یوسف علیہ السلام کے قحط کی مانند ہو۔ آپ یہ دعا بلند آواز میں کرتے تھے کبھی آپ یہ بددعا کرتے اے اللہ تو لعنت کر فلاں اور فلاں کو یہ بددعا آپ عرب کے قبائل کے لئے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خداوند تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔

تشریح:۔ لفظ قنوت کے عربی لغت میں کئی ایک معنیٰ ہیں۔ مثلاً اطاعت کرنا۔ خشوع۔ نماز میں قیام اور دعا کرنا حدیث مذکور میں مؤخرالذکر معنیٰ مقصود ہیں۔ نماز وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا یا بددعا کا کرنا حضور کے لئے ایک خاص وقت تک مشروع تھا۔ بعد میں جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نے اسے ترک کر دیا۔ گو خاص حالات مثلاً دشمن کے خوف کے وقت قحط یا وبا کے وقت اس طرح دعا مانگنا احناف کے نزدیک

بھی جائز ہے چنانچہ علامہ طیبی نے اس کے جواز پر دلائل دیئے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث میں جن حضرات کے لئے حضور نے دعا فرمائی۔ یہ سب مسلمان تھے جو کسی نہ کسی طرح کفار مکہ کی قید میں آگئے تھے۔ اور کفار مکہ ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کی قید سے ان کی رہائی کے لئے دعا فرمائی۔

ان میں سے ولید بن قریشی مخزومی حضرت خالد بن ولید کے بھائی تھے۔

غزوہ بدر میں ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ قید ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت خالد فدیہ دیکر انہیں چھوڑا لائے۔ مکہ آکر مسلمان ہو گئے۔ ان کے بھائیوں نے ناراض ہو کر انہیں قید کر لیا اور تکلیفیں دینے لگے۔ مسلمہ بن ہشام ابو جہل کے بھائی تھے اور قدیم الاسلام تھے انہیں بھی کفار مکہ نے قید کر رکھا تھا۔ عیاش بن ابی ربیعہ ابو جہل کے اخیافی بھائی تھے۔ یہ بھی قدیم الاسلام تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے مگر ابو جہل فریب سے انہیں مکہ لے گیا اور انہیں باندھ کر ڈال دیا۔ تو حضور ان مومنوں کے لئے دعا فرماتے اور کفار مکہ کے لئے جنہوں نے ان بے قصور مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے قحط کی بددعا کی چنانچہ آپ کی بددعا سے یہ کفار سات برس تک سخت قحط میں مبتلا ہوئے۔ حتیٰ کہ مرداروں کی ہڈیاں کھانے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کفار مکہ کے لئے بددعا کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ اس لئے کہ ان میں سے اکثر کا اسلام میں داخل ہو جانا مقدر تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن تقریباً سب کے سب قریش مکہ مسلمان ہو گئے۔ بددعا کرنے کا یہ واقعہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ ہجرت کے بالکل ابتدائی سالوں غالباً ۳ھ یا ۴ھ کا ہے

حدیث نمبر ۱۱۷: عَنْ عَاصِمِنِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلٰوةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

Marfat.com

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهُ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- عاصم الاحول کہتے ہیں۔ کہ میں نے انس بن مالک سے نماز میں قنوت کا حال پوچھا یعنی یہ کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں۔ حضرت انس نے کہا کہ رکوع سے پہلے پڑھی جائے اس لئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ستر قاریوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا ان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے قاتلوں کے لئے حضور نے ایک ماہ تک قنوت رکوع کے بعد پڑھی۔ جس میں آپ اُن کے لئے بد دعا کرتے تھے۔

تشریح :- یہ حدیث بھی نفس مضمون میں پہلی حدیث کی تائید ہے۔ سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے کہ حضور نبیٔ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے کہنے پر اصحاب صُفہ میں سے ستر قاریوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا۔ اہل نجد نے دھوکے سے ان سب حضرات کو شہید کر دیا۔ ان مظلوم اور بے کس صحابہ کا بے دردی کے ساتھ قتل کر دینا انتہائی المناک واقعہ تھا۔ چنانچہ حضور کو اس کا بے پناہ رنج ہوا۔ حضور نے ایک ماہ تک ان ظالم نجدیوں کے لئے وتر کی نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد بد دعا فرمائی۔ بعدہٗ حضور قنوت کو رکوع سے پہلے ہی پڑھتے رہے چنانچہ حضرت عاصم الاحول کے استفسار پر حضرت انس نے یہی جواب دیا جو مذکور ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَان

(ماہ رمضان کی عبادت کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۱۱۸ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرَغِّبُ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّاْمُرَهُمْ فِیْهِ بِعَزِیْمَةٍ فَیَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ

(رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ماہ رمضان میں عبادت کی رغبت دلاتے تھے - لیکن تاکید کے ساتھ کوئی حکم نہ دیتے تھے - چنانچہ آپ یہ فرماتے تھے - جو شخص صدق دل اور اعتقاد صحیح کے ساتھ رمضان کا قیام کرے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسی طریقہ پر عمل رہا - پھر حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں بھی اس پر عمل درآمد رہا اور حضرت عمرؓ کے ابتدائے خلافت میں بھی اسی طرح رہا -

تشریح :- ماہ رمضان میں دیگر مہینوں کی نسبت عبادت کا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے - روایات میں ہے کہ اس ماہِ مبارک میں ایک نیکی

Marfat.com

کا ثواب ستر گن ملتا ہے۔ اور نفل نماز کا ثواب فرض کے برابر ہوتا ہے اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو اپنی اُمت کے لئے بڑے ہی حریص ہیں۔ لقولہ تعالیٰ "حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"۔ امت کو اس مہینہ میں زیادہ عبادت کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص خلوص اور صدق دل کیساتھ ماہ رمضان میں قیام کرے اللہ تعالےٰ اس کے پہلے تمام صغیرہ گناہ بخش دیتا ہے۔ قیام سے مراد نماز تراویح ہے۔ یہ ایک نفلی نماز ہے جو صرف ماہِ رمضان میں نماز وتر سے پہلے اور عشاء کے بعد پڑھی جاتی حضرت زید بن ثابت کی روائت میں جو صحیح بخاری میں ہے۔ یہ واقع درج ہے۔ کہ حضور نے کئی ایک دن یہ نوافل (تراویح) اصحابہ کے ساتھ مل کر پڑھی پھر اس خوف سے کہ کہیں یہ نماز میری امت پہ فرض نہ ہو جائے۔ اس کے لئے جماعت کا اہتمام چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ دیگر نفل نمازوں کی طرح اسے گھر پہ ہی پڑھ لیا کرو۔

حدیث مذکور میں بھی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اگرچہ تراویح کے لئے رغبت دلاتے مگر تاکیداً حکم نہ فرماتے۔ مبادا یہ نماز فرض ہو جائے اور امت پر اس کے عدم ادائیگی کی صورت میں زیادہ گرفت ہو۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ اکیلے اکیلے ہی نماز تراویح پڑھتے رہے۔ خلافتِ صدیق اکبر میں بھی اس پر عمل رہا اور حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی کے دور خلافت کی ابتدا میں بھی لوگ جداگانہ تراویح پڑھتے رہتے۔ اس کے بعد آپ نے مناسب سمجھا کہ لوگ یہ نفلی نماز جماعت کیساتھ پڑھیں۔ چنانچہ بخاری میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی روائت میں یہ سارا واقعہ مفصل مذکور ہے۔ جس کا لُبّ لباب یہ ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب کے پیچھے سب کو با جماعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور ایک دن لوگوں کو جماعت کیساتھ اپنے قاری کے پیچھے نماز

Marfat.com

تراویح پڑھتے دیکھ کر آپ بڑے خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰی

اشراق اور چاشت کی نمازوں کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۱۱۹۔ عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَیْتَهَا یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی ثَمَانِیَةَ رَکْعَةٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَیْرَ اَنَّهٗ یُتِمُّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی وَذٰلِكَ ضُحًی۔ متفق علیہ

ترجمہ: حضرت ام ہانی کہتی ہیں۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، غسل فرمایا۔ اور آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی نہیں دیکھی لیکن آپ رکوع اور سجود کو پورا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ام ہانی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔

تشریح: نماز یاد الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے اسی لئے رب تعالےٰ نے حکم فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ ؕ میری یاد کے لئے نماز پڑھ۔ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو تسکین نصیب ہوتی ہے۔ تبھی تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ "قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اپنے رب کی یاد کثرت کیساتھ کرنے کے لئے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم پنجگانہ

Marfat.com

فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں بھی پڑھتے۔ اور اپنے قول و فعل سے اپنے امتیوں کو بھی ان کے پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ ان نفلی نمازوں میں صلوٰۃ الضحیٰ بھی ہے۔ ضحیٰ عربی میں سورج کے اچھی طرح چڑھ آنے کو کہتے ہیں۔ دراصل صلوۃ الضحیٰ میں دو نفلی نمازیں شامل ہیں ایک کو اشراق اور دوسری کو چاشت کہتے ہیں۔ اول الذکر نماز کا وقت سورج کے ایک دو نیزے بلند ہو جانے پر ہوتا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ دو ہی رکعتیں ہیں۔ اس کے وقت کو ضحوۂ صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ دوسری نماز نمازِ چاشت کہلاتی ہے۔ اس کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج اچھی طرح گرم ہو جاتا ہے۔ اس نماز کی رکعات کی تعداد زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ چار زیادہ مشہور ہیں۔ نمازِ چاشت کے وقت کو ضحوۂ کبریٰ کہتے ہیں۔ مواہب لدنیا میں شیخ ولی الدین ابن العراقی کا قول منقول ہے۔ کہ صلوٰۃ الضحیٰ کے فضائل میں صحیح اور مشہور احادیث وارد ہیں۔ محمد بن جریر الطبری فرماتے ہیں کہ اس بارے میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی فرماتے ہیں۔ کہ یہ نماز صلوٰۃ الیقین ہے۔ علامہ سیوطی نے دیلمی سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس نماز کو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ ابن نجار نے ثوبان کی حدیث نقل کی کہ اس نماز کو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام پڑھتے تھے۔ بعض حضرات مذکور روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور نے فتح مکہ کے دن ام ہانی کے گھر جو آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ یہ نماز شکرانہ تھی۔ مگر تحقیق شدہ امر یہی ہے کہ یہ نماز ضحیٰ تھی۔ جیسا کہ مسلم اور ابو داؤد میں حضرت ام ہانی کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ یہ صلوٰۃ ضحیٰ ہی تھی۔

حدیث نمبر ۱۲۰: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰی كُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ

Marfat.com

فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِي مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابوذر کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہوتا ہے۔ تمہاری ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر تہلیل صدقہ ہے اور ہر تکبیر صدقہ ہے۔ نیک کام کا حکم دینا صدقہ ہے بُری بات سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب کے مقابلہ میں دو رکعات چاشت کی کافی ہوتی ہیں۔

تشریح :- طلوع آفتاب کے بعد ہر شخص امور معاش کے سلسلے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے صحت تندرستی شرط ہے۔ صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے جسم کے کسی عضو یا ہڈی میں معمولی سی تکلیف انسان کی بے چینی کا سبب بن جاتی ہے۔ تو جس شخص کی رات خیریت سے گذر جائے۔ صبح اس کے جسم کے تمام اعضاء صحیح و سالم ہوں۔ اُس پر واجب ہے کہ اپنے منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرے کس قدر شکر ادا کرے۔ اس کے متعلق حضور نے نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ میں فرمایا کہ ہر ہڈی پر صدقہ واجب ہے۔ جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس قدر جسم میں ہڈیاں ہیں اُس قدر ہی شکرانہ کے لئے صدقہ دیا جائے۔ لفظ صدقہ سے عام مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں غریبوں مسکینوں۔ محتاجوں پر مال میں سے کچھ خرچ کیا جائے۔ مگر اسلام میں جس طرح لفظ عبادت ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اس طرح لفظ صدقہ کا مفہوم بھی وسیع ہے۔ چنانچہ اسلام میں ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل بھی صدقہ میں شامل ہے۔ تو حضور اس حدیث میں طلوعِ آفتاب کے بعد جس صدقہ کی تعلیم دے رہے

Marfat.com

ہیں وہ تسبیح تہلیل وتکبیر کے کلمات ہیں۔ یعنی سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر
بانیک کاموں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا۔ گویا ہر مسلمان جب صبح اُٹھے
تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس پر واجب ہے کہ وہ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کو اپنا مشن بنائے۔ اس کے بعد حضور فرماتے ہیں۔ کہ اگر
چاشت کی دو رکعات پڑھ لی جائیں تو یہ اول الذکر سب نیکیوں کا بدل
ہو جائیں گی۔ یہ دو رکعات دراصل نماز اشراق ہی ہے۔ اس کے لئے لفظ
ضحیٰ ہی استعمال ہوا ہے۔ جس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ یہاں ضحیٰ سے مراد
ضحوۂ صغریٰ ہے۔ اس حدیث سے نماز اشراق اور چاشت کی فضیلت
واضح ہوتی ہے۔ نیز اس کے پڑھنے کی حکمت کا بھی بیان ہے۔ کہ یہ ایک قسم
کی نماز شکر الٰہی ہی ہے۔ اس امر پر کہ اللہ تعالےٰ نے خیریت سے رات گذاری
اور دن چڑھنے کیساتھ اشغال دینوی کے لئے تندرستی کی نعمت سے نوازا۔

حدیث نمبر ۱۲۱:- عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ

(رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت
کی نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے
وقت میں نماز اس سے بہتر ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
کہ خداوند کریم کی طرف کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جبکہ
اونٹوں کے بچے گرم ہو جائیں۔

تشریح:- قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ صلوٰۃ الضحیٰ کا اطلاق
دو نفلی نمازوں پر ہوتا ہے۔ نماز اشراق ونماز چاشت۔ نیز یہ کہ اول الذکر

نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب طلوع ہونے کے بعد اچھی طرح روشن ہو جائے۔ اس کے بعد نماز چاشت کا وقت جس کی تصریح اس حدیث میں مذکور ہے وہ ہے جب سورج اچھی طرح گرم ہو جائے۔ اس وقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے حضور نے فرمایا کہ جب اونٹوں کے بچے گرم ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ سورج گرم ہونے سے زمین گرم ہو جائے گی۔ جس سے اونٹوں کے بچوں کے پاؤں گرم ہو جائیں گے۔ تو یہ وقت اس وقت ہوتا ہے جب دن تقریباً ڈیڑھ پہر گذر جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت میں نماز چاشت پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ یہ آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالٰے کی یاد کو اپنے آرام پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اوابین میں شامل فرماتا ہے۔ اور اپنے قرب سے نوازتا ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ (نفل نماز کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۲:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّے اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِکَ الطُّهُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال سے فرمایا اے بلال تو اپنے اس عمل کو بیان کر جو سب سے زیادہ امید افزا ہو۔ اور تو نے اسلام کی حالت میں اس پر عمل کیا!

Marfat.com

کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیری جوتیوں کی آواز سُنی ہے۔ بلال نے عرض کیا میں نے اس عمل سے زیادہ کوئی امید افزا عمل نہیں کیا کہ جب بھی میں نے دن یا رات کے وقت طہارت حاصل کی۔ میں نے اس سے اس قدر نماز پڑھی جس قدر خدا نے مقدر کی۔

تشریح:۔ نفل نماز کی تحریص کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر زیادہ مؤثر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فرض نماز تو ایک قسم کا بندہ کے ذمہ فرض خداوندی ہے جسے ادا کرنا اس پر واجب ہے نفل نماز اللہ کی طرف سے واجب نہیں مگر جو شخص اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرنے کے لئے نفل نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُسے اپنے قرب سے نوازتا ہے اس سے محبت فرماتا ہے، نفل نماز پڑھنے والا رب کا اتنا مقرب بن جاتا ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی ہی میں جنت میں پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ شب معراج نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اپنے سامنے حضرت بلال کے پاؤں کی آہٹ کو سُنا۔ لطف کی بات یہ ہے۔ کہ حضرت بلال نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ حضور نے جب ان سے وہ عمل پوچھا جس کی بدولت انہیں بارگاہ خداوندی سے یہ درجۂ علیہ ملا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں جب کبھی وضو غسل یا تیمم کر لوں، اُسی وقت جب توفیق ایزدی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ تو یہ نفل نماز وہ ہے جسے تحیۃ الوضوء کہتے ہیں۔ احادیث میں ان نوافل کے بے شمار فضائل ہیں۔ حضرت بلال کا حضور کے آگے آگے جنت میں چلنا یوں ہے۔ جیسے خدام اپنے آقاؤں کے آگے آگے چلتے ہیں۔

حدیث مذکور میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے۔ کہ نوافل یا دیگر اعمال حسنہ تب ہی قرب خداوندی کا باعث بن سکتے ہیں۔ جب کہ ان کے ادا کرنے والا مسلمان ہو۔ غیر مسلم خواہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کرے

خدا کا مقرب نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی محبت اور اپنے قرب کے لئے جو شرط مقرر فرمائی ہے۔ وہ اتباع رسول صلے اللہ علیہ وسلم۔ لقولہ تعالیٰ۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اے میرے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

حضور کی پیروی حضور پر ایمان کے بغیر بے معنیٰ ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

الغرض اسلام میں داخل ہونے کے بغیر کوئی شخص نہ تو جنت میں جا سکتا ہے اور نہ ہی خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ (نماز سفر کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۳:۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِیْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّی الْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں

تشریح:۔ اس حدیث میں دراصل سفر کی حالت میں نماز فرض میں قصر کا بیان ہے۔ جو شخص اپنے گھر سے تین دن کی مسافت پر نکلے وہ اصطلاح شرع میں مسافر کہلاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا ارادہ اس جگہ پندرہ

Marfat.com

روز سے زیادہ ٹھہرنے کا نہ ہو۔ سفر کی حالت میں مسلسل سفر کرنا شرط نہیں بلکہ راستے میں کھانا کھانے۔ نماز پڑھنے آرام کرنے یا دوسری حوائج ضروریہ کے لئے رُکنا بھی شامل ہے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ فاصلہ ۵۷ ۳/۸ میل بنتا ہے اتنی مسافت خواہ پیدل چلے یا کسی قسم کی سواری کے ذریعے طے کرے۔ مسافر کے لئے نمازیں قصر کرنا واجب ہے اگر قصر نہیں کرے گا۔ تو گنہگار ہو گا۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے گویا قصر کرنے والا اللہ کے احسان کو قبول نہیں کرتا۔ مسافر کے لئے سفر کی حالت میں نمازیں قصر کرنے کا بیان قرآن پاک میں اس آیتہ مبارکہ میں مذکور ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ یعنی جب تم زمین میں سفر کرو۔ تو تمہیں اس کا گناہ نہیں۔ کہ نماز میں قصر کرو۔

قصر کا مطلب یہ ہے کہ جن نمازوں میں فرضوں کی رکعات کی تعداد چار ہے ان میں چار کی بجائے دو رکعات پڑھی جائیں گی۔ گویا سفر کی حالت میں قصر کا اطلاق ظہر، عصر اور عشاء پر ہی ہو گا۔ باقی نمازوں پہ نہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں ذی الحلیفہ میں جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ حضور نے نماز عصر میں قصر فرمائی۔ اس لئے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسافر جس وقت اپنی آبادی سے باہر نکل جائے گا۔ اس پر مسافر کے احکام کا اطلاق ہو جائے گا۔ الحاصل مسافر کے لئے نمازیں قصر کرنے کی اجازت اللہ رسول کی طرف سے ایک سہولت ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۴:۔ عَنْ حَارِثَۃَ بْنِ وَھْبٍ الْخُزَاعِیِّ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَکْثَرُ مَا کُنَّا قَطُّ اٰمَنُہٗ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت حارثہ بن وہب کہتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منٰی میں ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں اس حال میں کہ ہم بہت سے آدمی تھے اور امن کی حالت میں تھے۔

تشریح :- یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے ۔ اس موقعہ پہ صحابہ کرام کی تعداد کافی تھی۔ کفار کی طرف سے انہیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا حضور کا اس موقعہ پہ دو رکعت پڑھانا اس امر پہ دلالت کرتا ہے ۔ کہ سفر کی حالت میں نماز میں قصر کرنے کے حکم کے سلسلے میں دشمن کے خوف کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے ۔ دشمن کے خوف کا ہونا قصر کے لیے شرط نہیں ۔

حدیث نمبر ۱۲۵ :- عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں ۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کیا اور انیس دن تک قیام فرمایا ۔ اور اس عرصہ میں برابر دو دو رکعتیں پڑھتے رہے ۔ ابن عباس کہتے ہیں ۔ کہ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان کسی منزل میں انیس دن تک ٹھہرتے تو دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے ۔ اور اس سے زیادہ ٹھہرتے تھے تو ہم چار رکعت پڑھتے تھے ۔

تشریح :- مسافر کے لیے کسی جگہ پہ قیام کی زیادہ سے زیادہ مدت جس میں اسے نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے امام شافعی کے نزدیک یہ مدت چار دن ہے ۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک انیس دن ہے ۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے ۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس منفرد ہیں ۔ حدیث میں اگرچہ انیس دن

Marfat.com

قیام کرنے کا ذکر تو موجود نہیں مگر یہ صراحت نہیں کہ اتنے دن بہ نیت قیام ہی ٹھہرے اس لئے کہ نماز میں قصر کرنے کے سلسلے میں مسافر کے لئے قیام کرنے کی مدت کی نیت ضروری ہے۔ علامہ طحاوی نے طحاوی میں اور امام محمد نے کتاب الاثار میں حضرت ابن عمر سے مروی ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ وہ آذربائیجان میں رہے مگر نماز قصر کرکے پڑھتے رہے اس لئے کہ وہ آج یا کل چلنے کا ارادہ کرتے رہے اور اسی طرح چھ ماہ گذر گئے۔ اسی سفر میں کئی ایک اصحابہ بھی آپ کے ہم سفر تھے مگر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت انس مروان بن عبدالملک کے ساتھ دو ماہ تک شام میں رہے۔ مگر نماز قصر کرکے پڑھتے رہے اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے

حدیث نمبر ۱۲۶: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ صَلٰوۃِ الظُّہْرِ وَ الْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰی ظَہْرِ سَیْرٍ وَیَجْمَعُ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَآءِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے آپ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ اور مغرب و عشاء کو بھی جمع کرتے تھے۔

تشریح:۔ مسافر کے لئے سفر کی حالت میں دو نمازیں جمع کرکے پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اسی حدیث سے استدلال کرکے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک حالت سفر میں دو نمازیں جمع کرکے پڑھنا جائز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں حدیث میں جمع کی مذکور حالت حقیقی نہیں بلکہ صوری ہے۔ اس طرح کہ ایک نماز اپنے آخری وقت میں پڑھی گئی۔ اور دوسری اول وقت میں اس طرح دو نمازیں جو ایک دوسری کے ساتھ ساتھ ہوں پڑھی جا سکتی ہیں۔ ظاہراً دونو نمازیں ایک ہی وقت میں اکٹھی پڑھی جائیں گی مگر حقیقت میں دونو اپنے اپنے

Marfat.com

وقت میں ہوں گی۔ مثلاً ظہر آخری وقت میں ادا ہو جائے اور عصر اپنے اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ نیز صحیحین کی ایک حدیث جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے احناف کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز وقت مقررہ کے بغیر دوسرے وقت میں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حدیث نمبر ۱۲۷:- عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ حَیْثُ تَوَجَّھَتْ بِہٖ یُوْمِیُٔ اِیْمَاءً صَلٰوۃَ اللَّیْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَیُوْتِرُ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں رات کو سواری پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ خواہ سواری کا رخ کسی جانب ہو۔ مگر فرض نماز سواری پر نہ پڑھتے تھے۔ البتہ وتر پڑھ لیتے تھے۔

تشریح:- اس حدیث میں دو امور کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ حضور نے سفر کی حالت میں سواری پر رات کی نماز اور وتر پڑھے دوسرا یہ کہ سواری کا رُخ خواہ کسی طرف بھی ہوتا نماز پڑھ لیتے۔ ان ہر دو امور کے سلسلے میں دیگر مرویات بھی ہیں۔ مثلاً نوافل کا سواری پر پڑھنا۔ وتر و دیگر فرض نیچے اتر کر پڑھنا جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انسان رسیدہ اور کمزور ہو کہ وہ سواری سے نیچے نہ اتر سکتا ہو۔ یا اتر جائے تو اُسے سوار کرنے والا کوئی نہ ہو۔ یا دشمن اور درندوں وغیرہ کا خوف دامن گیر ہو یا یہ صورت کہ نیچے اتر کر پڑھے گا۔ تو جانور بھاگ جائے گا۔ یا چور لے جائیں گے۔ تو ان سب صورتوں میں سنن نوافل کے علاوہ فرض بھی سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی عذر نہ ہو تو پھر سوائے نفلوں کے باقی سب فرض۔

Marfat.com

سنت موکدہ۔ وتر سواری سے نیچے ہی اتر کر پڑھنے چاہئیں۔ وتروں کے سواری سے نیچے اتر کر پڑھنے کے سلسلے میں حضرت ابن عمر کے متعلق مروی ہے کہ وہ وتر سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔ اور امام محمد نے اپنی مؤطا میں صحابہ اور تابعین کے آثار کثرت کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ کہ یہ حضرات نماز وتر سواری سے نیچے اتر کر پڑھتے تھے۔ جہاں تک سواری پر نماز میں روبہ قبلہ ہونے کا تعلق ہے ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت انس کی روایت ہے کہ حضور جب سفر میں سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اونٹنی کو قبلہ رخ کر کے تکبیر کہتے پھر اونٹنی جس طرف بھی چلتی اُسی رُخ نماز پڑھ لیتے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رُخ قبلہ رُو ہونا ضروری ہے۔

بَابُ الْجُمُعَةِ (جمعہ کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۸:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنوں میں جن میں آفتاب طلوع کرتا ہے بہترین دن جمعہ کا ہے اُسی روز حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اُسی روز جنت نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے بعض ساعتوں۔ دنوں۔ مہینوں اور

Marfat.com

تاریخوں کو خاص طور پر شرف فضیلت بخشا ہے۔ مثلاً مہینوں میں ماہ رمضان۔ شب و روز کی ساعات میں رات کی آخری ساعتیں، تاریخوں میں عرفہ۔ راتوں میں شب برات اور لیلۃ القدر۔ ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کا دن۔ ان میں عبادت کرنے بنز اللہ رسول کا ذکر کرنے کا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث باقی دنوں پر جمعہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن آپ جنت سے زمین پر تشریف لائے اور انبیاء علیہم السلام اولیائے عظام اور صلحائے امت کی پیدائش کا سبب بنے۔ قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔ اس میں جمعہ کی فضیلت یوں ہے۔ کہ قیامت ہی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے متقیوں کے ساتھ کیے ہوئے دخول جنت کے وعدے پورے ہوں گے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کو بھی جمعہ کا دن دیا گیا۔ یعنی عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ مگر انہوں نے اپنے انبیاء سے اس بارے میں اختلاف کیا۔ چنانچہ یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا۔ اُمتِ مسلمہ کے لئے جمعہ ہی کو پسند کیا گیا۔ قرآن پاک میں سورۂ جمعہ میں دنیاوی کاموں کو چھوڑ کر نماز جمعہ کے لئے حاضر ہونے کا حکم ہے۔

اس حدیث کے علاوہ کئی ایک احادیث فضائل جمعہ کے بارے میں وارد ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْاَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ (متفق علیہ) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَقَالَ وَهِیَ سَاعَةٌ خَفِیْفَةٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ۔

Marfat.com

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اگر مسلمان بندہ بھلائی کی دعا مانگے تو خداوند کریم اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے۔

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے اور بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر مسلمان بندہ اس کو پالے اور نماز پڑھ کر اس میں بھلائی کی خدا سے دعا کرے تو خدا اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے۔

تشریح:۔ جمعہ کے دن سعادت کی وہ گھڑی جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اللہ تعالےٰ نے از راہ لطف وکرم اسے بندوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔ تاکہ اس کی تلاش اور انتظار کے شوق میں سارا دن ذکر وفکر اور عبادت میں مصروف رہیں۔ اور زیادہ اجر وثواب نیز آخرت میں بلندی درجات حاصل کریں۔ اگر وہ نیک ساعت بتا دی جاتی تو یقیناً بندے اسی ساعت میں صرف اپنے مطالب و مقاصد کے لیے دعا مانگنے کے سوا کچھ نہ کرتے۔ اگرچہ بعض روایات میں اس کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مثلاً مسلم میں ابی بردہ بن ابی موسیٰ کی روایت ہے۔ کہ یہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک ہوتی ہے۔ اور ترمذی میں حضرت انس کی روایت کے مطابق عصر اور غروب آفتاب کے درمیان بتائی گئی ہے۔ مگر قول راجح وہی ہے جو گذر چکا ہے۔ اور جیسا کہ پہلی حدیث میں یوم جمعہ کی فضیلت کا بیان گزر چکا ہے۔ یہ سارا دن ہی نہایت بابرکت دن ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھو۔ اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مکمل حدیث ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ و بیہقی میں حضرت اوس بن اوس سے مروی ہے۔ حدیث میں اس ساعت سعید کا تھوڑا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمان سارا وقت عبادت الٰہی میں گذارے۔ تھوڑا سا وقت بھی ادھر ادھر کی باتوں یا دیگر مصروفیات میں نہ

گذار دے اور خبردار ہے۔ کہ کہیں اس تھوڑے سے وقت میں وہ ساعت نہ گذر جائے

باب وجوبہا۔ جمعہ کے واجب ہونیکا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۰۱:- عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلٰے اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ ابن عمر اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ ثُمَّ لَیَکُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لکڑی کے منبر پر یہ فرماتے سنا۔ کہ لوگ جمعہ کے چھوڑنے سے باز رہیں۔ ورنہ خداوند تعالٰے ان کے دلوں پہ مہر لگا دے گا۔ اور وہ غافل لوگوں میں شمار ہونے لگیں گے۔

تشریح:- نماز جمعہ فرض ہے اور اس کی فرضیت کا بیان قرآن مجید میں سورہ جمعہ میں مذکور ہے۔ نماز جمعہ میں بے شمار اجتماعی مصالح ہیں۔ ملت کی شیرازہ بندی میں اس کا کردار نمایاں ہے۔ تبھی تو احادیث میں تو نماز جمعہ پڑھنے کی تاکید ہے۔ اور اس حدیث میں نہ پڑھنے والوں کے لئے سخت وعید فرمائی گئی قصداً عمداً جمعہ چھوڑنے والوں کے دلوں پہ مہر ثبت ہو جاتی ہے۔ گویا ان کے دلوں میں طلب حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالٰے اُن کا شمار غافل لوگوں میں فرما دیتا ہے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے تو کہ لوگوں میں تحریص پیدا ہو اور وہ نماز جمعہ کے لئے سستی

نہ کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بلا عذر شرعی تین جمعے مسلسل قضا کر دیتا ہے اس کے دل پر منافق کی مہر لگ جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

باب تنظیف والتکبیر

(پاکی حاصل کرنے اور نماز جمعہ کو سویرے جانے کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۳۱:۔ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ يَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَّ يَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔

ترجمہ:۔ حضرت سلمان کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ممکن ہو پاکی حاصل کرے اور تیل لگائے یا گھر میں جو خوشبو موجود ہو لگائے۔ پھر گھر سے نماز کو نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان گھس کر نہ بیٹھے۔ پھر جس قدر نماز اس پر فرض ہے پڑھے پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش بیٹھا رہے تو اس کے وہ تمام گناہ جو اس نے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس نے کیے ہیں معاف کر دیے جاتے ہیں۔

تشریح:۔ اس حدیث میں نماز جمعہ کے لیے تیاری اور مسجد میں جا کر فردی امور کی ادائیگی کے سلسلے میں ہدایات موجود ہیں۔ سب سے پہلے نماز جمعہ کی تیاری

Marfat.com

کے لئے غسل کرنا اور ضروری پاکی مثلاً حجامت بنوانا ناخن اتروانا زیر بغل و ناف بال دور کرنا پھر تیل لگانا اور بغیر تکلف کے جو خوشبو گھر میں موجود ہو لگانے کا حکم فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام کس قدر صفائی پسند دین ہے۔ ویسے تو عام نماز کے لئے کپڑوں اور جسم کی طہارت ضروری ہے۔ مگر جمعہ کی نماز کے لئے اس کا خاص طور پر اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جمعہ میں عام اجتماع ہوتا ہے پراگندہ حالت ہونے کی صورت میں ایسے شخص کو دیکھ کر ہر شخص کے دل میں نفرت پیدا ہو گی۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے۔ کہ " اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ " یعنی بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ نیز حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ وَلَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا " بے شک اللہ تعالےٰ پاک اور منزہ ہے اور پاک اور صاف ستھرے ہی کو پسند کرتا ہے۔ جسم اور کپڑوں کی صفائی نیز تیل اور خوشبو کے استعمال سے نہ ہی صرف دوسرے لوگ خوش ہوتے ہیں بلکہ جسمانی صحت کے لئے بھی ان کا ہونا لازمی ہے۔ نمازِ جمعہ کے لئے ضروری تیاری کے بعد جب مسجد میں جائیں تو وہاں اس طرح بیٹھیں کہ پہلے بیٹھنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً دو شخص پاس پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو ان کے درمیان گھس کر بیٹھنے کی کوشش نہ کی جائے آگے جگہ نہ ہو تو پیچھے بیٹھ جائے آگے بیٹھنے کے لئے سویرے جانا چاہئے۔ مسجد میں مناسب جگہ پالینے کے بعد جمعہ کی سنت و نوافل وغیرہ پڑھ لیں۔ پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو نہایت خاموشی کے ساتھ سنیں۔ حتیٰ کہ وہ ختم کرلے۔ ان مندرجہ بالا امور کو ملحوظ رکھنے والے مسلمان کے لئے حضور نے خوشخبری دی۔ کہ اس سے جتنے گناہ صغیرہ اس جمعہ اور پچھلے جمعہ کے درمیان ہوئے وہ بخش دیئے جائیں گے۔

حدیث نمبر ۱۲۲:- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ

يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ لَغَوْتَ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو نے اپنے ساتھی کو یہ کہا کہ خاموش رہ تو تو نے لغو کام کیا۔

تشریح:- جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے۔ اور اس کا حکم نماز ہی کا سا ہے۔ جس طرح نماز میں بولنے یا دیگر غیر ضروری حرکات کرنے کی ممانعت ہے اسی طرح خطبہ میں بھی یہ باتیں منع ہیں۔ لہذا اس حدیث میں حضور نے خطبہ سنتے وقت اس شخص کے اتنے سے الفاظ کہنا کہ خاموش رہ اس کو بھی لغو فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ بالکل خاموش ہو کر سننا چاہیے۔ کوئی شخص اگر بول بھی رہا ہو تو اس کو چپ کرانے یا اس کی طرف توجہ دینے کی کوشش نہ کریں۔ خطبہ کے دوران خاموش رہنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک روایت کے مطابق جمعہ کی بابرکت ساعت امام کے خطبہ شروع کرنے سے نماز ختم ہونے کے وقت تک ہوتی ہے۔ تو اگر خطبے کے وقت بولتے ہی رہے تو اس نیک گھڑی کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ (خطبہ اور نماز جمعہ کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۳۳:- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ

(رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نماز جمعہ اس وقت پڑھتے تھے۔ جبکہ دن ڈھل جاتا تھا۔

تشریح:۔ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی مثل وقت ظہر ہے۔ یعنی اس کے وقت کی ابتدا نصف النہار یا آفتاب کے جانب مغرب ڈھلنے سے ہوتی ہے۔ اور ظہر کے آخری وقت تک جمعہ کا وقت رہتا ہے۔ گویا جمعہ کے دن نماز جمعہ ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے۔ اسی لئے اس دن ظہر کی بجائے جمعہ کی نماز ہی پڑھی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۴:۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نُقِيلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ متفق علیہ

ترجمہ:۔ حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں۔ کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے نہ تو ہم قیلولہ کرتے اور نہ کھانا کھاتے۔

تشریح:۔ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ رات کو قیام کرنے والے کے لئے قیلولہ ضروری ہے۔ تاکہ شب کے قیام سے جو جسمانی مشقت ہوتی ہے۔ اس سے آرام ملے اور دینی دنیاوی فرائض کی انجام دہی کے لئے جسم تازہ دم ہو جائے قیلولہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نماز جمعہ کے اہتمام کے سلسلے میں جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے۔ اصحابہ کرام جمعہ کے دن قیلولہ نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی دوپہر کا کھانا کھاتے۔ تاکہ جمعہ کی تیاری اچھی طرح سے ہو سکے کھانا کھانے سے جسم میں سستی وغیرہ کا ہونا لازمی امر ہے بعض وقت زیادہ شکم سیری سے نیند بھی آجاتی ہے۔ نماز جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر اصحابہ یہ کام نماز سے فارغ ہو کر کرتے۔ تاکہ اچھی طرح نہا دھو کر حجامت وغیرہ بنوا کر نماز جمعہ کے لئے وقت پر جا سکیں۔ نیز جمعہ کے دن چونکہ اجتماع بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ قیلولہ یا دوپہر کا کھانا چھوڑ کر جمعہ کی تیاری کر لی جائے اور وقت پر مسجد میں پہنچ جائیں تاکہ بیٹھنے کے لئے اگلی صفوں

Marfat.com

میں مناسب جگہ مل سکے مزید برآں جمعہ کے لئے پہلے جانے والوں کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم بن ابوہریرہ کی روائت ہے کہ جو شخص جمعہ کے لئے سب سے پہلے مسجد میں جائے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے قربانی کے لئے مکہ میں اونٹ بھیجا چنانچہ بحریص ثواب کی خاطر اصحابہ مسجد میں پہلے پہنچنے کو آرام کرنے اور کھانا کھانے پر ترجیح دیتے۔

حدیث نمبر ۱۲۵:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سخت سردی کے موسم میں جمعہ کی نماز سویرے پڑھتے اور سخت گرمی کے موسم میں دیر سے پڑھتے۔

تشریح:۔ باب المواقیت میں نماز ظہر کے وقت کے سلسلے میں اس مضمون کی احادیث گذر چکی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم موسم گرما میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے یعنی تاخیر کر کے پڑھتے۔ اس لئے کہ حضور نے فرمایا گرمیوں میں زیادہ گرمی کا سبب جہنم کا گرم سانس لینا ہے۔ اس طرح سردیوں میں ظہر کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے۔ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ نماز جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے۔ لہذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز گرمیوں میں تاخیر کر کے پڑھتے اور سردیوں میں اول وقت میں۔

حدیث نمبر ۱۲۶:۔ عَنْ سَائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهُ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ

Marfat.com

زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمعہ کی پہلی اذان وہ تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانوں میں بھی اسی پر عمل رہا۔ پھر جب حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تو تیسری اذان بڑھائی گئی۔ جو مدینہ کے بازار زوراء میں کہی جاتی تھی۔

تشریح:۔ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لئے اذان کا معمول یہ تھا کہ جب نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور منبر پر جلوہ فرما ہوتے تو اذان ہوتی۔ وہ اذان جو ہر نماز کا وقت شروع ہوتے ہی پڑھی جاتی ہے۔ جمعہ کے لئے نہ ہوتی تھی۔ گویا جمعہ کے لئے پہلی اذان نہ ہوتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کے ادوار خلافت میں یہی معمول رہا۔ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا۔ مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی لوگ مسجد نبوی سے دور رہنے لگے۔ تو حضرت عثمان نے اس خیال سے کہ ایک اذان سے شاید لوگ نماز کے لئے حاضر نہ ہو سکیں آپ نے خطبہ شروع کرنے سے پہلے اذان دینے کا حکم فرمایا۔ تاکہ وہ لوگ جو دور رہتے ہوں یا کاروبار میں مصروفیت کے باعث پہلے حاضر نہ ہو سکتے ہوں وہ یہ اذان سنیں کہ خطبہ میں یا نماز ہی میں شامل ہو جائیں۔ اس لئے کہ خطبہ کا سننا اور نماز جمعہ فرض ہیں۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے یہ اذان جو نظری طور پر تو تیسری اذان تھی جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے مگر وقوع کے لحاظ سے پہلی ہی تھی اس لئے کہ اس کا مقصد لوگوں کو نماز جمعہ کے لئے بلانا تھا۔ سنت صحابہ بھی ہمارے لئے سنت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ، تم پر میری سنت پر اور خلفائے

راشدین کی سنت پر چلنا ہوگا۔

لہٰذا جمعہ کی یہ اذان جو حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت سے شروع ہوئی آج تک مشروع ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۷:۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دونو خطبوں کے درمیان بیٹھتے۔ اور ان دونو خطبوں میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحتیں فرماتے۔ آپ کی نماز درمیانے درجے کی ہوتی تھی۔ اور خطبہ بھی درمیانے درجے کا ہوتا تھا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں امام کے لئے جمعہ کے دونوں خطبوں کے پڑھنے کے طریقے کا بیان ہے۔ ان دونوں خطبوں کے درمیان اتنے وقفے کے لئے بیٹھنا سنت ہے۔ جتنی دیر کہ جسم کے اعضا اپنی اپنی جگہ پکڑ لیں۔ نیز حضور نے یہ بھی تعلیم فرمائی۔ کہ جمعہ کے خطبہ میں قرآن پاک پڑھا جائے اور اصلاح و معاشرہ کے لئے عوام کو ضروری پند و نصائح کئے جائیں۔ ادھر اُدھر کی باتیں نہ کی جائیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں امام کے لئے یہ بھی تعلیم ہے کہ وہ خطبہ و نماز کو غیر ضروری طول نہ دے مگر میانہ روی اختیار کرے۔ امام کو جماعت کرتے وقت مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ مقتدیوں میں بعض مریض۔ بعض ضعیف العمر اور بعض کمزور بھی ہوتے ہیں۔ اس امر کا مفصل بیان عبادات میں میانہ روی کے باب میں گذر چکا ہے۔

Marfat.com

بَابُ صَلوٰۃِ الخوف۔ نماز خوف کا بیان

فصل اوّل

عَنْ یَزِیْدِ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ

حدیث نمبر ۱۳۸:۔ عَمَّنْ صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلوٰۃَ الْخَوْفِ اِنَّ طَائِفَۃً صَفَّتْ صَفَّہٗ وَطَائِفَۃٌ وِجَاہَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰی بِالَّتِیْ مَعَہٗ رَکْعَۃً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِہِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاہَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَۃُ الْاُخْرٰی فَصَلّٰی بِہِمُ الرَّکْعَۃَ الَّتِیْ بَقِیَتْ مِنْ صَلوٰتِہٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِہِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِہِمْ متفق علیہ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ اٰخِرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَہْلِ ابْنِ اَبِیْ حَثْمَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:۔ یزید بن رومان نے صالح بن خوات سے روایت کی۔ انہوں نے اس شخص سے روایت کی جس نے ذات رقاع کے دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز خوف ادا کی تھی۔ تحقیق ایک جماعت نے حضور کیساتھ صف باندھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابلے پر کھڑی ہو گئی۔ پس حضور نے اس جماعت کیساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت اس نے خود پڑھی۔ اس کے بعد دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔ اور دوسری جماعت واپس آئی اور آپ نے اس کو بھی ایک رکعت نماز پڑھائی اور دوسری رکعت اس نے خود پڑھی اس کے بعد وہ دشمن کے مقابلے پر

Marfat.com

چلی گئی اور دوسری جماعت واپس آئی اور آپ نے اس کو بھی ایک رکعت نماز پڑھائی آپ التحیات پر بیٹھے رہے اور اس جماعت نے اپنی دوسری رکعت پوری کر لی۔ اور پھر التحیات تک آپ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ پھر آپ نے سب کیساتھ سلام پھیرا۔

تشریح:۔ میدان جنگ میں جب دشمن کیساتھ مقابلہ ہو رہا ہو۔ نماز کی ادائیگی با جماعت عام معمول کے مطابق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ لڑائی میں ایسی صورت میں دشمن کی طرف سے۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ کہ حملہ نہ کر دے۔ اس لئے اللہ رسول نے ایسی حالت میں نماز ادا کرنے کا ایک مخصوص طریقہ سکھایا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور احادیث میں بھی۔ یہ موقعہ چونکہ خوف کا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر پڑھی جانے والی نماز کو نماز خوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں نماز خوف کا ذکر دو جگہ پر موجود ہے پہلا ارشاد ربانی یہ ہے:" فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" یعنی اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھو پھر جب خوف جاتا رہے تو اللہ کو اس طرح یاد کرو۔ جیسا اس نے وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:" وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا .... الخ

یعنی جب تم ان میں ہو اور نماز قائم کرو۔ تو ان کا ایک گروہ

تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور انہیں چاہیے کہ اپنے ہتھیار لئے ہوئے ہوں
پھر جب ایک رکعت کا سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوں اور اب
دوسرا گروہ آئے جس نے تمہارے ساتھ نہ پڑھی تھی۔ وہ تمہارے ساتھ
پڑھے اور اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔ کافروں کی تمنا ہے کہ
کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک
ساتھ تم پہ جھک پڑھیں (حملہ کر دیں) اور تم پہ کچھ گناہ نہیں کہ اگر تمہیں
مینہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو مگر پناہ کی چیز
لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا
ہے۔ پھر جب نماز پوری کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ کھڑے بیٹھے اور
کروٹوں پر لیٹے۔ پھر جب اطمینان ہو جائے تو حسب دستور نماز قائم
کرو بے شک نماز مسلمانوں پہ وقت مقررہ ہے۔

دشمن سے لڑائی ہو رہی ہے یا دشمن بالکل قریب ہو تو اس صورت
میں نماز خوف پڑھی جائے گی۔ نماز خوف کا جو طریقہ اس حدیث میں
مذکور ہے وہ اس نماز کے لیے جس کی دو رکعات ہوں مثلاً فجر کی نماز
مگر چار رکعات کی نماز میں ہر گروہ امام کیساتھ دو دو رکعات پڑھے گا۔
اور نماز مغرب کی صورت میں پہلے گروہ کیساتھ دو اور دوسرے کیساتھ
ایک رکعت پڑھے گا۔ نماز پڑھتے وقت ہتھیاروں کا ساتھ رکھنا مستحب
ہے۔ چونکہ نماز خوف کے سلسلے میں مختلف روایات وارد ہوتی ہیں۔
اس لیے آئمہ میں ان روایات ترجیح کے اختلاف کے پیش نظر اس نماز
کی ادائیگی کے طرق میں اختلاف ہے بعض نے تو اسی نماز کو عہد رسالت ہی
کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ بعض نے صرف سفر کے ساتھ مثلاً امام مالک
کا یہی مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک سفر حضر دونوں حالتوں میں جائز
ہے۔ کتب فقہ میں حسب طریقہ مذکور حدیث اس نماز کی ادائیگی کا طریقہ

Marfat.com

بالتفصیل یوں ہے۔ کہ جب دشمن سامنے ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر سب ایک ساتھ نماز پڑھیں گے۔ تو دشمن حملہ کر دے گا۔ تو امام جماعت کے دو حصے کرے۔ ان میں سے جو گروہ خود ہی راضی ہو کہ وہ بعد میں پڑھ لیں گے۔ اس کو دشمن کے مقابلے میں بھیج دے اور دوسرے گروہ کیساتھ پوری نماز پڑھ لے پھر جس گروہ نے نماز نہیں پڑھی اس میں کوئی امام ہو جائے اور یہ لوگ اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ لیں اگر دونوں میں سے کوئی گروہ بھی بعد کو پڑھنے پر راضی نہ ہو۔ تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابلے پر بھیج دے اور دوسرا امام کے پیچھے نماز پڑھے پھر جب امام اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے یعنی دوسرے سجدے سے سر اٹھا لے تو یہ لوگ دشمن کے مقابلے پر چلے جائیں اور دوسرا گروہ جو مقابلے میں تھا وہ چلے آئیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے اور امام تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ مگر مقتدی سلام نہ پھیریں۔ بلکہ یا تو دوسری رکعت خود پڑھ لیں جیساکہ حدیث میں ذکر ہے۔ یا دشمن کے مقابلے پر چلے جائیں پھر وہ گروہ جو دشمن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ آکر ایک رکعت بغیر قرأت پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں اپنی نماز پوری کر لیں اور دوسرا گروہ اگر نماز پوری کر چکا ہے۔ فبہا ورنہ اب پوری کر لے خواہ وہیں یا یہاں آکر۔

اس طریقے سے فریضۂ صلوٰۃ کی ادائیگی سہولت کے لئے تھی تاکہ نماز بھی پڑھی جائے اور دشمن کے مکر و فریب سے محفوظ بھی رہ سکیں۔

باب صلوٰۃ العیدین۔ عیدین کی نماز کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۳۷۹ ۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَأُ بِہِ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِہِمْ فَیَعِظُہُمْ وَیُوْصِیْہِمْ وَیَاْمُرُہُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِہٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید قربانی کے دن گھر سے عید گاہ کی طرف نکلتے اور سب سے پہلا کام یہ کرتے کہ نماز شروع فرماتے اور نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے سب کے لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے پس آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے وصیت کرتے اور ضروری احکام صادر فرماتے۔ اگر کوئی خاص حکم نافذ فرمانا ہوتا تو فرماتے اور پھر گھر واپس چلے جاتے۔

تشریح:۔ دین اسلام میں سال بھر میں دو عیدیں ہوتی ہیں۔ ایک رمضان المبارک کے اختتام پر یکم شوال کو جسے عید الفطر کہتے ہیں۔ دوسری ذوالحجہ کی دس تاریخ کو جسے عید الضحٰی کہتے ہیں اس لئے کہ اس عید کے موقعہ پر مسلمان قربانی کرتے ہیں۔ نماز عید امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے باقی آئمہ کے نزدیک سنت مؤکدہ

Marfat.com

عید کی نماز کے لئے سنت یہ ہے کہ شہر یا آبادی سے باہر کسی مخصوص جگہ پر ادا کی جائے۔ اس جگہ کو عیدگاہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مذکور سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان موقعوں پر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے۔ البتہ اگر معقول عذر ہو تو شہر کے اندر پڑھی جا سکتی ہے۔ جب مسلمان عید کے لئے عیدگاہ میں اکٹھے ہو جائیں تو امام سب سے پہلے نماز عید پڑھائے جس کا طریقہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اس کے بعد جیساکہ اس حدیث میں بیان ہے امام خطبہ پڑھے۔ خطبہ میں ضروری مسائل مثلاً عید الفطر کے موقعہ پر صدقہ فطر کے اور عید قربان پر قربانی کے مسائل بیان کرے۔ تقوے اختیار کرنے کے لئے ضروری پند و نصائح کرے۔ اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں جو ضروری باتیں ہوں وہ کرے اگر بادشاہ یا خلیفہ وقت خود عید پڑھائے تو وہ موقعہ کے مطابق خاص احکام پر صادر کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مسلمانوں کا اجتماع عظیم ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، عیدین کے موقعوں پر اگر دشمن کے مقابلے میں لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کے متعلق ضروری احکام و ہدایات بھی فرماتے۔ یہ چونکہ خوشی کے مواقع ہوتے ہیں۔ اس لئے مسنون و جائز طریقوں سے خوشی کا اظہار جائز ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت ہے کہ ایک عید کے موقعہ پر انصار کی بچیاں دف بجا رہی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر نے انہیں منع فرمایا کہ یہ لہو و لعب ہے۔ مگر حضور نے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ یہ خوشی کا موقعہ ہے۔ عید کے موقعہ پر عام مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ جس سے وسیع پیمانے پر اس نظام کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔

حدیث ۱۴۰:- عَنْ جابر بن سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ

Marfat.com

رسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِیْدَیْنِ غَیْرَ مَرَّۃٍ وَّلَا مَرَّتَیْنِ۔ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ عیدین کی نماز پڑھی تو ان نمازوں میں نہ تو اذان ہوئی اور نہ تکبیر۔

تشریح:۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کی نمازیں عوام کو بلانے کے لیے اذان نہیں کہی جاتی علماء نے اس موقعہ پہ اذان دینا مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ شرح السنۃ میں اسی طرح مذکور ہے۔ البتہ عید کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کا اور کوئی مناسب طریقہ مثلاً بڑے بڑے شہروں میں اخبارات کے ذریعے چھوٹے شہروں میں ڈھول وغیرہ کے ذریعہ غیبا منادی کرکے جیسا کہ عام معمول ہے جائز ہے۔ اذان اور اقامت صرف فرض نمازوں ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ باقی نمازوں کے لیے نہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۱:۔ عَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُّخْرِجَ الْحُیَّضَ یَوْمَ الْعِیْدَیْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَیَشْهَدْنَ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُیَّضُ عَنْ مُّصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَاَۃٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِحْدَانَا لَیْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ام عطیہ کہتی ہیں۔ کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا۔ کہ ہم میں سے حیض والی عورتیں اور پردہ والی عورتیں سب دونوں عیدوں میں عیدگاہ میں حاضر ہوں اور مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہوں اور

Marfat.com

اُن کی دعا میں شامل ہوں۔ اور حیض والی عورتیں اپنے مصلے سے علیحدہ رہیں۔ ایک عورت نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنی ساتھ والی کی چادر اوڑھ لے۔

تشریح:۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ خطابی نیز امام طحاوی فرماتے ہیں۔ کہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو عیدین کے موقعہ پر یا دیگر مجالس خیر میں حاضر ہونے کا حکم فرماتے تاکہ کفار پر اہل اسلام کی کثرت تعداد کا رعب طاری ہو۔ حدیث مذکور میں حائضہ عورتیں جو نماز پڑھنے سے شرعی طور پر معذور ہوتی ہیں کو عیدین کے موقعہ پر بلانے کا حکم اس بات کی تائید کرتا ہے۔ یا سب کو بلانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دعا کی برکت میں سب شامل ہو سکیں۔ چونکہ معذور عورتیں نماز میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس لئے ان کو مصلّے سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا مگر ستر کے پیش نظر ایک دوسری کو اپنی چادر اوڑھانے کے متعلق بھی فرما دیا۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا۔ فتنہ و فساد بڑھ گیا۔ علماء نے ایسے موقعوں پر مردوں کے اجتماع میں آنے کی ممانعت کر دی۔ اسی لئے اسلام نے عورتوں پر عیدین یا جمعہ کی نمازیں واجب نہیں کیں۔

حدیث نمبر ۱۴۲:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نماز کے لئے تشریف نہ لے جاتے حتیٰ کہ آپ چند کھجوریں نہ کھا لیتے اور آپ طاق کھجوریں کھاتے۔

تشریح:۔ اس حدیث کے مطابق عید الفطر کے موقعہ پر کوئی میٹھی چیز کھا کر نماز عید کے لئے جانا سنت ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ

Marfat.com

خالی معدے میٹھی چیز کھانے سے طبیعت میں انبساط و نشاط پیدا ہوتی ہے خصوصاً کھجوریں کھانے سے قوت بصر پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے عید الفطر پر اہل اسلام میٹھا کھانا کھانے کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں میٹھی چیز کھانے سے روزوں سے پیدا شدہ ضعف بھی کچھ حد تک زائل ہو جاتا ہے نیز عید کا موقعہ عیش و طرب اور کھانے پینے کا موقعہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر کچھ کھائے بغیر بھوک سے رہنا پسندیدہ فعل نہیں۔ اسی لئے عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ حضور طاق کھجوریں اس لئے تناول فرماتے کہ اللہ تعالیٰ طاق عدد کو پسند فرماتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ اَللّٰهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ یعنی اللہ تعالیٰ طاق (ایک) ہے اور طاق ہی کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۴ :- عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِاَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت براء کہتے ہیں۔ کہ عید قربان کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلا کام جو اس دن ہم کریں۔ وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں۔ اور قربانی کریں، پھر جس شخص نے اس طریقہ پر عمل کیا اس نے ہماری سنت کو حاصل کر لیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں بلکہ گوشت کی بکری ہے۔ جس کو اہل و عیال کے کھانے کے لئے جلد ذبح کر ڈالا ہے۔ قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

تشریح:۔ عید الضحٰے پر سنت طریقہ یہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ قربانی عید پڑھنے کے بعد کی جائے اسی لئے اس عید کی نماز عید الفطر کی نماز سے پہلے پڑھ لینے کا حکم ہے۔ جیسا کہ امام شافعی کی حضرت ابی الحویرث سے روایت کردہ حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران میں لکھا کہ عید قربان کی نماز جلد پڑھ لو اور عید الفطر کی نماز دیر سے پڑھو اور لوگوں کو نصیحت کرو۔ عید سے پہلے قربانی کرنے والوں کے لئے اس حدیث میں سخت وعید ہے۔ ایسے شخص کی قربانی قبول نہیں ہو گی۔ حضور نے فرمایا کہ اس کا مقصد اللہ رسول کی خوشنودی اور رضا طلبی نہیں۔ بلکہ گھر والوں کو گوشت کھلانا ہے۔

اس میں مصلحت یہی نظر آتی ہے۔ کہ عید سے پہلے قربانی کی اجازت دینے سے لوگ اسی کام میں مصروف ہو جاتے۔ اور نماز عید سے یا تو بالکل محروم رہتے یا حد سے زیادہ تاخیر کر لیتے۔ اس لئے قرین حکمت یہی ہے کہ قربانی عید کی نماز کے بعد ہی دی جائے۔

حدیث نمبر ۱۴۳: عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْبَحُ وَیَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰی۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔

تشریح:۔ جن جانوروں کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ وہ بکری۔ دنبہ۔ گائے۔ بیل۔ بھینس اور اونٹ ہیں۔ اونٹ کے علاوہ باقی جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم ہے۔ اور اونٹ کو نحر کرنے کا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عید قربان کے موقع پر بسا اوقات اپنے دست مبارک سے قربانی دیتے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ اونٹ کو نحر کرنے کا

طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کرکے اس کا ایک گھٹنا باندھ دیتے ہیں اس کے بعد اس کے سینے میں نیزہ مارتے ہیں جس سے وہ گر پڑتا ہے

باب فی الاضحیۃ (قربانی کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۷۵:- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا دنبہ لانے کا حکم دیا۔ جس کے سر پہ سینگ ہوں۔ وہ سیاہی میں چلتا ہو۔ اور سیاہی میں بیٹھتا ہو۔ .... اور سیاہی میں دیکھتا ہو۔ چنانچہ ایسا دنبہ قربانی کے لئے آپ کو لا کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لے آؤ پھر آپ نے فرمایا چھری کو پتھر پر تیز کر لو۔ اس کے بعد آپ نے چھری کو ہاتھ میں لیا اور دنبہ کو لٹایا۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر تقبل من محمد وآل محمد وآلہ محمد کہہ کر اس کو ذبح کر ڈالا۔

تشریح :- عید الضحیٰ کے دن قربانی کے لیے حضور نے
ایسا دنبہ لانے کا حکم دیا جس کے سر پہ سینگ ہوں سیاہی میں چلنے
کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاؤں سیاہ ہوں ۔ سیاہی میں بیٹھتا ہو ۔
یعنی اس کا سینہ اور پیٹ سیاہ ہوں ۔ سیاہی ہی دیکھتا ہو یعنی اس
کی آنکھوں کے حلقے سیاہ ہوں ۔ سر پہ سینگوں کا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے
کہ وہ بچہ نہ ہو اس لئے قربانی کے لئے بکری ، دنبہ بھیڑ وغیرہ جانوروں
کی عمر کم از کم ایک سال درکار ہے ۔ اس کی باقی صفات سے پتہ چلتا
ہے ۔ کہ حضور کا مقصد غالباً یہ تھا ۔ کہ وہ اچھی سی نسل کا ہو اور موٹا تازہ
ہو ۔ اس لئے کہ یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ یادگار ہے
جب آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے اپنے صاحبزادے اور لخت جگر
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا ۔ لہذا قربانی
دینے والے کو چاہیئے ۔ کہ وہ ایسے جانور کی قربانی دے جو دیکھنے والوں
کی نظروں میں بھلا دکھائی دے ۔ نیز روایات میں ہے کہ یہ قربانی
کے جانور پل صراط پر سے گذرنے کے لئے سواری کا کام دیں گے اس
لئے قربانی کا جانور جتنا تندرست و توانا ہو گا ۔ قیامت کے دن اسی
قدر اچھی سواری ثابت ہو گا ۔ حدیث کے مضمون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے
کہ جانور کو ذبح کرنے وقت چھری کو تیز کر لینا چاہیئے ۔ چھری کند ہونے کی
صورت میں جانور کو ذبح کے وقت زیادہ ایذا پہنچے گی ۔ چھری جانور
کے سامنے تیز نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ہی ایک جانور کو دوسرے جانور کے
سامنے ذبح کرنا چاہیئے ۔ ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر
کہنا چاہیئے ۔ امام شافعی کے نزدیک جانور کے ذبح کے وقت تکبیر کے
بعد درود پڑھنا سنت ہے ۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قربانی کے ثواب میں آل اور

امت کو شریک کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ مِنْ محمد ومن آلِ محمد ومن اُمّۃِ محمد۔ اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے ثواب میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ قربانی ایک ہی کی طرف سے ہو گی۔

حدیث نمبر ۱۴۶:- عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ۔

ترجمہ: حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مُسِنّۃ کو ذبح کرو۔ اگر مسنہ ملنا مشکل ہو تو دنبہ یا بھیڑ کے جذعہ کو ذبح کرو۔

تشریح:- مُسِنّۃ ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جو پانچ برس کا ہو اور چھٹے برس میں داخل ہو رہا ہو۔ گویا قربانی کے لئے اونٹ کی کم از کم عمر پانچ سال ہے۔ گائے بیل یا بھینس کی دو سال نیز اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات آدمی شامل ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد کی حضرت جابر سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ اگر اونٹ اور گائے میسر نہ آسکے تو اس صورت میں دنبہ یا بھیڑ کا جذعہ یعنی ایک سال کا بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو رہا ہو قربانی کیا جائے۔ بھیڑ یا دنبہ کا بچہ جو اگرچہ عمر میں چھ ماہ کا ہو مگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال کا دکھائی دیتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۷:- عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ:- حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عید قربان کا پہلا عشرہ آئے اور تم میں سے کچھ لوگ قربانی کا ارادہ کریں تو وہ نہ اپنے بال منڈائیں نہ ترشوائیں۔ اور نہ ناخن کٹوائیں ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بقر عید کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے اس کو چاہیئے کہ نہ تو بال منڈائے نہ ترشوائے اور نہ ناخن کٹوائے۔

تشریح:- دراصل حدیث میں مذکور احکام حج کرنے والے مسلمان کے لئے جب وہ احرام باندھ لے مناسک حج میں شامل ہیں۔ احرام باندھنے سے قربانی دینے سے پہلے تک یہ امور اس کے لئے ممنوع ہیں۔ چونکہ عید قربان کے موقع پر دی جانے والی قربانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور حج بھی۔ اس لئے محرم کے ساتھ ان امور میں مشابہت حاصل کرنے کے لئے حضور نے قربانی دینے والے کو ان کا حکم فرمایا ہے۔ جو شخص قربانی نہ دے رہا ہو اس کے لئے بھی ان امور سے باز رہنا مستحب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مذکورہ دس ایام میں حجامت وغیرہ بنوانا مکروہ ہے۔

باب العتیرہ (عتیرہ کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۴۸:- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِیْرَۃَ قَالَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ کَانَ یُنْتَجُ وَلَھُمْ کَانُوْا یَذْبَحُوْنَہٗ لِطَوَاغِیْتِھِمْ وَالْعَتِیْرَۃُ فِیْ رَجَبٍ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا نہ تو فرع ہے نہ عتیرہ۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ فرع جانور کے پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو کافر اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور عتیرہ اس بکری کو کہتے ہیں جس کو کافر رجب کے پہلے عشرہ میں بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

تشریح:۔ بتقاضائے حکمت عربوں میں جو آبائی جہالت کی رسمیں چلی آرہی تھیں انہیں بتدریج ختم کیا گیا۔ جوں جوں ایمان دلوں میں اچھی طرح راسخ ہوتا گیا۔ مسلمان خود ہی ایسی رسومات سے متنفر ہوئے اور انہیں چھوڑتے چلے گئے۔ کفار بکری کا بچہ پیدا ہوتے ہی بتوں کے نام پر لغرض عبادت ذبح کرتے تھے۔ حدیث میں بیان ہے اس کو فرع کہتے تھے۔ اسی طرح ماہ رجب پہلے عشرہ میں بتوں کے نام پر جس بکری کی قربانی دیتے اسے عتیرہ کہتے۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ اصحابہ اکرام اگرچہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی کے طور پر جانور ذبح کرتے مگر چونکہ اس رسم میں کفار کے ساتھ مشابہت پائی جاتی تھی۔ اس لئے حضور نے ان کی ممانعت فرما دی۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخُسُوْفِ (نماز خسوف کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۴۹۱:۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِیًا اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ فِیْ رَکْعَتَیْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَۃُ مَا رَکَعْتُ رُکُوْعًا وَّلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ کَانَ اَطْوَلَ مِنْہُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گہن ہوا۔ پس آپ نے ایک اعلان کرنے والے شخص کو روانہ کیا جو ان الفاظ میں اعلان کرتا تھا۔ کہ نماز تیار ہے۔ پھر حضور نے آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی جس میں چار رکوع کئے اور چار سجدے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس نماز میں جتنے لمبے رکوع اور سجدے کئے اور کسی نماز میں کبھی نہیں کئے۔

تشریح: لغت میں خسوف سورج گہن کو اور کسوف چاند گہن کو کہتے ہیں۔ سورج گہن کے وقت حضور کا صحابہ کیساتھ مل کر نماز پڑھنا اس حدیث سے اور دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے۔ البتہ چاند گہن کے وقت نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ وہ نماز جو سورج کے گہن کے وقت پڑھی جاتی ہے صلوٰۃ خسوف کہلاتی ہے۔ اور اس کا پڑھنا جمہور اہل علم کے نزدیک سنت ہے۔ ہر رکعت میں رکوع کی تعداد کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں ایک، کسی میں دو اور کسی میں تین یا پانچ کا بیان ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک رکعت ایک رکوع والی احادیث کو دوسری احادیث پر ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک دو رکوع والی قابل ترجیح ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ اگر خسوف زیادہ دیر رہے تو پھر ہر رکعت میں تین یا پانچ رکوع بھی جائز ہیں۔ اس نماز میں طویل رکوع اور طویل سجدے اس امر کی علامت ہیں۔ کہ اس موقعہ پر خشیت الٰہی کے اظہار کے لئے اس کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ عاجزی اور انکساری کا اظہار ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۰: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ

يُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاِسْتِغْفَارِهٖ۔ متفق علیہ

ترجمہ :- حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں - کہ سورج گہن ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوا اور قیامت کا خوف آپ پہ طاری ہوا- پھر آپ مسجد میں تشریف لائے۔ اور نماز پڑھی جس کا قیام رکوع اور سجدہ اتنا طویل تھا کہ میں نے اتنا طویل قیام رکوع اور سجدہ نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی نشانیاں ہیں جن کو وہ بھیجتا ہے۔ یہ نہ تو کسی کی موت کا سبب ہوتی ہیں نہ کسی کی پیدائش کا نتیجہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے سبب بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم اس قسم کی نشانیوں میں سے کچھ دیکھو۔ تو خدا سے ڈرو اس کا ذکر کرو۔ دعا مانگو اور استغفار کرو۔

تشریح :- یہ حدیث صلوٰۃ خسوف پڑھنے کی علت بیان کرتی ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب سورج گہن یا چاند گہن سے بدشگونی لیتے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ کسی حادثۂ عظیم۔ ضرر عام یا قحط وغیرہ کا سبب بنتے ہیں۔ یا کسی شخص کی موت یا پیدائش ان کے سبب سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اوہام باطلہ کی تردید فرمائی۔ فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کی موت یا پیدائش سے کوئی تعلق نہیں۔ خسوف یا کسوف کے وقت ان میں غیر معمولی تبدیلی کا آجانا اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے قہر وغضب سے ڈراتا ہے۔ وہ قادر وقیوم جو اتنے بڑے اجرام فلکی میں اس قسم کی تبدیلیاں رونما کرسکتا ہے۔ اسے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ انسان اس کی سرکشی اختیار کرکے اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ گویا خسوف یا کسوف کا وقت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے اس کی بارگاہ میں استغفار کرنے اور

Marfat.com

دعائیں کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی مضمون کا بیان ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ اس کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور یہ اصول کی بات ہے۔ کہ جسقدر اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت ہو اتنا ہی اس کا خوف پیدا ہوتا ہے اس بات کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:" اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" یعنی اہل علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ لہذا ایسے وقت میں حضور پر اس قدر خوف الٰہی طاری ہوتا جیسے قیامت آگئی ہے۔ حضور مسجد میں حاضر ہوتے اذان عام کراتے، جب سب لوگ اکٹھے ہو جاتے تو پھر نماز خسوف پڑھاتے اور اس میں طویل رکوع اور سجدے کرتے۔ جیساکہ پہلی حدیث میں گذر چکا ہے اپنے فعل مبارکہ نیز اپنے قول سے بھی امت کو تعلیم دی کہ مناسب یہی ہے۔ کہ اس وقت میں اللہ کا ذکر کرو۔ دعا مانگو اور استغفار کرو۔

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ (نماز استسقاء کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۵۱:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِىْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن زید کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ نماز استسقاء کے لئے عیدگاہ کی طرف

Marfat.com

چلے۔ آپ نے لوگوں کیساتھ دو رکعت نماز پڑھائی۔ جن میں باواز بلند قرأت کی پھر قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔ پھر چادر کو قبلہ رخ کھڑے ہو کر پھیرا۔

تشریح:۔ بارش کے لیے خداوند کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر نماز پڑھ کر دعا مانگنے کو نماز استسقاء کہتے ہیں۔ قحط سالی کا ہونا اور بارشوں کا نہ ہونا دراصل انسانوں کی بداعمالیوں ہی کا سبب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طلب کا سب سے زیادہ موثر طریقہ تو یہ استغفار ہے اس کے طریقہ کی اس نے خود تعلیم دی فرمایا ’’اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ يُرْسِلِ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا‘‘ یعنی اگر تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو گے۔ تو وہ تم پر بارش نازل فرمائے گا۔ اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کی تعلیم دیتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ عیدگاہ یا کھلے میدان میں سب لوگ جمع ہوں۔ امام دو رکعت نماز بلند قرأت کے ساتھ پڑھائے۔ پھر سب کیساتھ دعا مانگے۔ اس طرح کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف اور پشت آسمان کی جانب ہو جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت انس کی روایت میں مذکور ہے۔ صلوٰۃ استسقاء کے پڑھنے کا طریقہ اس حدیث میں تو اسی طرح مروی ہے۔ مگر استسقاء کے لئے نماز پڑھنے کے ضمن میں آئمہ کا اختلاف ہے امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء کا وہی طریقہ ہے جو عیدین کی نماز کا ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ نماز دو رکعت نماز ہے۔ جیسے عام نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز نہیں بلکہ دعاء و استغفار ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اکثر روایات سے یہی ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ

Marfat.com

دُعَائِهٖ اِلَّا فِی الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهٗ یَرْفَعُ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْهِ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی دعا میں ہاتھوں کو اتنا اونچا نہ اٹھاتے تھے۔ جتنا استسقاء کی دعا میں اس دعا میں آپ ہاتھوں کو اس قدر بلند کرتے تھے۔ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

تشریح:- اس سے پیشتر جو حدیث گذر چکی ہے اس میں استسقاء کے لئے نماز پڑھنے اور اس کے بعد دعا مانگنے کا بیان ہے۔ مگر اس میں صرف دعا ہی کا بیان ہے۔ تو جیسا پہلی حدیث کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ نماز بھی جائز ہے اور دعا بھی۔ اسی لئے بعض آئمہ استسقاء کے لیے نماز کے قائل ہیں اور بعض صرف دعا کے۔ ہاتھوں کے زیادہ بلند کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ جس قدر مقصد زیادہ دشوار ہو۔ اسی قدر ہاتھ زیادہ بلند کر کے دعا مانگنا مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۳:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَی الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش دیکھتے تو حضور فرماتے کہ الٰہی ایسا مینہ برسا جو خوب نفع دینے والا ہو۔

تشریح:- بارش اگرچہ نزول رحمت ہے۔ اور قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق "یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" مردہ زمین کو زندہ کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ مگر اسی صورت میں جبکہ مناسب مقدار میں ہو حد سے زیادہ بارش سے مکانات اور فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ملکوں کے اندر سیلاب آتے ہیں۔

Marfat.com

جو عام تباہی کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم جو سراسر رحمت ہیں مخلوق خدا کی ضرر رسانی کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے مذکور حدیث کے مطابق جب کبھی بارش نمودار ہوتی۔ تو حضور رب کائنات کی بارگاہ میں دعا فرماتے کہ ایسی بارش ہو جو مخلوق کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ نافع ہو۔ استسقاء کے مسنون دعاؤں میں سے ایک دعا میں یہ الفاظ منقول ہیں " اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ عَلَیْنَا غَیْثًا مُغِیْثًا ھَنِیْئًا مَرِیْئًا نَافِعًا وَّلَا ضَآرًا "۔ اس دعا میں نافعًا اور ضارًا کے الفاظ ہیں۔ یعنی ایسی بارش ہو جو نفع بخش ہو۔ نقصان زدہ نہ ہو۔

بَابٌ فِی الرِّیَاحِ (ہواؤں کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۵۴۱ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَاحِکًا حَتّٰی اَرٰی مِنْہُ لَھَوَاتِہٖ اِنَّمَا کَانَ یَتَبَسَّمُ فَکَانَ اِذَا رَاٰی غَیْمًا اَوْ رِیْحًا عُرِفَ فِیْ وَجْھِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی زور سے ہنستے نہیں دیکھا بلکہ آپ مسکرا دیتے تھے۔ اور جب آپ ابر یا تیز ہوا دیکھتے تو آپ کا چہرہ اقدس متغیر ہو جاتا۔

تشریح :۔ ضحک عربی میں قہقہہ لگا کر ہنسنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح ہنسنا وقار کے منافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اس طرح ہنسنا ثابت نہیں۔ یہ حدیث اس کی توثیق کرتی ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے کے متعلق اور روایات بھی مروی ہیں۔ جن میں یہ مذکور ہے۔

کہ جب حضور تبسم فرماتے تو حضور کے دندان مبارک سے نور کی شعائیں نکلتیں اور اگر کبھی اندھیری شب میں آپ مسکرا دیتے تو روشنی ہو جاتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ سہ

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے
شام کو صبح بناتا ہے اُجیالا تیرا

حدیث کے دوسرے حصے میں اس امر کا ذکر ہے کہ جب حضور ابر یا تیز ہوا دیکھتے تو خوف الٰہی سے آپ کے چہرہ انور کا رنگ بدل جاتا۔ کہ مبادا ان سے مخلوق خدا کو گزند پہنچے۔ اس لئے کہ امم سالقہ میں سے بعض امتیں ہوا کے عذاب سے اور بعض بادل عذاب نازل ہونے سے تباہ ہوئیں۔ تو گویا حضور کے چہرۂ پاک کا رنگ اللہ تعالےٰ کے خوف و خشیت سے بدل جاتا تھا۔

کتاب الصلوٰۃ ختم شد

Marfat.com

کتاب الصلوٰۃ پر اہم امتحانی سوالات

۱۔ مندرجہ ذیل حدیث کا ترجمہ اور تشریح لکھیے۔ اور صلوٰۃ المسافر و المریض سے متعلق بروئے حدیث شریف اہم تفصیل بیان کیجیے۔ نیز قصر کی تشریح کرتے ہوئے مختلف ائمہ کے مسالک پر روشنی ڈالیے۔ (1956)

أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلٰوةُ الْحَضَرِ۔

۲۔ مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کیجیے اور ان کی روشنی میں بتلایئے کہ یہ تمام سنت مؤکدہ ہیں اور ظہر کی سنتوں میں اختلاف کیوں ہے۔ نیز حدیث نمبر ج) سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کو سوچ کر دور کیجیے۔

(الف) حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ۔

(ب) أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ۔

(ج) مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ مِنَ النَّارِ۔ (1965)

۳۔ مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کیجیے۔ خطبہ جمعہ اور انصات رخاموش رہنا) کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔ اور بتایئے کہ حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کس مصلحت کے تحت دیا۔ نیز حدیث نمبر ج میں مغفرت کے متعلق

Marfat.com

جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کو کتاب و سنت کی روشنی میں دور کیجیے۔

الف دَخَلَ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ یَخْطُبُ فَقَالَ صَلَّیْتَ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ۔

(ب) اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ اَنْصِتْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔

(ج) مَنْ اِغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ الْاِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّی مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ۔

(1956)

۴۔ مندرجہ ذیل حدیث کا ترجمہ کیجیے۔ اور بتایئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اختصار سے کیوں روکا ہے نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اَنْ یُّصَلِّیَ الرَّجُلُ مختصراً

(1957)

۵۔ صلوٰۃ قصر کو کب پڑھنا چاہیے۔ مقیم اور مسافر کی نماز میں کیا فرق ہے۔ تفصیل سے لکھیے اور یہ بتایئے کہ سفر کی موجودہ بدلی ہوئی صورتوں کے پیش نظر مسافر کا اطلاق کس شخص پر ہوگا۔

(1957)

۶۔ صلوٰۃ الخوف یا صلوٰۃ الخسوف میں سے کسی ایک کی تفصیل صحیحین کی ان احادیث کو پیش نظر رکھ کر کیجیے جو صاحب مشکوٰۃ نے متعلقہ باب میں روایت کی ہیں۔

(1965)

۷۔ مندرجہ ذیل حدیث کی پوری تشریح کیجیے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمَاعِیْلُ فَذَکَرْتُهٗ لِاَیُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔

(1966)

۸۔ مندرجہ ذیل حدیث کی تشریح کیجئے۔ اور مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد الفصل اوّل کی روشنی میں مسجد سے متعلقہ احکام بیان کیجئے۔

"لعنَ اللهُ الیهُودُ النَّصٰریٰ اتَّخَذُوا قبُورَ انْبِیَائِهِمْ مساجد"۔

(1966)

۹۔ مندرجہ ذیل حدیث کی تشریح کیجئے۔ اور جو احادیث آپ نے پڑھی ہیں ان کی روشنی میں مسئلہ رفع یدین پر بحث کیجئے۔

عن مالک بن جوهرث قال کان رسول الله صلے اللهُ عَلیهِ وسلم اذا اکبّر رفعُ یدَیهِ حتّٰی یحازی بهما اذنیه واذا رفعَ رَاسهُ مِن الرّکوع فقال سمع اللهُ لِمَن حَمِدَهٗ فَعلَ ذٰلِکَ

(1966)

۱۰۔ مندرجہ ذیل حدیث کی تشریح کیجئے اور جمعہ کی فضیلت پر روشنی ڈالئے۔

عن ابی هریرہ بن ابی موسیٰ قالَ سمعت اَبِیْ یقولَ سمعت رسول الله صلے اللهُ علیه وسلم فی شان ساعة الجمعه هی ما بین انْ یَّجْلِسُ الامامَ اِلیٰ اَن تَقْضی الصّلوٰۃ"۔

(1967)

۱۱۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب فضل الاذان واجابة المؤذن کی فصل اول میں مذکورہ فضائل واحکام اذان پر بحث کیجئے۔ اور اذان کے بعد کی دعا عربی میں لکھیے اور اس کا ترجمہ اور تشریح بھی درج کیجئے۔

(1967)

۱۲۔ حدیث ذیل کی تشریح کیجئے۔ اور اس ضمن میں علمائے سلف کے اقوال ونظریات بیان کیجئے۔

عن ابی هریرۃ رضی الله عنه قالَ قالَ رسُولُ الله صلے الله علیه وسلم تقطع الصّلوٰۃ

Marfat.com

الْمَرْءَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَيَقِيْ ذٰلِكَ مِثْلُ
مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ۔ (رواہ المسلم) (1967)

۱۲۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب الجمعۃ کی روشنی میں یوم الجمعہ
کی فضیلت واہمیت بیان کیجئے۔ (1967)

Marfat.com

كتاب الزكوٰة

Marfat.com

کِتَابُ الزَّکوٰۃِ

فصل اوّل

زکوٰۃ:- زکوٰۃ ارکان دین میں سے تیسرا رکن ہے۔ اس کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ قرآن پاک میں نماز کی فرضیت کے حکم کیساتھ بیاسی مقام پر اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ خالصتاً مالی عبادت ہے۔ قرآن میں اس صدقہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ زکوٰۃ لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کے ہیں۔ زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے۔ اس کی مثال خداوند قدوس نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمائی "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔

یعنی ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی سی ہے جس نے سات بالیاں اُگائیں۔ اور ہر بالی میں سو دانہ ہو۔ اللہ تعالٰے جس کے لئے چاہے دگنا کر دے۔

زکوٰۃ مال کو پاک کر دیتی ہے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن ہی میں موجود ہے "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" یعنی اے میرے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان سے زکوٰۃ وصول کیں۔ اس سے ان کے مال صاف ستھرے اور پاک ہو جائیں گے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے قرآن و حدیث میں بے شمار بشارتیں ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں۔ اگر اسلامی معاشرہ میں صاحب ثروت لوگ

Marfat.com

جنہیں اصطلاح شرع میں صاحب نصاب کہا جاتا ہے۔ باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کریں۔ تو یقینی طور پر غربت و افلاس اور گداگری وغیرہ کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے۔ زکوٰۃ کی فرضیت میں حکمت یہی ہے۔ کہ مال و دولت کنز کی صورت میں چند ہاتھوں میں نہ رہ جائے۔ بلکہ اسے مناسب حرکت ملتی رہے۔ دولت کا ایک جگہ جمع ہو جانا فساد کا موجب ہے۔ نیز زکوٰۃ دینے سے دل میں مال و دنیا کی غیر معمولی محبت پیدا نہیں ہوتی۔ دولت کی حد سے زیادہ محبت جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے " تُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا " یعنی تم مال سے حد سے زیادہ محبت کرتے ہو۔ انسان میں حرص اور کنجوسی پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہ دونو اخلاقی اور روحانی امراض انسان کے لیئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہیں۔ جو انسان کے دل کا چین اور سکون غارت کر دیتی ہیں۔

الغرض زکوٰۃ ملت اسلامیہ کے اقتصادی نظام کو انتہائی مستحکم اور پائدار بنیادوں پر استوار کر دیتی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب یا نظریہ ایسا عظیم الشان اقتصادی نظام پیش نہیں کر سکتا۔ زکوٰۃ کو ٹیکس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونو میں بعد المشرقین فرق ہے۔ اختصاراً گذارش کرتا ہوں۔ ان دونو میں بنیادی فرق یہ ہے۔ کہ ٹیکس ادا کرنے والا ٹیکس ادا کرنے کے بعد روحانی خوشی محسوس نہیں کرتا۔ اور اسے ادا کرتے وقت بھی بادل نخواستہ ادا کرتا ہے۔ وہ بہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کہ اس سے بچ سکے۔ یا اسے پورا ادا نہ کرنا پڑے۔ اس کے برعکس زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی خوشی سے خود پائی پائی کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ ادا کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔ اسے عبادت سمجھتا ہے۔ لہذا جو لوگ زکوٰۃ کو بھی ٹیکس سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی اور کم علمی کا ثبوت ہے۔ زکوٰۃ کن لوگوں پر فرض ہوتی ہے۔ نیز مختلف چیزوں کا نصاب کیا ہے۔ اس کا ذکر آگے آنے والی احادیث میں ہوگا۔ زیادہ تفصیل کتب فقہ میں درج ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۵:۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ اِنَّكَ تَاْتِيْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوٰتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا۔ فرمایا تو ایک ایسی قوم میں جا رہا ہے۔ جو اہل کتاب ہے۔ پس تو ان کو اس امر کی شہادت کی دعوت دے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتا کہ اللہ تعالےٰ نے رات دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی قبول کر لیں تو پھر ان کو بتلا کہ اللہ تعالےٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو دولت مندوں سے لی جائے گی۔ اور غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کا بہتر بن مال نہ لے۔ اور مظلوم کی دعا سے اپنے آپ کو بچا اس لئے کہ مظلوم کی دعا اور خدا تعالےٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

تشریح:۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ چونکہ یمن میں اس وقت زیادہ اہل کتاب آباد تھے۔ اس لئے آپ نے حضرت معاذ کو فرمایا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ توحید

Marfat.com

رسالت کو جو اسلام کا پہلا رکن اور مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے۔ مان لیں تو پھر فریضہ صلوٰۃ یا زکوٰۃ کے متعلق انہیں حکم دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کے وجوب کی شرائط میں سب سے پہلی اور اہم ترین شرط مسلمان ہونا ہے۔ غیر مسلم پر زکوٰۃ نہیں۔ حضور نے یہ بھی صراحت فرمادی کہ زکوٰۃ امراء کے لئے واجب ہے نیز یہ کہ دولت مندوں سے وصول کر کے اسے غرباء پر خرچ کیا جائے گا اس حدیث میں حضور نے غریب اور مفلوک الحال مسلمان کو مظلوم سے تعبیر فرمایا۔ مالداروں کے مال و دولت میں اللہ تعالیٰ نے غریبوں کا حق رکھا ہے جب وہ ان کا حق ادا نہیں کریں گے تو گویا ان پر ظلم کریں گے۔ حضور نے تنبیہ فرمائی کہ مظلوم کی دعا سے بچو اس لئے کہ اس کی دعا بارگاہ خداوندی میں فوراً قبول ہوتی ہے۔ اس حدیث کے ذریعے زکوٰۃ دینے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر نہ کریں۔ تاکہ تنگدست غربا اور مساکین اپنی حاجات ضروریہ پوری کر سکیں۔ اور ایسی نوبت ہی نہ آئے کہ وہ کسی کے حق میں بددعا کریں۔

حدیث نمبر ۱۵۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا کَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ الاٰیة (بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو خدا تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کیا۔ قیامت کے دن اس مال کو گنجا سانپ بنایا جائے گا۔ جس کی آنکھوں میں دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ اور سانپ کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ پھر یہ سانپ اس شخص کو دونوں باچھوں سے پکڑے گا۔ اور کہیگا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ الاٰیة

Marfat.com

تشریح:- یہ حدیث ان مالداروں کے لئے سخت وعید ہے۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اس کا حکم بجا لانے کے لئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اس مال میں غرباء مساکین کا حق نہیں سمجھتے۔ یہی مال کل قیامت کو اُن کے لئے عذاب بن جائے گا۔ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس مال کو ایسے سانپ کی شکل میں متشکل کرے گا۔ جس کے سر پر بال نہیں ہوں گے۔ جو اس امر کی علامت ہوگی کہ وہ نہایت زہریلا ہوگا۔ اس کی شکل بھی نہایت ہیبتناک ہوگی اس طرح کہ اس کی دو نو آنکھوں سے سیاہ نقطے لٹک رہے ہوں گے۔ تو یہ سانپ اس بدنصیب شخص کے گلے میں لپیٹ جائے گا۔ پھر اُسے ڈسے گا۔ اور ساتھ ہی حدیث میں مذکور الفاظ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں کنز اصطلاح دین میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ استشہاد کے طور پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیہ مبارک تلاوت فرمائی " وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ - یعنی ان لوگوں کے متعلق جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ مال میں کنجوسی کرتے ہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ یہ مال ان کے لئے بہتری ہوگا۔ نہیں بلکہ ان کے لئے سزا کا موجب بنے گا۔ قیامت کے دن یہی مال جن میں وہ بخل کرتے تھے۔ طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۵۷:- عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّیْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِیَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْظَمَ مَا يَكُوْنُ وَاَسْمَنَهٗ تَطَاُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا کہ جس شخص نے پاس اونٹ یا گائیں یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق نہ ادا کرے۔ تو قیامت کے دن ان چیزوں کو بہت بڑی اور فربہ شکل میں لایا جائے گا۔ اور یہ اس کو اپنے پاؤں سے کچلیں گی۔ اور سینگوں سے ماریں گی۔ اور ان جانوروں کی جماعتیں یکے بعد دیگرے اسی طرح کرتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے حساب و کتاب کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح:۔ اس سے پیشتر مال و دولت کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی بدانجامی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس حدیث میں مولیشیوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعید کا بیان ہے۔ حدیث میں اونٹ، گائیں یا بھیڑ بکریاں کی حق ادائیگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ اگر یہ جانور نصاب تک پہنچ جائیں۔ اور ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ تو قیامت کے دن یہی جانور اس شخص کو میدان قیامت میں اپنے پاؤں سے روند کر اور سینگوں سے ضربیں لگا کر عذاب دیں گے۔ اور یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک حساب و کتاب ختم نہیں ہو گا۔ اور اس عرصہ کی مدت جیسا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے پچاس ہزار سال ہے۔ جانوروں پر زکوٰۃ اس صورت میں واجب ہوتی ہے۔ جب سارا سال یا سال کا اکثر حصہ انہیں کھلا چھوڑ کر چرایا جائے۔ اگر سارا سال یا سال کا اکثر حصہ ان کو باندھ کر چارہ ڈالا جائے۔ تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

حدیث نمبر ۱۵۸:۔ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا آئے۔ تو تم کو چاہیئے کہ وہ تمہارے پاس سے اس حال میں واپس جائے کہ وہ تم سے راضی ہو۔

Marfat.com

تشریح:- صدقہ خواہ واجبہ ہو یا نافلہ بارگاہ خداوندی میں تب ہی قبولیت کا شرف حاصل کرتا ہے۔ جب صدقہ دینے والا شخص خوشی سے دے۔ دل میں کسی قسم کا رنج و ملال محسوس نہ کرے اور نہ ہی اس شخص کو اپنا احسان جتلائے جسے اس نے صدقہ دیا۔ چنانچہ ارشاد رب کائنات ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلانے یا صدقہ دینے کے بعد تکلیف محسوس کر کے ضائع نہ کر لو۔ حدیث مذکور میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تعریضاً اسی طرف اشارہ فرمایا۔ زکوٰۃ لینے والے کو ناراض کرنے کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ زکوٰۃ پوری ادا نہ کی جائے۔ یا زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد رنج و ملال کا اظہار کیا جائے۔ یا یہ کہ مُصَدِّق سے بد سلوکی سے پیش آیا جائے۔ ان تینوں صورتوں میں ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کو پورا پورا اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اس لیے حضور نے یہ تعلیم دی کہ جب تمہارے پاس زکوٰۃ کی وصولی کرنے والا آیا۔ تو تمہاری طرف سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو مصدق کی ناراضگی کا باعث ہو۔

حدیث نمبر ۱۵۹:- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِيْ بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى (متفق علیہ) فِيْ رِوَايَةٍ اِذَا اَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے روایت ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی قوم زکوٰۃ لے کر آتی تو آپ فرماتے اے اللہ فلاں شخص پر رحمت

نازل فرما۔ ایک روز میرا باپ زکوٰۃ لے کر آیا تو آپ نے فرمایا اے اللہ ابو اوفیٰ پر رحمت بھیج۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب کوئی شخص زکوٰۃ لے کر آیا تو آپ فرماتے اے اللہ اس پر رحمت بھیج

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعا فرمائیں اس لئے کہ حضور کی دعا اُن کی تسکین کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ یعنی اے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ اس سے آپ ان کے مالوں کو صاف ستھرا کر دیں گے۔ اور ان کے لئے دعا کریں بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ چنانچہ حسب حکم الٰہی جیسا کہ حدیث مذکور میں بیان ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ دینے والے کے لئے رحمت کی دعا فرماتے۔ لفظ صَلِّ سے حضور کا کسی مسلمان کے لئے دعا فرمانا حضور ہی کے لئے خاص ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کے لئے دعا کرنا جائز نہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے سے یا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اللہ تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۰:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَمَّا

Marfat.com

خَالِدًا فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ وَاَعْتَدَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِیَ عَلَیَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ یَا عُمَرُ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو زکوٰۃ کا عامل بنا کر بھیجا۔ آپ کو کسی نے خبر دی کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس نے زکوٰۃ نہیں دی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیل نے اس لئے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا کہ وہ مفلس اور فقیر تھا اب اللہ اور اُس کے رسول نے اس کو دولت مند بنا دیا ہے اور خالد بن ولید پر تم لوگ ظلم کرتے ہو۔ اس لئے کہ اس نے اپنی زرہیں اور جنگ کا تمام سامان جہاد کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اور عباس تو ان کی زکوٰۃ مجھ پر واجب ہے۔ اور مثل اس کے اس کے بعد آپ نے فرمایا اے عمر تجھے معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

تشریح :۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر فرمایا۔ تین اشخاص نے انہیں زکوٰۃ نہ دی۔ حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا کہ ان میں پہلا شخص جس کا نام ابن جمیل تھا اس نے زکوٰۃ نہ دے کر اپنے رب کی ناشکری کی۔ یہ دراصل منافق تھا۔ اور ابتداء میں غریب و مفلس تھا۔ حضور کی دعا سے اللہ تعالےٰ نے اُسے مالدار کر دیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا۔ اس کے احکام و فرائض کو تہ دل سے قبول کرکے انہیں بجا لاتا۔ مگر اس نے ناشکری کی۔ گویا اس نے مال دولت کی نعمت ملنے پر زکوٰۃ دینے سے انکار کرکے کفران نعمت کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مالدار مسلمان کا مال و دولت کی نعمت پر شکر ادا کرنا یہ ہے کہ وہ اس میں سے غرباء مساکین کا حق ادا کرے۔ یعنی زکوٰۃ دے اور صدقات و خیرات

کرے ۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ابن جمیل کی طرح فرمان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق اللہ تعالے کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے ۔ دوسرے شخص حضرت خالد تھے جنہوں نے اپنا اکثر مال جنگی سامان خریدنے پر صرف کر دیا تھا ۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ ان کا سامان جنگ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہے ۔ بنا بریں حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنےٰ کیا ہوا تھا ۔ اس لئے کہ گھوڑوں سے جنگی خدمات لی جاتی تھیں ۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس اسلحہ وغیرہ ہو اور اس نے اسے جہاد ہی کے لئے وقف کر رکھا ہو تو اس سامان پر زکوٰۃ عاید نہیں ہوگی ۔

حضرت عباس کے متعلق شارحین حدیث فرماتے ہیں ۔ کہ انہوں نے اپنی مال کی دو سال کی زکوٰۃ نکال کر حضور کو پہلے ہی دے دی تھی ۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے ۔ حضور کا یہ فرمانا کہ وہ میرے چچا ہیں اپنا چچا مثل باپ کے ہوتا ہیں یہ الفاظ حضرت عباس کی دلجوئی اور تسکین خاطر کے لئے تھے ۔

حدیث نمبر ۱۶۱: عَنْ عَدِیِّ بْنِ عُمَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاہُ مِنْکُمْ عَلٰی عَمَلٍ فَکَتَمَنَا مِخْیَطًا فَمَا فَوْقَہٗ کَانَ غُلُوْلًا یَاْتِیْ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ۔ حضرت عدی بن عمیرہ کہتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس کسی کو کسی کام پر مامور کریں پھر وہ ہم سے سوئی کے برابر یا اس سے زیادہ کسی چیز کو چھپائے تو یہ چھپانا خیانت ہوگی اور قیامت کے دن وہ اس چیز کو لے کر آئے گا ۔

تشریح: ۔ امانت میں خیانت کرنا ایک بہت بڑا اخلاقی جرم

Marfat.com

ہے۔ قرآن پاک نے اس کی یوں مذمت فرمائی: "لَا تَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ"۔ یعنی جان بوجھ کر امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کرنا منافقت کی علامت بتائی۔ زکوٰۃ یا دیگر ضروری واجبات کی وصولی کے لئے جو عامل مقرر ہوں۔ وہ کمال درجے کے امین اور دیانت دار ہونے چاہئیں۔ نبیٔ پاک صلے اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعے انہیں خبردار کیا۔ کہ اگر انہوں نے ایک سوئی کے برابر بھی خیانت کی تو ان کی یہ خیانت چھپی نہیں رہے گی۔ خداوندِ قدوس جو عَالِمُ الغیب والشہادۃ ہے اس سے کوئی چیز کیسے چھپی رہ سکتی ہے۔ اور پھر کراماً کاتبین انسان کے سب اقوال و افعال کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ بقولہٖ تعالےٰ: "اِنَّا رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ" یعنی اے کافرو۔ منافقو سرکشو جو کچھ تم کرتے ہو ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں۔ تو کراماً کاتبین کا لکھا ہوا انسانوں کے اعمال کا یہ ریکارڈ قیامت کے دن اعمال ناموں کی شکل میں ہر انسان کو ملے گا۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ کسی چیز میں خیانت کرنے والا میدانِ حشر میں اس حالت میں لایا جائے گا۔ کہ جس چیز میں اس نے جتنی خیانت کی ہوگی خواہ وہ سوئی کے برابر ہو وہ بھی اٹھائے ہوئے ہوگا۔ جس سے اہل محشر پر عیاں ہو جائے گا۔ کہ یہ شخص خائن ہے۔ اور اس نے فلاں چیز میں اتنی خیانت کی تھی۔ اندازہ کیجئے حضور نبیٔ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے کس قدر موثر پیرائے میں نصیحت فرمائی۔ دنیا میں خیانت کا راز فاش ہو جانے پر تو محدود تعداد میں لوگوں کے سامنے رسوائی ہوتی ہے مگر قیامت کے دن تمام اہل محشر کے سامنے ذلت و رسوائی ہوگی۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا)۔

Marfat.com

باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ

جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا بیان

فصل اوّل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حدیث نمبر ۱۶۲:- صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ وَّلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَّلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ (متفق علیہ)

ترجمہ:- ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کھجوروں میں پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر زکوٰۃ نہیں اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

تشریح:- کسی چیز میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ ایک خاص تعداد یا مقدار میں مالک کے پاس موجود ہو۔ اس مخصوص تعداد یا مقدار کو اصطلاح دین میں نصاب کہا جاتا ہے۔ حدیث مذکور میں کھجوروں چاندی اور اونٹوں کے نصاب کا بیان ہے کھجوروں کا نصاب حسب ارشاد نبوی پانچ وسق کھجوریں ہیں پانچ وسق تیس من کے برابر ہوتے ہیں۔ گویا تیس من کھجوروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تیس من سے کم ہوں تو پھر نہیں اگر تیس من کھجوریں ہوں تو ان کا عشر یعنی $\frac{1}{10}$ حصہ زکوٰۃ دینا ہوگی۔

امام شافعی اور صاحبین کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ جس قدر پیدا ہو اس کا دسواں

حصہ دینا ہوگا۔ حدیث میں اگرچہ صرف کھجوروں ہی کا بیان ہے مگر اسی سے تمام میووں ۔ غلوں اور تمام نباتات کی زکوٰۃ کا حکم بھی ماخوذ ہوتا ہے۔ چاندی کا نصاب پانچ اوقیے ہیں۔ یہ سکہ کی صورت میں دو سو درہم جو وزن میں ساڑھے باون تولہ کے برابر ہوتے ہیں۔ تو اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہوگی جیسا کہ اگلی حدیث میں بیان ہے۔ سونے کا اگرچہ اس حدیث میں ذکر نہیں بموجب دیگر احادیث کے اس کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے۔ سونا چاندی خواہ زیورات کی شکل میں ہوں۔ یا پتروں یا ڈلی کی شکل میں یا سکوں کی شکل میں۔ جواہرات اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں۔ ان پر کتنی زکوٰۃ ہوگی۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

حدیث نمبر ۱۶۳:- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْبَحْرَيْنِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِىْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِىْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِىْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰى وَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّاَرْبَعِيْنَ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّسَبْعِيْنَ اِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ

Marfat.com

إحدى وتسعين إلى عشرين ومائة ففيها حقتان طروقتا
الجمل فإذا زادت على عشرين ومائة ففي كل أربعين بنت
لبون وفي كل خمسين حقة ومن لم يكن معه إلا أربع
من الإبل فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها فإذا
بلغت خمسا ففيها شاة ومن بلغت عنده من الإبل
صدقة الجذعة وليست عنده جذعة وعنده حقة
فإنها تقبل منه الحقة ويجعل معه شاتين إن استيسرتا
له أو عشرين درهما ومن بلغت عنده صدقة الحقة
وليست عنده الحقة وعنده الجذعة فإنها تقبل
منه الجذعة يعطيه المصدق عشرين درهما
أو شاتين ومن بلغت عنده صدقة الحقة وليست
عنده إلا بنت لبون فإنها تقبل منه بنت لبون ويعطي
شاتين أو عشرين درهما ومن بلغت صدقته
بنت لبون وعنده حقة فإنها تقبل منه حقة
ويعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين و
من بلغت صدقته بنت لبون وليست عنده وعنده
بنت مخاض فإنها تقبل منه بنت مخاض ويعطي معها
عشرين درهما أو شاتين ومن بلغت صدقته بنت
مخاض وليست عنده وعنده بنت لبون فإنها تقبل
منه ويعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين
فإن لم يكن عنده بنت مخاض على وجهها وعنده
ابن لبون فإنه تقبل منه وليس معه شيء وفي
صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى

عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاةٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْخَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بحرین کی طرف روانہ کیا تو یہ حکم نامہ لکھا۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ اس زکوٰۃ کا بیان ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ پس جب زکوٰۃ کو اس طریقہ کے مطابق طلب کیا جائے تو دی جائے اور جو اس سے زیادہ مانگی جائے تو نہ دی جائے۔

تو پنتیس تک چوبیس اونٹوں یا اس سے کم میں اس طرح واجب ہے کہ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری اور جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ایک برس کا اونٹ کا مادہ بچہ۔ پینتیس سے پینتالیس تک دو برس کا مادہ بچہ چھیالیس سے ساٹھ تک تین برس کا مادہ بچہ اور اکسٹھ سے پچھتر تک وہ اونٹنی جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں داخل ہو رہی ہو اور چھہتر

Marfat.com

سے نوے تک دو دو برس کے دو مادہ بچے اکانوے سے ایک سو بیس تک تین برس
دو اونٹنیاں اور جب ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس کی زیادتی
پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر تین برس کی اونٹنی اور جس کے
پاس صرف چار اونٹ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں مگر مالک چاہے تو
نفل کے طور پر دے دے۔ جب پانچ اونٹ ہو جائیں تو ایک بکری واجب
ہے جس کے پاس اکسٹھ سے پچھتر تک اونٹ ہوں تو اس پر چار برس کی اونٹنی
واجب ہے۔ اگر اس کے پاس چار برس کی اونٹنی نہ ہو۔ اور تین برس کی ہو تو
تین برس ہی کی قبول کر لی جائے اور دو بکریاں اگر میسر ہوں یا بیس درہم اس
کے ساتھ دیدیئے جائیں۔ جس کے پاس چھیالیس سے ساٹھ تک اونٹ ہوں تو
اس پر تین برس کی اونٹنی دینا واجب ہے۔ اگر اس کے پاس تین برس کی اونٹنی
نہ ہو بلکہ چار برس کی ہو تو چار برس کی اونٹنی لے لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول
کرنے والا اسے دو بکریاں یا بیس درہم دے دیں۔ اور جس کے پاس اتنے
اونٹ ہوں کہ ان میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور اس کے
پاس تین برس کی اونٹنی نہ ہو۔ دو برس کی ہو۔ تو اس سے دو ہی برس کی اونٹنی
لے لے۔ اور اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم زکوٰۃ وصول کرنے والا
لے لے۔ جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں دو برس کی اونٹنی واجب
ہو اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی نہ ہو بلکہ تین برس کی ہو تو اس سے
تین برس کی اونٹنی لے لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو
بکریاں یا بیس درہم دے دے۔ اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان
میں دو برس کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی نہ ہو بلکہ
ایک ہی برس کی ہو تو اس سے ایک ہی برس کی قبول کر لی جائے اور اس کے
ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم لے لیئے ایک برس کی اونٹنی نہ ہو بلکہ دو برس
کی ہو تو اس سے دو برس ہی کی اونٹنی لے لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول

کرنے والا بیس درہم یا دو بکریاں دے دے۔ اور برس کی اونٹنی نہ ہو اور اونٹ ہو تو وہی دے دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ کچھ نہ دیا جائے۔ بکریوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر بکریاں چرنے والی ہوں تو چالیس بکریوں سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری واجب ہے۔ ایک سو بیس سے دو سو تک دو بکریاں دو سو سے تین سو تک تین بکریاں۔ اگر تین سو سے زیادہ ہوں۔ تو ہر سو بکری ہر ایک بکری اور چرنے والی بکریاں اگر چالیس سے کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں انکا مالک اگر چاہے تو بطور نفل دے دے۔ اور زکوٰۃ میں نہ عمدہ بکری دی جائے اور نہ عیب دار اور یہی حکم اونٹوں کا اور گایوں کا ہے۔ اور زکوٰۃ میں بکرا نہ دیا جائے۔ اگر زکوٰۃ لینے والا کسی مصلحت سے بکرا لینا چاہے تو مضائقہ نہیں اور متفرق جانوروں کو اکٹھا نہ کیا جائے یعنی ایک آدمی کے جانوروں کو ملا کر تعداد پوری نہ کی جائے۔ اور نہ ہی زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے اور جو نصاب شرعی دو حصہ داروں کے درمیان واجب ہو اس کو دونوں برابر بانٹ لیں۔ اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے اگر کسی کے پاس ایک سو نوے درہم ہوں تو ان کے پاس زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر ان کا مال نفل کے طور پر کچھ دینا چاہے تو دے دے۔

تشریح :- جہاں تک اونٹوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کا تعلق ہے یہ حدیث بالاستیعاب ان جانوروں کی زکوٰۃ کا حساب بتاتی ہے۔ تاکہ نہ تو زکوٰۃ دینے والے سے زیادہ زکوٰۃ وصول کر لی جائے اور نہ ہی ان کے ذمہ زکوٰۃ میں سے کچھ واجب الادا رہ جائے۔ اگر اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے تجاوز کر جائے تو اکثر اہل علم جن میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام ثوری اور امام نخعی کے نزدیک فیصلہ کن امر یہ ہے کہ زکوٰۃ از سر نو شروع کی جائے۔ اور ان کے قول کی موید وہ حدیث ہے جو حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جب اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو زکوٰۃ از سر نو شروع

کی جائے۔ اونٹوں کی زکوٰۃ میں مادہ کا زکوٰۃ میں دینا افضل ہے۔ اگر مادہ نہ ہو تو نر اونٹ دیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کی سہولت کے لئے اونٹوں کی زکوٰۃ میں یہ آسانی مہیا فرما دی۔ کہ اگر تین سال کی اونٹنی واجب ہونے کی صورت میں یہ نہ ہو اور دو سال کی ہو تو وہی دے دے۔ اور ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم دے دے اسی طرح اگر دو سال کی واجب ہے اور اس کے پاس ایک سال کی ہے تو اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں دے دے۔ اس کے برعکس اگر چھوٹی عمر کی مادہ زکوٰۃ میں دینی واجب اور زکوٰۃ دینے والے کے لئے پاس زیادہ عمر کی اونٹنی ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے پاس سے حساب کے ساتھ بکریاں یا درہم دے۔

یہ بیان پہلے گذر چکا ہے۔ کہ جانوروں پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہو گی۔ جب یہ سارا سال یا سال کا اکثر حصہ باہر چرتے ہوں۔ اگر برس کا اکثر حصہ گھر باندھ کر چارہ کھلایا جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ بھیڑوں اور دنبوں کی زکوٰۃ کا نصاب بھی وہی ہے جو بکریوں کا ہے۔ جس کی تفصیل حدیث میں گذر چکی ہے۔ بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں آئمہ دین میں کچھ اختلاف ہے۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ گلہ پر ہوتی ہے۔ نہ کہ اعداد پر۔ ان کے مذہب میں اگر ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہوں اور دو گلوں میں علیحدہ علیحدہ منقسم ہوں تو اس پر دو بکریاں واجب ہوں گی۔ جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک ہی بکری واجب ہو گی۔ اور اگر دو شخصوں کی ایک ہی گلہ میں اسی بکریاں ہوں۔ چالیس ایک کی اور چالیس دوسرے کی تو امام شافعی کے نزدیک صرف ایک ہی بکری واجب ہو گی۔ اور امام اعظم کے نزدیک دو واجب ہوں گی۔

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا

Marfat.com

کہ زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو نہ تو جمع کیا جائے۔ اور نہ متفرق کیا جائے
امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک جانوروں کو جمع اور متفرق کرنے کی نہی مالک کے لیئے ہے مثلاً جمع کرنے کی صورت یہ ہے۔ کہ دو شخصوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں۔ وہ دونو ملا کر ایک ہی ریوڑ بنالیں۔ تاکہ زکوٰۃ کم دینی پڑے اس لیئے کہ پہلی صورت میں دو بکریاں دینا پڑیں گی۔ اور دوسری صورت میں ایک ہی جگہ ہونے کی وجہ سے صرف ایک بکری۔ متفرق کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی بیس بکریاں ہیں یہ ایک ہی گلہ میں کسی دوسرے شخص کی بیس بکریوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں تو دونوں الگ الگ نہ کرلیں تاکہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے۔ اس لیئے کہ پہلی صورت میں زکوٰۃ پڑے گی دوسری صورت میں نہیں۔
امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہی مذکور مالک کیلئے نہیں بلکہ زکوٰۃ وصول کنندہ کے لیئے ہے۔ مثلاً جمع کرنے کی صورت میں دو آدمیوں کے پاس علیحدہ علیحدہ اتنی بکریاں ہیں کہ حد نصاب تک نہیں پہنچتیں اگر ان کو جمع کرلیا جائے تو نصاب تک پہنچ جاتی ہیں۔ تو حدیث کی رُو سے مُصَدِّق کو ایسا کرنا روا نہیں ہے۔ مثلاً دونوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ہونے کی صورت میں زیر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اگر ملا دیا جائے۔ تو پھر زکوٰۃ پڑ جائے گی۔ متفرق کرنے کی صورت یہ ہے۔ کہ ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں۔ ان میں ایک بکری دینا واجب ہوگی۔ اگر ان کو دو جگہ علیحدہ علیحدہ کریں۔ تو دو بکریاں زکوٰۃ میں دینا ہوں گی۔ مگر مصدق کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر دو آدمیوں کا اکٹھا ریوڑ ہو اور وہ اکٹھی زکوٰۃ دیں تو اس صورت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی۔ کہ ہر ایک اپنے اپنے جانوروں کی تعداد کے مطابق حساب کرکے آپس میں تصفیہ کرلیں۔ تاکہ آپس میں

Marfat.com

اختلاف پیدا نہ ہو۔ مثلاً دو سو بکریوں کے ایک ریوڑ میں ایک شخص کی چالیس اور دوسرے کی ایک سو ساٹھ ہیں۔ تو دونوں پر ایک ایک بکری واجب ہوگی مگر چونکہ ۲۰۰ بکریوں میں سے ایک کا حصہ ⅕ اور دوسرے کا ⅘ تو دونوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے حصے کی نسبت سے دی ہوئی زکوٰۃ میں تصفیہ کر لیں۔ چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ صدقہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ خواہ صدقہ واجبہ ہو جیسے زکوٰۃ یا صدقہ نافلہ جیسے خیرات وغیرہ۔ اگر کسی شخص کے پاس کسی چیز کا نصاب پورا نہیں ہوتا تو اس پر اگرچہ زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی مگر حضور نے صدقہ نفل دینے کی ترغیب دلائی۔ تاکہ وہ اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۴۱:- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کو آسمان نے سیراب کیا ہو۔ یا چشموں نے یا زمین خود سرسبز و شاداب ہو۔ اس میں دسواں حصہ واجب ہے۔ اور جس کو کنوئیں سے سیراب کیا ہوا ہو۔ اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہے۔

تشریح:- اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ یعنی کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ حدیث مذکور میں زمین سے حاصل شدہ پیداوار کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ اگر زمین کی آبپاشی مینہ کے پانی ندی نالوں یا نہروں کے

Marfat.com

پانی سے ہو تو ایسی زمین میں جو کھیتی پیدا ہوگی۔ اس کا دسواں حصّہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔ نیز اس صورت میں بھی زکوٰۃ دسواں حصّہ ہی ہوگا۔ جب کہ زمین کے قریب تالاب کی شکل میں گڑھا وغیرہ جسے عربی میں عاثور کہتے ہیں کھود دیا گیا ہو اور اس میں سے پانی زمین کو پہنچتا ہو یا زمین اتنی زرخیز ہو کہ وہ ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہو۔ اور اگر کوئیں کے پانی کو کسی جانور کے ذریعے نکال کر زمین کو سیراب کیا جائے تو ایسی زمین سے حاصل شدہ کھیتی سے ۱/۲۰ حصّہ یا نصف عشر زکوٰۃ ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۶۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے۔ کنوئیں میں گر کر یا کنواں کھودتے ہوئے کنوئیں میں گر کر مر جائے تو معاف ہے یا کان کھودنے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے۔ اور کان یا دفینہ میں پانچواں حصّہ ہے۔

تشریح: اگر کسی کا جانور گائے بیل بھینس وغیرہ کسی شخص کو زخمی کر دے اس صورت میں کہ وہ خود اس کے ساتھ نہ ہو۔ بالفاظ دیگر وہ جانور آوارہ حالت میں ہو تو اس صورت میں وہ جانور اگر کسی کو زخمی کر دے یا کوئی چیز تلف کر دے۔ تو مالک پر نقصان کی تلافی واجب نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ وہ جانور رات کو چھوٹ کر ایسا نہ کرے۔ اگر رات کو چھوٹ کر کسی کو زخمی کرے یا کسی چیز کا نقصان کرے تو اس صورت میں مالک پر نقصان کا بدلہ دینا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ رات کے وقت جانور کو باندھ کر رکھنا اور کھلا نہ رہنے دینا مالک پر فرض ہے۔ اگرچہ وہ حدیث

میں اس چیز کی صراحت نہیں مگر دیگر احادیث اور اقوال کی روشنی میں مذکورہ بات کا ثبوت موجود ہے اسی طرح اگر کسی نے اپنی زمین میں کنواں کھودنے کے لئے کوئی مزدور لگایا۔ اور وہ مزدور یا اور کوئی آدمی یا جانور اتفاقیہ کنوئیں میں گر کر مر گیا تو کنواں کھدوانے والے پر خون بہا دینا واجب نہیں ہوگا۔ مگر کسی شخص نے راستے میں یا اور کسی شخص کی زمین میں کنواں کھود دیا۔ اور اس میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر گیا تو اس صورت میں کنواں کھودنے والا قصوروار ہوگا۔ اور اسے خون بہا دینا ہوگا۔

اس کے بعد حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کان کی زکوٰۃ کا حکم بیان فرماتے ہیں حدیث میں اس کے لئے لفظ رکاز ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکاز سے مراد کان ہے۔ ان کے نزدیک سوائے جواہرات کے باقی سب چیزوں پر جو کان سے نکالی جاتی ہیں۔ پانچواں حصہ یا خمس زکوٰۃ میں دینا واجب ہے کان میں سے نکلنے والی چیزیں تین قسم کی ہیں اول وہ جن کو پگھلا کر سکہ کی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے سونا چاندی تانبا وغیرہ۔ دوسری وہ جو پگھل کر پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے رال اور گندھک تیسری قسم وہ ہے جو منطبع نہ ہو سکے جیسے چونہ۔ ہڑتال اور جواہرات وغیرہ تو ان تینوں اقسام میں سوائے جواہرات کے باقی سب چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک کان سے نکلی ہوئی چیزوں میں سے صرف سونے چاندی پر زکوٰۃ ہے باقی کسی چیز پر نہیں۔ اہل حجاز کے نزدیک رکاز کا اطلاق دفینہ پر ہوتا ہے۔ دفینہ کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر قرائن و شواہد سے ثابت ہو جائے گا دفینہ کی اشیاء کسی مسلمان کی ملک میں تو ایک سال تک مالک کا پتہ لگایا جائے۔ اگر نہ ملے تو غرباء میں تقسیم کر دے یا خود دفینہ نکالنے والا اگر غریب ہو تو استعمال کر سکتا ہے اور اگر دفینہ کسی غیر مسلم کا ہے تو اس کا خمس یعنی ۱/۵ حصہ بطور زکوٰۃ دیا

جائے گا۔ اور باقی ۴/۵ حصہ دفینہ پانے والے کو مل جائے گا۔

باب صدقۃ الفطر (صدقہ فطر کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۶۶۱:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کو ہر ایک غلام، آزاد، مرد، عورت بچے اور بوڑھے ہر مسلمان پر ایک صاع جَو اور کھجور کا حکم دیا ہے۔ اور نماز ادا کرنے سے پہلے اسے ادا کیا جائے۔

تشریح:۔ صدقہ فطر ایک مخصوص صدقہ ہے۔ جو رمضان گذرنے پر عید الفطر کے موقعہ پر ادا کیا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ صدقہ فطر روزہ کا صدقہ ہے روزہ دار سے روزہ کی حالت میں جو لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں صدقہ فطر ان سے روزہ کو پاک کر دیتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غرباء مساکین اور مفلوک الحال مسلمان عید کے سلسلے میں اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ دیلمی و خطیب و ابن عساکر میں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تک صدقہ فطر ادا نہ کیا جائے روزہ زمین و

آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے۔ گویا یہ صدقہ فطرادا نہ کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے۔ صدقہ فطر ہر مسلمان صاحب نصاب پر واجب ہے اس کے لئے آزاد عاقل بالغ ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ حدیث مذکور میں صراحت ہے اس کا وجوب امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ثابت ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک فرض ہے جب کہ امام مالک کے نزدیک سُنت مؤکدہ ہے۔ یہ صدقہ گھر کے جملہ افراد مرد و عورت چھوٹے بڑے آزاد غلام کی طرف سے ہوگا۔ صدقہ فطر کی مقدار کی تعداد جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ جَو یا اس کا آٹا یا ستّو یا کھجور کا ایک صاع جو وزن میں چار سیر کے برابر ہوتا ہے۔ گیہوں یا ان کا آٹا نصف صاع یعنی دو سیر۔ اگر گیہوں یا جَو کے علاوہ اور کسی جنس مثلاً چاول۔ جوار یا باجرہ میں صدقہ فطر دینا ہو تو ان میں قیمت کا حساب کرنا ہوگا۔ ایک صاع جَو یا نصف صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ان کا جتنا وزن بنتا ہے۔ وہ دینا ہوگا۔ صدقہ فطر نمازِ عید سے پہلے دینا افضل ہے عید سے پہلے روزوں میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ اور عید کے بعد بھی مگر عید کے بعد دینا خلاف اَولیٰ ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۶۷:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِیْبٍ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں۔ کہ ہم کھانے والی چیزوں میں سے جَو۔ کھجوروں۔ پنیر اور خشک انگوروں میں سے ایک صاع صدقہ فطر دیتے تھے۔

تشریح:- بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان کے پاس کوئی مخصوص جنس نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سہولت مہیا فرمائی کہ صدقہ فطر کسی بھی کھانے والے چیز میں دیا جا سکتا ہے۔ خواہ یہ

گیہوں ہوں یا جَو یا ان کا آٹا ہو۔ یا کھجوریں ہیں یا پنیر یا خشک انگور ہوں ان سب اشیاء میں سوائے گیہوں کے ایک صاع دینا ہوگا۔ جب کہ گیہوں یا اس کا آٹا نصف صاع جیسا کہ پیشتر بھی بیان ہو چکا ہے۔

بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

(ان لوگوں کا بیان جن کو زکوٰۃ لینا حلال نہیں)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۸۱۱:- عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَۃٍ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُہَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم راستے پر جا رہے تھے۔ کہ ایک کھجور پڑی پائی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اس امر کا یقین ہوتا کہ یہ کھجور زکوٰۃ کی نہیں ہے تو میں اس کو کھا لیتا۔

تشریح: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ اپنے لیے اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لیے حرام ٹھہرائی۔ جیساکہ مسلم کی روایت میں جو عبدالمطلب بن ربیعہ سے مروی ہے تصریح ہے حضور نے فرمایا کہ یہ صدقات آدمیوں کا میل ہے۔ ان کا کھانا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہیں۔ آپ کی آل میں تمام بنی ہاشم شامل ہیں۔ یہ پانچ حضرات کی اولاد ہیں۔ ایک حضرت علی کی اولاد خواہ وہ سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے ہو یا دوسری ازواج سے۔ دوسرے حضرت جعفر کی اولاد تیسرے

حضرت عقیل۔ یہ چوتھے حضرت عباس اور پانچویں حارث بن عبد المطلب کی اولاد یہاں تک ان کے غلام اور لونڈیوں کو بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اسی لیے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے راستے میں پڑی ہوئی کھجور کو نہ اٹھایا مبادا یہ صدقہ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو۔ مگر حضور کا یہ فرمانا کہ اگر صدقہ کا مال ہونے کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میں کھا لیتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راستے میں معمولی قیمت کی ایسی کھانے والی چیز اٹھا کر کھا لینے میں مضائقہ نہیں۔ مگر خلاف تقویٰ ضرور ہے اس لیے کہ کیا معلوم وہ چیز کس قسم کے مال سے ہو۔ ارشاد خداوندی ہے" كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی جو چیزیں تمہیں رزق دی گئی ہیں ان میں سے صاف ستھری چیزیں کھاؤ۔ نبی کریم کی اپنی امت کے غریبوں مسکینوں کے لیے یہ بہت بڑی قربانی ہے کہ صدقات کا لینا اپنے خاندان والوں کے لیے ناجائز ٹھہرا دیا۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا۔

وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو
کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

حدیث نمبر ۱۶۹:- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرَةِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَمَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کھجور پھینک دینے کے لیے کخ کخ فرمایا اور پھر فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہم زکوٰۃ نہیں کھاتے۔

تشریح:- اس سے پیشتر بیان کردہ حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے۔ کہ زکوٰۃ میرے اور میرے خاندان

Marfat.com

(یعنی بنی ہاشم) کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ زکوٰۃ اور صدقات لوگوں کا میل ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد موجود ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔ یعنی اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ اہل بیت نبیؐ سے گندی اور ناستھری چیزوں کو دور فرمائے اور انہیں پاک کر دے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خورد سالی کی وجہ سے یہ نہ جانتے تھے۔ حضورؐ نے ان کو منع کرنے اور حاضرین کو آگاہ کرنے کے لئے حضرت حسن کو فرمایا کہ اس کھجور کو جو صدقہ کی کھجوروں میں سے ہے پھینک دے۔ ساتھ تصریح بھی فرما دی کہ ہمارے لئے صدقے کا کھانا جائز نہیں۔ تاکہ سادات اور بنو ہاشم زکوٰۃ کا مال لینے سے گریز کریں۔ اور دوسرے لوگ زکوٰۃ کا مال ان کو نہ دیں۔ روایات میں اسی سے مماثل ایک واقعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے۔ کہ انہوں نے ایک دفعہ لاشعوری طور پر صدقہ کی کھجور کھائی۔ آپ کے غلام کو پتہ چلا تو اُس نے عرض کیا کہ یہ تو صدقہ کی کھجور تھی۔ حضرت صدیق اکبر نے اُسی وقت منہ میں انگلی ڈال کر قے کر دی اور کھائی ہوئی کھجور کو اپنے پیٹ سے نکال دیا۔

حدیث نمبر ۱۷۰:۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْہُ اَھَدِیَّۃٌ اَمْ صَدَقَۃٌ؟ فَاِنْ قِیْلَ صَدَقَۃٌ قَالَ لِاَصْحَابِہٖ کُلُوْا وَلَمْ یَاْکُلْ وَاِنْ قِیْلَ ھَدِیَّۃٌ ضَرَبَ بِیَدِہٖ فَاَکَلَ مَعَھُمْ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص کوئی کھانے کی چیز لاتا تو آپ اُس سے دریافت فرما لیتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تم کھاؤ اور خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیتے اور صحابہ کیساتھ کھا لیتے۔

Marfat.com

تشریح:۔ یہ حدیث بھی اس بارے میں پوری صراحت پیش کرتی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے کہ یہ فقیروں اور مسکینوں کا مال ہے۔ چنانچہ جب کبھی کوئی شخص حضور کی بارگاہِ عالیہ میں کوئی کھانے کی چیز لاتا تو حضور اس سے پوچھ لیتے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ۔ اگر وہ شخص کہہ دیتا کہ صدقہ ہے تو حضور خود تناول نہ فرماتے اور اپنے اصحابہ خصوصاً اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرما دیتے۔ ہدیہ صدقہ نہیں ہوتا بلکہ دوست احباب اور بزرگوں کو از راہِ تعظیم و تکریم یا تحفہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہدیہ ہونے کی صورت میں حضور اپنے اصحابہ کے ساتھ مل کر تناول فرما لیتے۔

حدیث نمبر ۱۷۱:۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدَى السُّنَنِ اَنَّهَا عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَّاُدْمٌ مِّنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَاَنْتَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ حضرت بریرہ کے متعلق تین شرعی احکام وارد ہوئے ہیں ایک یہ کہ اس کو آزاد کیا گیا اور اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے خاوند کو نکاح میں باقی رکھے یا چھوڑ دے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی کی میراث اس شخص کے لئے ہے جو اُسے آزاد کرے۔ جناب رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور ہانڈی جس میں گوشت تھا خوب جوش مار رہی تھی۔ پھر آپ کے سامنے آپ

Marfat.com

کے لئے روٹی اور گھر میں پکا ہوا سالن لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت پک رہا ہے۔ عرض کیا گیا ہاں لیکن وہ گوشت صدقہ کا ہے جو بریرہ کو دیا گیا۔ اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے مگر ہمارے لئے ہدیہ۔

تشریح:۔ حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں۔ یہودی نے انہیں کہا۔ کہ اتنے پیسے لا دیں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا مالک تجھے فروخت کر دے تو تجھے خرید لوں گی۔ حضرت بریرہ نے یہودی سے جا کر یہ الفاظ کہے تو اس نے کہا کہ اس شرط پر فروخت کروں گا۔ کہ تیری میراث کا میں مالک ہونگا حضور کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ یہودی غلط کہتا ہے غلام یا لونڈی کی میراث کا مستحق وہ ہوتا ہے۔ جو اُسے آزاد کرے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کو خرید لیا۔ مغیث نامی ایک غلام سے ان کی شادی کر دی۔ لعد میں انہیں یعنی حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا۔ جب شادی شدہ لونڈی آزاد ہو تو حسب ارشاد نبوی اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا نہ رہے اسے خیار عتق کہتے ہیں۔ یہاں تک حضرت بریرہ کے متعلق حدیث میں مذکورہ دو احکام کا بیان ہے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ صدقہ کا مال جب کسی مستحق کو دے دیا جائے تو وہ اس کی ملک میں آ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جسے چاہے دے سکتا ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس چیز پر صدقہ کے احکام کا اطلاق یہ کہ کس کے لئے اس کا لینا جائز ہے کس کے لئے نہیں اسی وقت تک ہے۔ جب تک وہ چیز صدقہ دینے والے کے پاس رہے۔ صدقہ کا گوشت جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ جب حضرت بریرہ کے پاس پہنچ گیا۔ تو وہ اس کی مالک ہو گئیں۔ اب وہ صدقہ نہیں رہا۔ اس کو ہر شخص کھا سکتا تھا۔ چنانچہ حضور نے تعلیم اُمت کے لئے فرمایا کہ وہ گوشت

Marfat.com

جو ہنڈیا میں پک رہا تھا۔ دہ لاؤ تاکہ شریعت مطہرہ کا بیان کردہ حکم کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ جب حضور کو بتایا گیا کہ یہ گوشت بریرہ کو لبطور صدقہ دیا گیا تھا۔ تو حضور نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے صراحت فرما دی کہ بریرہ کے لئے تو یہ صدقہ تھا۔ مگر اب جب کہ وہ اس کی ملک میں پہنچ گیا۔ اب ہمارے لئے صدقہ نہیں رہا بلکہ ہدیہ ہے اور ہدیہ حضور کے لئے جائز ہے۔ اس سے پیشتر صدقہ کے بارے میں جو احادیث گذر چکی ہیں۔ ان میں اور اس حدیث میں چنداں تعارض نہیں ہے اور اگر بظاہر کچھ معلوم بھی ہو تو اس کی تشریح و توضیح سے دور ہو جائے گا۔ اس حدیث میں چنداں تعارض نہیں ہے۔ اور اگر بظاہر کچھ معلوم بھی ہو تو اس کی تشریح د توضیح سے دور ہو جائے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ گوشت حضور کا مرغوب کھانا تھا۔ چنانچہ گوشت کے متعلق آپ نے فرمایا "سَیِّدُ الطَّعَامِ لَحْمٌ" یعنی کھانوں کا سردار یعنی سب سے بہتر کھانا گوشت ہے۔ انسانی صحت کو برقرار رکھنے نیز جسمانی قوت ونشاط کے حصول کے لئے لحمیات کس قدر ضروری ہیں۔ اہل علم و دانش پر چنداں مخفی نہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۲:۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْبَلُ الْھَدِیَّۃَ وَ یُثِیْبُ عَلَیْھَا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کا بدلہ فرمایا کرتے تھے۔

تشریح:۔ آپس میں الفت و محبت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو تحفہ اور ہدیہ بھیجنا نہایت اکسیر ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو انسانی فطرت سے مکمل طور پر شناسائی رکھتے ہیں امت کی شیرازہ بندی مستحکم بنانے کے لئے ایک دوسرے کو ہدیے بھیجنے کی تلقین فرماتے

Marfat.com

ہیں۔ اس ضمن میں حضور نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں فرمایا تَھَادُوْا تَوَادُّوْا" یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی یہ حدیث اس سلسلے میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ پیش کرتی ہے کہ حضور کو ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اور ساتھ ہی ہدیہ کا بدلہ فرمایا کرتے تو سنت یہی ہے۔ کہ دوست۔ احباب یا اعزہ اقربا کی طرف سے۔ اگر کسی وقت کوئی ہدیہ آئے تو اسے قبول کر لیا جائے۔ اور اس کے بدلے میں اپنی طرف سے کوئی چیز ضرور بھیجی جائے۔ حضور کی اسی تعلیم کے پیش نظر اسلامی معاشرہ میں یہ دستور ہے۔ کہ اپنے مذہبی تہواروں پر پڑوسیوں دوستوں یا رشتہ داروں کے ہاں کھانا وغیرہ ہدیۃً بھیجا جاتا ہے۔ مگر ایک سرکاری ملازم جس سے عوام کے کئی ایک دنیوی فوائد وابستہ ہوں اُسے عوام سے ہدیہ یا تحفہ وغیرہ قبول کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ اس کے لئے ایک قسم کی رشوت ہی ہوگی۔ البتہ اپنے دوست احباب سے قبول کرنے کی ممانعت نہیں بشرطیکہ وہ رشوت کی نیت سے کوئی ہدیہ یا تحفہ نہ دیں۔

حدیث نمبر ۱۷۱:- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی کُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَ لَوْ اُھْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے بکری کی پنڈلی کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا۔ اور اگر مجھے بکری کا دست ہدیہ میں بھیجا جائے تو وہ بھی ضرور قبول کروں گا۔

تشریح:- اعزہ و اقربا ہوں یا برادرانِ دین ان کی دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ اس سے دوسروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اور آپس میں موانست و محبت پیدا ہوتی ہے۔ دعوت دینے والا خواہ امیر ہو یا

Marfat.com

غریب اسے قبول کرنے میں احتراز نہیں کرنا چاہیے۔ بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت نفیس پیرائے میں دعوت قبول کرنے کی ترغیب و تحریص پیدا فرمائی۔ بکری کی پنڈلی بالکل ادنیٰ سی چیز ہے ظاہر ہے کہ ایسی چیز کی دعوت بھی کسی غریب آدمی ہی کی طرف سے ہوئی۔ تو جب حضور نبیٔ پاک شہنشاہ ہر دو جہاں ایسی معمولی سی دعوت قبول کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار فرما رہے ہیں تو حضور کی اُمت کے کسی فرد کو یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ حضور کے اِس ارشاد عالی کا علم رکھتے ہوئے کسی اعلیٰ یا ادنیٰ مسلمان کی دعوت سے انکار کرے۔ دعوت سے انکار کرنے سے لامحالہ باہمی تعلقات میں کچھ نہ کچھ فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ہدیہ لینے سے بھی انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ ہدیہ خواہ معمولی سے معمولی چیز پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حضور نے تمثیل کے طور پر نہایت ادنیٰ چیز یعنی بکری کا دست کا ذکر فرمایا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضور نے اپنے ارشاد گرامی میں لام تاکید استعمال فرمایا یعنی میں ضرور قبول کروں گا۔

مُعلّم انسانیت علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا بنی نوع انسان کو علم و تعلیم و موعظت حسنہ دینے کا کیا ہی خوب طریقہ ہے۔ ایسے مؤثر طریقہ سے دی ہوئی تعلیم کے ذریعہ کی ہوئی پند و نصیحت کیوں نہ دلنشیں ہوں۔

حدیث نمبر ۱۷۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنَ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُّغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْهِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْئَلُ النَّاسَ۔ متفق علیہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے۔ اور اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے ایک کھجور یا دو کھجوریں دے دی جاتی ہے۔ بلکہ مسکین وہ شخص ہے جو اس قدر مال نہ رکھتا ہو۔ جو اس کو غنی کر دے۔ اور نہ کسی کو اس کا

Marfat.com

محتاج ہونا معلوم ہو کہ اس کو صدقہ دیا جائے اور نہ وہ کسی سے مانگنے کے لئے جائے۔

تشریح: جو لوگ زکوٰۃ نیز صدقات و خیرات لینے کے مستحق ہیں۔ ان میں مساکین بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے اِنَّ الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ عام عرف میں مسکین اس شخص کو سمجھا جاتا ہے۔ جو ہر ایک سے سوال کرتا پھرے۔ دربدر گداگری کرے ایسے پیشہ ور گداگروں کے مالی حالات بالعموم عام لوگوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ مگر عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو غریب اور مسکین ظاہر کرتے ہیں۔ دینِ اسلام پیشہ ور گداگری کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اگرچہ سائل کو ردّ کر دینا مناسب نہیں مگر سائل کو بھی تعلیم ہے کہ وہ یونہی سوال نہ کرتا پھرے۔ حدیث مذکور میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مسکین کی تعریف فرماتے ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر پیشہ ور گداگر زمرہ مساکین میں شامل نہیں ہوتے ایسے لوگ صحیح معنیٰ میں زکوٰۃ وغیرہ کے مستحق نہیں۔ بلکہ مستحق وہ مسکین ہیں۔ جو لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ اگرچہ ان کے پاس اپنی ضروریات زندگی کی کفالت کے لئے اتنا سرمایہ نہیں ہوتا۔ قرائن ہی سے ان کی غربت و مسکینی کا پتہ چل جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اسی قسم کے مساکین کے متعلق فرمایا۔ "یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا" یعنی جاہل اور نادان لوگ ان لوگوں کو سوال نہ کرنے کی وجہ سے غنی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگوں سے سوال کرتے وقت زیادہ اصرار نہیں کرتے۔

Marfat.com

بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهُ

ان لوگوں کا بیان جن کو سوال کرنا جائز ہے اور جنکو جائز نہیں

فصل اوّل

حدیث نمبر ۵۰۷ :- عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْئَلُهُ فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَاْمُرَلَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلٰثَةٍ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَهٗ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلٰثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْئَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَاْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت قبیصہ بن مخارق کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک قرضہ کی ضمانت قبول کی پھر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرضہ کی ادائیگی کے لئے سوال کیا آپ نے فرمایا تھوڑے دن ٹھہر و ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آنے والا ہے اس میں سے دلوا دیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا سوال کرنا تین آدمیوں کے لیے جائز ہے۔ ایک تو اس کو جو کسی قرضہ کا ضامن ہو اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے کہ وہ اس قرضہ کو ادا کر سکے۔ بعد میں پھر نہ مانگے۔ دوسرے اس شخص کو جو کسی آفت یا مصیبت میں مبتلا ہو اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو یا اس کی زندگی کو قائم رکھ سکے تیسرے اس شخص کو جسے فاقہ جیسی مصیبت پہنچے اور محلہ کے تین آدمی اس امر کی شہادت دیں کہ وہ فاقہ سے ہے۔ اس کو اس قدر مانگنا جائز ہے۔ اے قبیصہ ان لوگوں کے سوا اور کسی کو مانگنا جائز نہیں اگر کوئی شخص ان صورتوں کے سوا سوال کرے گا تو وہ سوال حرام ہوگا۔ اور وہ حرام کھائے گا۔

تشریح:۔ سوائے ضرورت شدیدہ کے سوال کرنا جائز نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس ستر ڈھانکنے کے لیے کپڑا ہو اور ایک دن کے کھانے کا سامان ہو نیز وہ کسب حلال پر قادر ہو اس کے لیے مانگنا درست نہیں۔ وہ لوگ جن کو اسلام سوال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس حدیث کے مطابق تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ شخص جو کسی قرضہ کا ضامن ہو۔ حدیث میں اس کے لیے حمالہ کا لفظ استعمال ہوا ہے حمالہ لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جو کسی قوم کو بسبب دیت وغیرہ کے دینا آتا ہے۔ اس طرح کہ دو فریقوں میں لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ خونریزی تک نوبت پہنچنے ہی والی تھی۔ کہ ایک شخص نے ان کی صلح کرا دی۔ اور اس سلسلہ میں جو فریقین کے ذمہ دیتیں وغیرہ دینا لازم تھیں اُن کا وہ ضامن ہو گیا۔ اور اس طرح سے مقروض ہو گیا۔ ایسا شخص کو بموجب حدیث کے اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے قرض ادا ہو سکے۔ دوسرا وہ شخص کہ کسی بلائے ناگہانی یا حادثہ وغیرہ سے اس کا مال ضائع ہو جائے گذر اوقات کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اُسے اپنے احوال کی درستگی کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ تیسرا ایسا شخص جو فاقہ مستی سے دوچار ہو۔ محلہ کے معتبر

تین آدمی اس کے فقر و فاقہ کی شہادت دیں تو اسے مانگنا بھی جائز ہے حدیث پاک میں تین آدمیوں کی شہادت کا بیان مبالغہ کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سوال کرنے والا حتی الوسع سوال کرنے سے گریز کرے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر ناگزیر ضرورت کے اور مذکور صورتوں کے وقوع میں آنے کے بغیر سوال کرلیگا۔ تو اس کا سوال کرنا فعل حرام ہوگا اور اس سوال سے جو کچھ وہ حاصل کرکے اپنے مصرف میں لائے گا۔ وہ بھی حرام ہوگا۔ بے ضرورت سوال کرنے والوں خصوصاً پیشہ ور بھکاریوں کے لئے بخاری ومسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث میں سخت وعید ہے۔ حضور نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا۔ کہ اس کے منہ پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۷۶: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص لوگوں سے اس لئے سوال کرتا ہے۔ کہ ان سے مال لے کر اپنا مال بڑھائے وہ گویا آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے۔ بہت مانگے یا کم مانگے۔

تشریح: لالچ اور حرص ایسی اخلاقی امراض ہیں۔ جو دنیا میں بھی انسان کی ذلت و رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ اور ایسا شخص آخرت میں بھی خسران و ہلاکت سے دوچار ہوگا۔ سب سے بڑا عذاب جو ایک حریص انسان کو دنیا کی زندگی میں حاصل ہوتا ہے وہ دل کا اضطراب اور بے چینی ہے۔ اسے ہر وقت مال و دولت ہی کی دھن سمائے رہتی ہے۔ وہ خواہ

کتنا بھی مالدار ہو جائے اسے چشم سیری حاصل نہیں ہوتی حریص ہی کے متعلق کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

کاسۂ چشم حریصاں پُر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پُر دُر نہ شد

دراصل اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حریص ہی کی مذمت فرماتے ہیں۔ خصوصاً ایسا شخص جو لوگوں سے بھیک مانگ کر اپنے مال و دولت میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ قبل ازیں حدیث گذر چکی ہے کہ جس شخص کو سوال کرنا جائز نہیں۔ وہ سوال کر کے جو کچھ بھی حاصل کرے گا۔ وہ اس کے لئے مالِ حرام ہو گا۔ اسی زمرہ میں وہ پیشہ ور بھکاری بھی شامل ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے حرام مال کھانا گویا آگ پھانکنا ہے۔ اس کی تائید و تصدیق قرآن پاک کرتا ہے۔ وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کہتا ہے۔ کہ وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے" اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ" یعنی بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں۔

چنانچہ حدیث مذکور میں بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنا مال بڑھانے کی غرض سے بھیک مانگتے ہیں۔ وہ گویا آگ کے انگاروں ہی کا سوال کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۷ عَنْ زُبَيْرِ بْنِ الْعَوَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِىَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت زبیر بن العوام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی رسی لے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا پشت

پر لاد کر لائے اور ان کو بیچے اور خداوند تعالیٰ معاش کے اس ذریعہ سے اس کی عزت و آبرو کو برقرار رکھے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے۔ وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔

تشریح :- کسب معاش کے وہ ذرائع جن کو اسلام حرام قرار دیتا ہے ان میں پیشہ ور گداگری بھی ہے اسلام اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ احادیث نبویہ میں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں اس ضمن میں کئی ایک حدیثوں کا ذکر گذر چکا ہے ایک حدیث میں حضور نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے شخص کے چہرے پر گوشت کی ایک بھی بوٹی نہیں ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ دوسرے لوگوں سے جو کچھ لیتا ہے۔ وہ گویا آگ کے انگارے ہیں اس کے برعکس کسب حلال خواہ وہ ظاہر بینوں کی نگاہ میں کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو جیسا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لانا اور بازار میں فروخت کرنا اسلام اسے کمال وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت مقدام بن معدیکرب سے مروی حدیث کے یہ الفاظ ہیں " مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ " یعنی جو شخص اپنے ہاتھ سے کسب حلال کر کے کھاتا ہے۔ اس سے بہتر کسی کا کھانا نہیں ہے بے شک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر فروخت کرنے کا ذریعہ معاش جس کا بیان اس حدیث میں ہے۔ اس کے ضمن میں حدیث پاک کا ایک واقعہ بھی ہے وہ یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک صحابی حضور کی بارگاہ میں آئے انہوں نے حضور کی بارگاہ میں اپنی تنگدستی اور فاقہ مستی کا ذکر فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے۔ اصحابی نے عرض کیا حضور صرف ایک لکڑی کا پیالہ ہے حضور نے فرمایا وہ لے آؤ۔

جب وہ لکڑی کا پیالہ لے آئے تو حضور نے وہیں اس پیالے کو فروخت کر دیا اصحابی سے فرمایا یہ پیسے لے جاؤ ان میں سے کچھ پیسوں کی ایک کلہاڑی خرید لاؤ اور باقی کا آٹا وغیرہ خرید کر گھر دے آؤ۔ جب وہ کلہاڑی لائے حضور نے اپنے دستِ رحمت سے اس میں دستہ ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور انہیں بازار میں فروخت کرو اور مجھے چند دن گذرنے کے بعد ملنا اس اصحابی نے حضور کے ارشادِ عالی پر عمل کیا۔ چند دن گذرنے کے بعد حاضر ہوئے۔ حضور نے پوچھا بتاؤ اب کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کیا حضور اب تو حالات کافی حد تک ٹھیک ہیں۔ حضور نے برکت کی دعا فرمائی وہ اصحابی اسی کسبِ حلال کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں آسودہ حال ہو گئے۔ کسبِ حلال کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ع

کسبِ حلال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

بیکاری ایک بہت بڑی لعنت ہے بیکار رہ کر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت اور وقار کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے خوددار انسان کبھی دوسروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا کسبِ معاش کا معمولی سے معمولی پیشہ اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ علامہ اقبال دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی مندرجہ ذیل اس شعر میں کس قدر مذمت فرماتے ہیں ؎

پارہ پارہ کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
غیر کے آگے جھکا نہ تن تیرا نہ من

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انتہائی لطیف پیرائے میں گداگری کی مذمت فرمائی۔ اور کسبِ حلال کو سراہا لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنے کی ایک مثال دی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تندرست و توانا

Marfat.com

انسان کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا مناسب نہیں۔ کسب حلال کے لئے وہ خواہ کیسا ہی معمولی سے معمولی پیشہ جو اسے دستیاب ہو۔ اختیار کرے۔ اسی میں اس کی عزت ہے۔

حدیث نمبر ۱۷۸: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَھُوَ یَذْکُرُ الصَّدَقَۃَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَۃِ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ فرما تھے۔ اور صدقہ وسوال سے باز رہنے کا ذکر فرما رہے تھے۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور اُوپر کا ہاتھ تو خرچ کرنے والا اور دینے والا ہاتھ ہے اور نیچے کا ہاتھ سوال کرنے والے کا ہاتھ۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے نیز اس کی تحریکیں پیدا کرنے کے لئے اور بے جا سوال کرنے والوں کو سوال کرنے سے باز رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اسلوب اختیار فرماتے ہیں۔ ایک بہت بڑی مسلمہ حقیقت کو چند مگر جامع الفاظ میں بیان فرما دیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سائل کو دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے۔ اور سائل کا ہاتھ نیچے۔ گویا اللہ سوال کی بارگاہ میں سائلوں کے سوالوں کو پورا کرنے والے سائلوں کی نسبت زیادہ افضل ہیں۔ حضور نے پہلے جس چیز کو کنایۃً بیان فرمایا۔ بعد میں اس کی صراحت بھی فرما دی۔ یعنی یہ کہ اُوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والے کا ہاتھ ہے اور نچلا ہاتھ سوالی کا ہاتھ ہے۔ ایک اور مختصر سی حدیث میں اللہ کی راہ میں سخاوت

Marfat.com

کرنے والے سخی انسان کی حضور نے یوں توصیف فرمائی کہ اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَوْ کَانَ فَاسِقًا۔ یعنی سخی شخص اللہ کا دوست ہے اگرچہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۷۹:۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِیْ الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِہٖ اَفْقَرَ اِلَیْہِ مِنِّیْ فَقَالَ خُذْہُ فَتَمَوَّلْہُ وَتَصَدَّقْ بِہٖ فَمَا جَاءَکَ مِنْ ھٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْہُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْہُ نَفْسَکَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حبیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مجھ کو زکوٰۃ وصول کرنے کی اجرت مرحمت فرماتے تو میں عرض کرتا کہ مجھ سے زیادہ جو شخص محتاج ہو اس کو دے دیجئے آپ فرماتے لے لو اور اپنے مال میں شامل کر لو اور خیرات کر دو۔ پس جو چیز تم کو بغیر طمع اور خواہش کے ملے اس کو لے لو۔ اور جو اس طرح سے نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو۔

تشریح:۔ مالِ زکوٰۃ کے مستحقین میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل بھی شامل ہیں قرآن حکیم میں ارشاد ہے اَلصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا ۔۔۔۔۔۔ الآیۃ۔ حکم الٰہی کی تعمیل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کی اجرت عطا فرمائی۔ ان کا خیال تھا کہ شاید حضور مجھے محتاج سمجھ کر عطا فرما رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے کمال تقویٰ اور ایثار کا ثبوت دیتے ہوئے عرض کیا کہ جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو اسے دے دیجئے۔ مگر حضور نے فرمایا کہ یہ مال تمہیں کسی طمع یا لالچ کے بغیر ملا ہے اس لئے اسے لیکر اپنے مال میں شامل کر لو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص کو بغیر سوال کئے یا دل میں حرص کی خواہش کے بغیر کسی جائز ذریعہ سے حلال مال ملے تو اسے لینے سے انکار نہ کرے اور یہی سمجھے کہ یہ مجھے اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے ملا ہے یہ

Marfat.com

الکساب ہے کہ مال لینے کے بعد اُسے اپنے تصرف میں لائے یا محتاجوں کو دے دے جیسا کہ حضور نے حضرت عمر فاروق کو فرمایا۔

بَابُ الْاِنْفَاقِ وَكَرَاهِيَةِ الْاِمْسَاكِ

(خرچ کرنے کی فضیلت اور بخل کرنے کی کراہت کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۸۰:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا يَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ۔ (رواہ بخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھ کو یہ امر پسند نہ ہو۔ کہ اس پر تین دن گذریں اور اس کے بعد اس میں سے کچھ میرے پاس کچھ باقی رہے مگر صرف اتنا کہ میں اس سے قرضہ کو ادا کر سکوں۔

تشریح:- حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جود و سخا بے مثل ہے۔ جو سائل بھی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اپنی مراد کی جھولی بھر کر گیا۔ آپ نے اپنے خالق حقیقی کے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کر کے دکھائی۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ کسی بزرگ نے اس ضمن میں حضور کے اسوۂ حسنہ کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ ؎

نہ رخت لا بزبان مبارکش ہرگز

مگر با اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

فارسی کے اسی شعر پر ایک اور بزرگ نے اردو میں یوں تضمین کی ہے

زمانے نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا
کہ لب پہ جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

حدیث مذکورہ میں نبی پاک کا ارشاد گرامی بلا مبالغہ ایک حقیقت ہے آپ کے اسوۂ حسنہ میں ہزاروں ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور نے حاجتمندوں کی حاجات کو کس طرح دل کھول کر پورا کیا۔ حتے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔ یعنی آپ خرچ کرنے میں اتنا مبالغہ نہ فرمائیں جس سے آپ کو بعد میں کوئی کلفت پہنچے۔ انفاق کی وہ حد جس کا حدیث میں ذکر ہے حضور کی خصوصیات سے ہے۔ امت کو اعتدال اور میانہ روی ہی کی تعلیم ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی یہ آیت مبارکہ بطور استشہاد پیش کی جا سکتی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے خرچ کرتے وقت میانہ روی اختیار کرنا اپنے خاص بندوں کی صفت شمار فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا" یعنی اللہ کے بندوں میں جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ان دونو کے بین بین رہتے ہیں۔ بہر حال یہ حدیث مسلمان کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۱ :- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔ (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ اس دن دو فرشتے نازل نہ ہوں جن میں سے ایک تو یہ کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والوں کو اس کا بدل دے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کے مال کو ملف کر۔

تشریح:۔ دین اسلام مسلمان کو جہاں کسب حلال کے ذریعہ دولت کمانے کی ترغیب دیتا ہے وہاں اسے مصرف خیر میں خرچ کرنے کا حکم بھی دیتا ہے مال و دولت ہوتے ہوئے اس سے اپنے نفس کا حق ادا نہ کرنا اہل و عیال و دیگر اعزہ و اقربا پر خرچ نہ کرنا مسکینوں۔ غریبوں۔ یتیموں بیواؤں کا حق ادا نہ کرنا ایک بہت بڑا نا قابل معافی جرم ہے اس صفت بد کا حامل انسان بخیل کہلاتا ہے۔ اسلام نے جس طرح حرص و لالچ کی مذمت کی ہے۔ اسی طرح بخل کو انتہائی ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت سے اور لوگوں سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ کی رحمت سے جنت سے اور لوگوں سے دور اور جہنم سے نزدیک ہے اور جاہل سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے ایک اور حدیث میں حضور بخیل کو ایسی خچر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ جس پر سونا چاندی لدا ہوا ہو۔ تو جس طرح یہ خچر اپنے اوپر لدے ہوئے سونے چاندی سے کوئی منفعت حاصل نہیں کر سکتی اسی طرح بخیل اپنے پاس مال رکھتے ہوئے اس کے نفع سے محروم رہتا ہے۔ اس کے برعکس انفاق متقی کی صفت ہے لقولہٖ تعالیٰ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ" یعنی اہل تقویٰ وہ ہیں جو ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ اس حدیث میں جائز خرچ کرنے والوں کے لیے کتنی بڑی

Marfat.com

بشارت ہے کہ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور بخل کرنے والوں کے لئے یہ وعید ہے کہ ایک فرشتہ ہر روز ان کا مال ضائع ہونے کے لئے بد دعا کرتا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جن لوگوں کا مال و دولت چوری۔ ڈکیتی۔ آتشزدگی یا دیگر حوادث کی نذر ہو جاتا ہے۔ وہ تقریباً اسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو اپنے مال سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہیں کرتے انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں پر نیز جائز جگہ خرچ کرنے والوں کا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۱۸۲:۔ عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور شمار نہ کرو۔ وگرنہ اللہ بھی شمار کرے گا۔ اور جو مال تیری حاجت سے زیادہ ہو اسے نہ روک ورنہ خدا بھی تجھ سے روک لے گا۔ اور دے جتنا تجھ سے دیا جا سکے۔

تشریح:۔ خرچ کے حساب دکتاب لکھتے ہیں اگرچہ چنداں قباحت نہیں۔ مگر اس کا نفسیاتی اثر ضرور ہوتا ہے۔ بسا اوقات انسان سے زیادہ خرچ ہو جائے تو حساب کے اعداد و شمار سے تشویش لاحق ہو جاتی ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کر دیا ہے۔ اس لیے یہ حدیث اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ترغیب دلاتی ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کے پاس پیسے تھوڑے ہوں تو اگر وہ شمار کر کے خرچ کرنے کا عادی ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ تھوڑے پیسے کسی حاجتمند کو نہ دے اور اس کے اجر و ثواب سے محروم رہے۔ حاجات ضروریہ سے زائد مال کا خدا

Marfat.com

کی راہ میں مستحق لوگوں پر خرچ کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ قرآن بھی یہی تعلیم دیتا ہے" یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" یعنی آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ جو بچ جائے۔ البتہ بچے ہوئے مال کو جمع کرنا مذموم نہیں اگر اس میں سے زکوٰۃ وغیرہ نکال دی جائے۔ مال کو روک دینے سے یہی مراد ہے۔ کہ اس میں سے صدقات و خیرات ادا نہیں کیئے گئے۔ مال کو روک کر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے کے لیے اس حدیث میں رزق کی تنگی کی وعید ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں حضور نے فرمایا کہ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی اللہ تعالیٰ اُسے قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۳ :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خداوند کریم فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

تشریح :- اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال و دولت میں خیر و برکت کا ہونا ایک یقینی امر ہے۔ قرآنی آیات احادیث۔ اقوال بزرگان دین اس پر شاہد ہیں۔ رزق میں تنگی اور کشادگی پیدا کرنا اس رزق حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ" اُس کی شان ہے۔ نیز وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے" اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد گرامی سے انفاق فی سبیل اللہ کے لیئے تحریص پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بنی آدم پر خرچ کرنے کا مفہوم

Marfat.com

ذکر کر دیا گیا ہے یعنی مال خرچ کرنے والے کے مال میں زیادتی ہوگی چنانچہ ایک اور حدیث میں حضور نے ارشاد فرمایا سخاوت کرو امیر بن جاؤ گے روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے راہ میں خرچ کرنے والوں کو صرف دنیا ہی میں بدلہ نہیں دیتا بلکہ آخرت میں بھی انہیں بے شمار انعام و اکرام سے نوازے گا۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے کرتے ہیں اور خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتلاتے اور کبھی تکلیف نہیں دیتے تو ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ اور ان کے لئے کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۸۴:۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَّابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے وہ مال جو تیری حاجت سے زیادہ ہو۔ اسے خرچ کر دینا تیرے لئے بہتر ہے اور مال کو روکنا تیرے لئے برا ہے اور بقدر ضرورت مال روکنے پر تجھے ملامت نہیں کیا جائے گا۔ اور تو سب سے پہلے اپنے عیال پر خرچ کر۔

تشریح:۔ مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں جتنی احادیث اس سے پہلے گذر چکی ہیں۔ ان میں یہ صراحت تھی کہ مال کتنا خرچ کیا جائے۔ یا خرچ کرتے ہیں کن کو ترجیح دی جائے۔ یہ حدیث اس ابہام

کو رفع کر دیتی ہے۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پر مال خرچ کرنا مقدم ہے۔ اگر ایک شخص اپنے والدین یا بیوی بچوں کے حقوق پورے کرنے میں تو مال خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور مسکینوں غریبوں پر صدقہ خیرات کرتا ہے تو ایسا کرنا اس کے لئے روا نہیں۔ انسان کے مال میں اللہ رسول کے بعد سب سے زیادہ حق انسان کے اپنے نفس کا اس کے بیوی بچوں، والدین و دیگر قریبی رشتہ داروں کا ہے حدیث مذکور اسی اصول کی تعلیم دیتی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال و دولت کو پہلے حوائج ضروریہ پر خرچ کیا جائے۔ جو بچ جائے اس میں سے صدقہ واجبہ یا نافلہ ادا کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ایک شخص کسی ضروری حاجت کے لئے روپیہ جمع کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل قابل ملامت نہیں ہوگا۔ مثلاً اُسے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانی ہے۔ بچے بچیوں کی شادیاں کرنی ہیں تو اس قسم کی اہم ضروریات کے لئے سرمایہ جمع کر کے رکھنا معیوب نہیں۔ البتہ جمع شدہ سرمایہ حسب بقدر نصاب ہو جائے۔ تو اس کی زکوٰۃ ادا کر دینی چاہیئے۔ اسلام جس سرمایہ داری کی مذمت کرتا ہے وہ سرمایہ داری ایسی ہے جس میں غریبوں مسکینوں محتاجوں ناداروں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے۔ ایسے سرمایہ ہی کو اسلام کنز کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی شدید مذمت کرتا۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں ہیں۔ جن کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ۔ كَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدْ

Marfat.com

اضطرت ایدیھما الی ثدیھما و ترا قیھما فجعل المتصدق کلما تصدق بصدقۃ انبسطت عنہ وجعل البخیل کلما ھم بصدقۃ قلصت واخذت کل حلقۃ بمکانھا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور خرچ کرنے والوں کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو زرہیں ہوں اور ان زرہوں کی تنگی کے سبب ان کے دونو ہاتھ سینے اور گردن سے چمٹا دیئے گئے ہوں ۔ پس جب صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے اور جب بخیل صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں ۔

تشریح :۔ کسی غیر محسوس چیز کو محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دیکر اس چیز کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا آسان ہوتا ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والا کشادہ دل ہوتا ہے ۔

اور بخیل خرچ کرتے وقت انتہائی تنگ دلی محسوس کرتا ہے ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان دونو شخصوں کی مختلف کیفیات یعنی کشادہ دلی اور تنگ دلی کو ذہن نشین کرانے نیز بخل سے ۔ نفرت دلانے کے لئے نہایت عمدہ مثال بیان فرمائی ہے ۔ حضور دونوں شخصوں کو دو ایسے زرہ پوشوں سے تشبیہہ دیتے ہیں جن کے ہاتھ ان کی گردنوں اور سینوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں ۔ جو شخص راہ حق میں خرچ کرنے کا دلی ارادہ کر لیتا ہے ۔ توفیق ایزدی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے ۔ حدیث میں حضور توفیق الہٰی کو زرہ کے کھل جانے سے تشبیہہ دیتے ہیں ۔ تو جب وہ شخص مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ کسی قسم

Marfat.com

کی تنگ دلی محسوس نہیں کرتا۔ اس کے برعکس دوسرا شخص جو بخل سے کام لیتا ہے۔ اس کا بخل اس کی تنگ دلی کا باعث بن جاتا ہے حضور ایسے شخص کے سینہ اور دل کی گھٹن کو جسے وہ مال خرچ کرتے وقت محسوس کرتا ہے زرہ کے مزید تنگ ہو جانے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ من البخل)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حدیث نمبر ۱۸۷: اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَاتُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَاءَھُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَھُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہو گی اور بخل سے بچو اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ بخل نے ان لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ خونریزی کریں اور حرام کو حلال جانیں

تشریح: ہر سلیم الفطرت انسان بلا تخصیص مذہب وملت ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔ اسلام نے بالخصوص ظلم کی بڑی شدومد سے مذمت کی ہے۔ اسلام کی الہامی کتاب یعنی قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ظلم کے فعل شنیعہ ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ اور ظالموں کو وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ استشہاد کے لئے صرف ایک آیت مبارکہ پیش کی جاتی ہے

"اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ" یعنی بے شک ظالموں کے لئے سخت عذاب ہے۔ بسبب اس کے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ اس حدیث میں ظالموں کو یہ وعید سنائی گئی کہ قیامت کے دن ظلم ان کے لئے ظلمت وتاریکی کی صورت میں منتقل ہو جائے گا۔ اور اس میں انہیں راہ سجھائی نہیں دے گی۔ اس کے برعکس ظلم سے کنارہ کشی کرنے والے اہل ایمان کو قرآن پاک نے خوشخبری دی۔ کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ان کے دل پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے

Marfat.com

نور ہوگا۔ ارشاد ہے

"یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰی کُمُ الْیَوْمَ" یعنی ان کے سامنے اور دائیں جانب نور ہوگا۔ اور انہیں خوشخبری دی جائے گی۔

چونکہ بخل بھی ظلم کی ایک نوع ہے۔ اس لیے کہ ظلم کے معنی حد سے بڑھنے کے ہیں اور بخل میں انسان مال خرچ کرنے میں حد سے بڑھ جاتا ہے چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بخل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ انسان کے لیے باعث ہلاکت ہے اس لیے کہ انسان جب بخل کے باعث لوگوں پر خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ تو معاشرہ میں ایسے انسان کے خلاف نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس کے باعث عام لوگوں سے دشمنی اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دشمنی حد سے زیادہ بڑھ جائے تو دشمن کے مال اس کی عزت و آبرو پر دست درازی کرنے سے انسان گریز نہیں کرتا۔ گویا اس طرح بخیل انسان حرام کو حلال سمجھ لیتا ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کا مال اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حلال نہیں رہتی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا اے مسلمانو جس طرح آج کے دن (یعنی نحر) اور اس جگہ (بیت الحرام) کی حرمت تم پر مسلمہ ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کا خون اس کی عزت و آبرو اس کا مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے

امم سابقہ کے قصص جو قرآن پاک میں مذکور ہیں ان میں بخل کے ضمن میں قارون کا قصہ عبرتناک ہے۔ اس نے حد سے زیادہ بخل کیا۔ اپنے مال سے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی پاداش میں زمین میں دھنس گیا۔

حدیث نمبر ۱۸۷ - عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَھْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا

Marfat.com

يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت حارثہ بن وہب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیرات کرو اس لئے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب آدمی خیرات لے کر لوگوں کے دینے جائے گا۔ اور کوئی شخص اس کو قبول نہ کریگا اور ہر شخص سے یہ کہے گا۔ کہ اگر تو کل لاتا تو میں لے لیتا آج مجھ کو ضرورت نہیں ہے۔

تشریح:- اسلام کا پیش کردہ اقتصادی نظام انسانی جملہ بدحالیوں کا واحد حل ہے اسلامی دنیا میں انسانوں کی اکثریت غربت و افلاس سے اسی لئے دوچار ہے۔ کہ زکوٰۃ صدقات و خیرات کا وہ بے مثالی نظام جو خالق کائنات نے انسانی بہبود کے لئے بنایا ہے اسے اپنایا نہیں جا رہا۔ عوام تنگدستی اور فاقہ مستی کے ہاتھوں باسی وقت تنگ ہوتے ہیں۔ جب سرمایہ چند ہاتھوں میں گھر کر رہ جائے۔ اور سرمایہ داری میں جمود پیدا ہو جائے۔ مندرجہ بالا سطور میں بیان کردہ حقیقت کی تائید و توثیق حدیث مذکورہ میں زبانِ نبوت سے ہو رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ صدقات و خیرات کرو۔ اس لئے کہ ایسا زمانہ آئے گا۔ کہ آدمی خیرات لے کر لوگوں کو دینے جائے گا۔ مگر کوئی شخص اس کو قبول نہیں کرے گا۔ گویا خیرات سے غریبوں کی غربت ختم ہو جائے گی۔ اور ہر شخص خوشحال ہو جائیگا علماء فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں کی ہوئی پیشین گوئی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں پوری ہوئی۔ ایک مسلمان زکوٰۃ صدقہ و خیرات کا مال لے کر اپنے شہر سے میلوں نکل جاتا مگر اُسے نہ اپنے شہر میں اور نہ ہی گرد و نواح میں کوئی مستحق شخص ملتا ہر شخص کا وہی جواب ہوتا جو حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۸:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کونسے صدقہ کا بڑا ثواب ہے آپ نے فرمایا تیرا اس حال میں خیرات کرنا کہ تو تندرست ہو۔ مال جمع کرنے کی خواہش وحرص رکھتا ہو۔ افلاس سے ڈرتا ہو۔ اور دولت کی امید رکھتا ہو۔ اور تو خیرات کرنے میں سستی و غفلت نہ کر۔ یہاں تک کہ جب تیری جان حلق کو پہنچ جائے۔ تو یہ کہے کہ اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ مال فلاں ہی کو ملے گا۔

تشریح:- جن حالات میں مال خرچ کی فضیلت کا بیان حدیث میں رقم ہے وہ حالات فی الحقیقت ایسے ہیں کہ ان حالات میں عام انسان راہ خدا میں خرچ کرتے ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ تندرست و توانا انسان کی خواہشات نفسانیہ پورے جوبن پر ہوتی ہیں۔ اور وہ انسان سے تقاضا کرتی ہیں کہ جو مال اس نے صدقات وخیرات میں خرچ کرنا ہے اس سے لذات شہوانیہ حاصل کرے۔ انسان طبعی طور پر ان کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے۔ شہوات نفسانیہ انسان کے خمیر میں اس طرح ملی ہوئی ہیں جس طرح آٹے میں نمک گوندھ دیا جاتا ہے۔ تو اس حالت میں شہوات پر قابو پا کر مال کو راہ حق میں خرچ کرنا فی الحقیقت بہت بڑی جوانمردی ہے اور حسب ارشاد نبوی ایسا شخص بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق ہے۔ تندرستی کے ساتھ جب مال جمع کرنے کی خواہش اور اس خواہش کے پورا ہونے کی امید بھی ہو تو ایسی حالت میں انفاق فی سبیل اللہ ایک کڑی آزمائش ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت جب کہ انسان

Marfat.com

کو عزیت و اناس کا بھی ڈر ہو۔ حدیث کا دوسرا حصہ ہر انسان حفظہ اللہ کے لیے ایک بہت بڑا انتباہ ہے۔ زندگی انسان کے لیے غنیمت ہے۔ اس میں جس قدر بھی امور خیر سر انجام دے لے اتنا ہی بہتر ہے۔ موت آنے سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ انسان کا گاڑھے پسینے کی کمائی سے جمع کیا ہوا مال وارثوں کے پاس چلا جاتا ہے۔ اور وہ جس طرح خالی ہاتھ آیا تھا ویسے ہی خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ موت آنے سے پہلے پہلے صدقہ کر لو۔ موت آنے پر وصیت کے طور پر یہ کہنا کہ اتنا حصہ داروں کو دینا اتنا فلاں کو دینا بے سود ہے اس لیے کہ ورثا قوانین وراثت کے تحت اپنا اپنا حصہ خود بخود لے لیں گے۔ مرنے والے کی وصیت کا مرنے والے کو کیا فائدہ دے گی۔ بعینہٖ یہی مضمون قرآن پاک کی اس آیۃ مبارکہ میں موجود ہے۔ "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" یعنی اے ایمان والو موت آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر لو۔ وگرنہ جب موت آجائے گی تو اس وقت تم کہو گے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیتا تاکہ میں صدقہ کر کے نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ مگر موت کا معینہ وقت جب آجاتا ہے تو ایک لمحہ بھی مہلت نہیں ملتی۔ ربّ کائنات نے پہلے ہی سے اس کے متعلق خبردار کر دیا فرمایا۔ "لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا"۔ لہٰذا اس حقیقت سے شناسائی کے بعد انسان کو طولِ امل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور نیکی کرنے میں تعجیل سے کام لینا چاہیے۔

حدیث نمبر ۱۸۹:- عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا

Marfat.com

مَنْ قَالَ هٰكَذَا اَوْ هٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ۔ آپ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے ۔ مجھ کو دیکھ کر فرمایا ۔ رب کعبہ کی قسم وہ بڑے خسارہ میں ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا مال کو زیادہ جمع کرنے والے مگر وہ لوگ جنہوں نے ادھر اُدھر یعنی آگے پیچھے اور دائیں بائیں خرچ کیا ۔

تشریح :۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نہایت درویش طبع اور زاہد صحابی تھے ۔ دنیا کے مال و دولت سے بڑی نفرت رکھتے تھے ۔ ایک دن سے زیادہ دنوں کی گذر اوقات کے لئے سامان زیست جمع کرنا روا نہیں سمجھتے تھے ۔ آپ نے اپنی ساری عمر دنیا کے تعیش سے الگ تھلگ رہ کر زہد و قناعت میں زندگی گذار دی ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کی تسکین خاطر کے لئے نیز تعلیم امت کے لئے ارشاد فرمایا کہ مال کو جمع کرنے والے بڑے ہی خسارہ میں ہیں ۔ مگر ساتھ ہی حضور نے ایسے مالدار مسلمانوں کو مستثنےٰ فرما دیا جو مال کو اللہ کی راہ میں خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں ۔ حدیث میں آگے پیچھے دائیں بائیں خرچ کرنے سے مراد یہی ہے ۔ کہ وہ ہر حاجتمند کی حاجت کو پورا کرتے ہیں ۔ کسی سائل کو محروم نہیں رکھتے ۔ ایسے مالدار قابل مذمت نہیں ۔ مال کا جمع کرنا اس صورت میں غیر مستحسن ہے ۔ جبکہ اس میں سے مستحق لوگوں کا حق ادا نہ کیا جائے ۔ اس ضمن میں تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے ۔ اپنے مال کو اللہ رسول کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں ۔ حضور نے اس ارشادِ خداوندی کی ترجمانی فرمائی :۔

" قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ " یعنی میرے شکر گذار بندے بہت کم ہیں ۔

Marfat.com

باب فضل الصدقۃ۔ صدقہ کی فضیلت کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۹۰:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَیِّبٍ وَلَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال کمائی سے کھجور کے برابر خیرات کرے۔ اور اللہ تعالےٰ حلال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ وہ اس خیرات کو اپنے فضل و کرم سے قبول کرتا ہے۔ پھر اس خیرات کو خیرات کرنے والے کے لئے اُس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ اس کا اجر پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے۔

تشریح:- دینِ اسلام جہاں مسلمان کو صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہاں اس کے لئے یہ بھی ضروری ٹھہراتا ہے۔ کہ جس مال سے صدقہ دیا جائے وہ جائز اور حلال ذریعہ معاش سے کمایا ہوا ہو۔ چوری، ڈکیتی غصب رشوت خوری، سود خوری جیسے حرام ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ صدقہ دینے والا زیادہ خرچ کرتا ہے یا کم۔ اس کا دارومدار اس کی استطاعت پر ہے۔ حضور نے اس حدیث میں فرمایا کہ خواہ وہ ایک کھجور کے برابر ہی خرچ کرے ایک اور روایت میں بِشِقِّ تَمْرَةٍ یعنی کھجور

Marfat.com

کا ٹکڑا ابھی آیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ کسبِ طیب یعنی جائز ذریعہ سے حاصل کیا ہوا ہو۔ حلال روزی سے راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کے بارے میں قرآن یوں رقمطراز ہے:۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ (البقرہ) یعنی اے ایمان والو جو کچھ تم کسبِ حلال سے کماتے ہو اس میں سے اور جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں۔ اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ اور خرچ کرتے وقت ناستھری (حرام) چیز کا قصد نہ کرو۔ حالانکہ تم خود ایسی چیز نہیں لیتے مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ خود پاک اور منزہ ہے۔ اس لئے وہ پاک اور طیب چیز ہی کو پسند فرماتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ وَلَا یُقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔" جب مسلمان خلوصِ دل کے ساتھ کسبِ حلال سے کمایا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً بڑی خوشی سے اسے قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔ حدیث میں یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ کے لغوی معنی اگرچہ یہ ہیں کہ وہ داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے مگر قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی شان میں اس قسم کے الفاظ متشابہات میں سے ہیں۔ اس لئے کہ اہلِ اسلام کا اللہ کی ذات کے متعلق یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ علماء ایسے الفاظ کی مناسب تاویل کر دیتے ہیں۔ مثلاً دایاں ہاتھ چونکہ ہر اچھے اور پاکیزہ کام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے نیز کسی چیز کو پکڑنے کے لئے قدرتی طور پر جتنی جلدی سے انسان داہنے ہاتھ کو آگے

Marfat.com

بڑھا سکتا ہے بائیں کو نہیں۔ لہٰذا مذکورہ الفاظ کی تاویل یہی ہوگی۔ کہ اللہ کی راہ میں جب کوئی شخص حلال اور طیب چیز خرچ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے۔ گویا حضور راہ حق میں خرچ کرنے والوں کو اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ کہ تمہارا خرچ کیا ہوا مال رائیگاں نہیں جاتا۔ بلکہ خداوند کریم کی بارگاہ میں فوراً قبول ہوتا ہے۔ اس کے بعد صدقہ کے اجر و ثواب کے زیادہ ملنے کے ضمن میں حضور ایک نہایت عمدہ مثال بیان فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح ایک شخص شوق سے بچھڑا پالتا ہے۔ اسے خوب کھلاتا پلاتا ہے۔ ہر طرح سے اس کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور وہ بچھڑا خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ صدقہ خیرات کے اجر کو محفوظ رکھتا ہے اسے اپنے فضل و کرم سے اتنا بڑھاتا ہے۔ کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے کیونکہ اس صدقے کا جو صدق دل کیساتھ کسب حلال کے مال سے دیا جائے بے شمار اجر و ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث صدقہ کی رغبت پیدا کرنے میں کیسا موثر اور سریع الاثر مضمون پیش کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۱:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ مِسْكِیْنًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرِئٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے آج کون روزہ دار ہے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا میں پھر آپ نے پوچھا تم میں سے کون جنازے کیساتھ گیا حضرت ابو بکر عرض کیا میں۔ پھر آپ نے پوچھا تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا

Marfat.com

میں نے پھر آپ نے پوچھا تم میں سے آج کس نے بیمار کی عیادت کی۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے۔ آپ نے فرمایا جس شخص میں یہ باتیں جمع ہو جائیں وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح:۔ یہ حدیث حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ نیز وہ امور خیر جن کا ذکر اس میں موجود ہے ان کی اسلام میں اہمیت بتاتی ہے۔ تاکہ امت کے افراد ان کی طرف خصوصی توجہ دے کر فلاح دارین حاصل کریں۔ حقوق العباد کے پیش نظر ایک مسلمان کے حقوق جو دوسرے مسلمان کے ذمہ واجب الادا ہیں۔ ان میں دو تو وہ ہیں جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جب ایک مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے۔ اسلام نے صرف مریض کی عیادت کرنے کی تلقین ہی نہیں کی بلکہ اس کا طریقہ بھی سکھایا مثلاً یہ کہ مریض کے پاس جا کر ایسی باتیں کی جائیں جن سے اس کا دل بہلے۔ نیز اسے یقین دلائے کہ وہ جلد صحتیاب ہو جائے گا۔ اس قسم کی باتوں کا مریض پر بڑا اچھا نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو مریض میں ایسی باتوں سے اس قدر قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ کہ یہ باتیں ہی اس کی صحت یابی کا سبب بن جاتی ہیں۔

احادیث میں مریض کی عیادت کے بے شمار فضائل ہیں۔ مثلاً صحیحین میں حضرت ثوبان سے روایت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو گیا تو واپس ہونے تک ہمیشہ جنت کے پھل چننے میں رہا۔ نیز ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کے لئے صبح کو جائے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے ہیں اور اگر شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے ہیں نیز اس کیلئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔ ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے بغرض ثواب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جائے جہنم سے ساٹھ برس کی راہ دور کر دیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود مریض مسلمانوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے

چنانچہ صحیح بخاری میں حضور کا ایک اعرابی کی عیادت کے لیے تشریف لے جانا مذکور ہے حضور کا یہ عادت مکرمہ تھی کہ جب کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تعالیٰ" یعنی کوئی حرج کی بات نہیں یہ مرض گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ مریض کی عیادت کے بعد ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جو حق ہے۔ وہ یہ کہ جب وہ قضائے الٰہی سے فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے اگر ممکن ہو سکے تو جنازے کو کندھا دے۔ چنانچہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم جنازے میں خود شرکت فرمائے۔ حدیث میں حضور کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ کو اٹھانے کا بیان ہے۔ فوت شدہ مسلمان کے لئے ہمدردی کا یہی تقاضا ہے۔ کہ اس کے جنازے میں شامل ہو کر اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ تیسری نیکی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے اسلام میں یہ اتنی بڑی نیکی شمار ہوتی ہے۔ کہ بہت کم نیکیاں اجر و ثواب میں اس نیکی کے ہم پلہ ہیں۔ قرآن پاک مختلف مقامات پر اس نیکی کی فضیلت بیان کرتا ہے اور اس سے روگردانی کرنے والوں کو وعیدیں سناتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں کی صفت یوں بیان فرماتا ہے۔ "وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا" یعنی وہ اللہ تعالےٰ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قرآن میں مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا کافروں اور جہنمیوں کی صفت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ الماعون میں قیامت کے دن پر ایمان نہ رکھنے والے کے متعلق یہ بیان ہے" وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ" یعنی وہ مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا۔

نیز ایک مقام پہ اہل جنت کا جہنمیوں کیسا تھ مقالمہ درج ہے کہ جنتی ان بدبختوں سے پوچھیں گے کہ تم کن بداعمالیوں کے سبب دوزخ

Marfat.com

ہیں پڑے تو وہ جواب دیں گے۔ کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ ایک حدیث میں حضور نے فرمایا کہ وہ شخص صحیح معنوں میں مسلمان نہیں جو پیٹ بھر کر سو رہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ الغرض مسکین کو کھانا کھلانا باعث اجر عظیم ہے اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ چوتھی نیکی روزہ ہے۔ غالباً یہ روزہ نفلی ہو گا۔ اس لئے کہ فرض روزہ کے لئے پوچھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نفلی روزہ کی فضیلت بھی مسلمہ ہے اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

حضور کا ان امور کے متعلق پوچھنا اور صدیق اکبر کا اپنے آپ کو ان سے متصف ہونا ظاہر کرنا سننے والوں کے لئے ان امور خیر کی فضیلت بتانے اور ان کی طرف رغبت پیدا کرنے کے لئے تھا۔

حدیث نمبر ۱۹۲:- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمان عورتو تم میں سے کوئی عورت اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ وہ بکری کی کھری بطور ہدیہ کیوں نہ بھیجے۔

تشریح:- قومی اور مذہبی تہواروں پر پڑوسیوں و دیگر اعزا و اقربا کے ہاں ہدیہ بھیجنے کی فضیلت و اہمیت کا ذکر بالاستیعاب گذر چکا ہے۔ دین میں یہ بھی ایک پسندیدہ فعل اور نیکی ہے۔ ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجنے سے باہمی الفت پیدا ہوتی ہے۔ مگر الفت کی بجائے اگر نفرت پیدا ہو۔ تو کس قدر بری بات ہے اس ضمن میں نفرت پیدا ہونے کی صورت یہی ہے۔ کہ کسی کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو حقیر سمجھا جائے جس کا لازمی نتیجہ

Marfat.com

یہ ہو گا کہ دل میں ہدیہ بھیجنے والی کی نفرت پیدا ہو گی۔ چونکہ اس کا تعلق زیادہ تو عورتوں سے ہے۔ ان میں خود نمائی کا جذبہ اور دوسروں کو حقیر سمجھنا مردوں کی نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں مسلمان عورتوں کو مخاطب فرماتے ہیں۔ کہ اگر پڑوسی اپنے حالات کے مطابق کوئی ادنے چیز بھی بطور ہدیہ بھیجیں تو ان کو حقیر نہ جانیں اس لئے کہ نفرت و حقارت آپس میں تعلقات کی کشیدگی کا باعث ہوتی ہے۔ اور اگر پڑوسیوں میں آپس کے تعلقات خوشگوار نہ ہوں تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ حدیث میں بکری کی کھری کا استعمال مبالغہ کے لئے ہے۔ اس سے ادنے تر چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔

حدیث ۱۹۳:- عَنْ جَابِرٍ وَّحُذَيْفَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت جابر اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے۔

تشریح:- عرف عام میں صدقہ سے مراد اگرچہ خیرات لی جاتی ہے مگر اصطلاح دین میں جیساکہ موجودہ حدیث میں تصریح ہے۔ صدقہ کا اطلاق ہر نیک کام پر ہوتا ہے۔ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاص کرم ہے کہ صدقہ کو وسعت معنوی دے کر ایسا جامہ پہنایا کہ ہر امیر و غریب مفلس و تونگر سب اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اگر صدقہ سے مراد خیرات ہی لی جاتی تو امت کے غریب و مفلس لوگ اس سے محروم رہ جاتے۔ حدیث مذکور میں صدقہ کا اطلاق ہر چھوٹی بڑی نیکی پر کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں خاص خاص نیک کاموں پر صدقہ کا اطلاق بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک موقعہ پر حضور نے صدقہ کو خیرات

کے معنے ہیں استعمال کرکے فرمایا کہ صدقہ کرو۔ ایک اصحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ جس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے مال نہ ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا فَلْيَعْمَلْ بِالْمَعْرُوفِ - وَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ۔ یعنی وہ نیکی کے کام کرکے، برائیوں سے بچے۔ یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور نے فرمایا دوسروں کو ان کے بھلے کی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا۔ راستے سے ضرر رساں چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے گویا صدقہ کو وسیع مفہوم دے کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے غریب افراد کے دل کی ڈھارس باندھی۔ اگر حضور ان پر یہ نظر کرم نہ فرماتے تو صدقہ کو خیرات کے معنی میں لے کر اور قرآن و حدیث میں اس کے بے شمار فضائل کو دیکھ کر مفلس لوگوں کے دل میں حسرت رہ جاتی۔ کہ یہ صدقہ سے محروم رہ گئے ہیں۔ یہ اسلام کی کشادہ دلی کا ایک بین ثبوت ہے۔ جو لوگ اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بنا پر اسلام پر تنگ دلی کا الزام دیتے ہیں۔ وہ اس حدیث پاک پر تدبر و تفکر کریں اور پھر فیصلہ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹۴:- عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلِیْقٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابی ذر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر نہ جان۔ اگرچہ تو اپنے بھائی سے ہشاش بشاش چہرہ سے ملاقات کرے۔

تشریح:- عندالملاقات ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے ملنے سے باہمی تعلقات پر جو خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس سے دل کی رنجشیں اگر ہوں بھی تو دور ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی جگہ موانست و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ خندہ روئی کے ساتھ ملنے کے اس اثر میں کوئی

Marfat.com

بھی ذی شعور کلام نہیں کر سکتا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، لوگوں سے ملتے وقت ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتا اور کلام کرتے وقت تبسم فرماتے۔ یہ حضور کے خلق عظیم کی ایک بین علامت تھی۔ ابو الاثر حفیظ جالندھری اپنے ایک شعر میں حضور کے خلق عظیم کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں۔

سلام اے صاحب خلق عظیم انساں کو سکھلائے
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

اصلاح معاشرہ کے لئے کیسی پیاری حدیث ہے۔ باہمی محبت والفت کے بغیر ایک قوم کے افراد میں اتحاد و اتفاق متصور نہیں ہو سکتا۔ حدیث مذکور میں پیغمبر اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی آپس میں محبت کا رشتہ استوار کرنے کے لئے نہایت اکسیر ہے۔ پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ اسے نیکی سے تعبیر کیا گیا۔ دنیاوی طور پر اس کا جو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ مندرجہ بالا سطور میں مذکور ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ایسا شخص خدا کے ہاں بھی اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔ بظاہر معمولی سی بات ہے۔ مگر اس میں کس قدر فوائد عظیمہ مضمر ہیں پھر لطف یہ کہ اس پر نہ تو کوئی دام خرچ آئیں نہ ہی جسمانی مشقت اٹھانا پڑے الغرض حضور نے فرمایا کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو۔ اس لئے کہ اسے حقیر سمجھ کر چھوڑ دو گے اور اس طرح سے اس سے حاصل شدہ اچھے نتائج سے محروم ہو جاؤ گے۔

حدیث نمبر ۱۹۵:- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَشْعَرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ الْحَاجَۃَ الْمَلْھُوْفَ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَلْیَاْمُرْ بِالْخَیْرِ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَیُمْسِکُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

Marfat.com

ترجمہ :۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے علیہ وسلّم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔ اصحابہ نے پوچھا اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو فرمایا کہ دونو ہاتھوں سے کام کرے اس سے جو کچھ حاصل کرے اس سے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور خیرات بھی کرے اصحابہ نے پھر پوچھا اگر اس کی بھی قوت نہ ہو اور ایسا نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کسی غمگین حاجت مند کی حاجت میں مدد کرے۔ اصحابہ نے عرض کیا کہ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کہ نیک کام کی تلقین کرے۔ صحابہ نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو برائی سے بچائے۔ پس یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔

تشریح :۔ جب تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا وسیع مفہوم بیان نہ فرمایا اصحابہ اس سے خیرات یا زکوٰۃ کے محدود معنی ہی مراد لیتے رہے۔ چنانچہ جب حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان کو صدقہ کرنا چاہیئے۔ تو اصحابہ حضور کے اس ارشاد گرامی پر حیران ہوئے۔ کہ ہر مسلمان صدقہ کیسے کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ مفلس نادار مسلمان جن کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہیں ان کے صدقہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ قرآن مسلمان کی یہ صفت بیان کرتا ہے۔ کہ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ۔" یعنی وہ کشائش اور تنگی تکلیف میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ مگر بعض تو بالکل معذور ہوتے ہیں۔ اس لئے اصحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے مال نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ وہ دونو ہاتھوں سے کمائے یعنی خوب محنت سے کام کرے۔ کسب حلال کو اپنا ذریعہ معاش بناتے ہوئے مال حاصل کرے پھر اس سے اپنی اپنے اہل و عیال کی ضروری حاجات بھی پوری کرے اور خیرات بھی کرے۔ مگر لیسا او قات محدود ذرائع آمدنی والا شخص گھریلو جائز ضروریات کو پورا کرنے کے بعد صدقہ کرنے کے لئے کوئی پیسہ نہیں بچتا اس لئے اصحابہ نے پھر استفسار کیا کہ اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو اس میں

Marfat.com

یہ بھی اشارہ ہے کہ کوئی شخص بیماری بڑھاپے یا اور کسی معذوری کے باعث کما نہ سکے تو پھر کیا کرے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی مصیبت زدہ غمگین حاجت مند کی مدد کیسے مال نہ ہونے کی صورت میں بھی مدد کرنے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً ممکن ہے کہ حاجتمند کی حاجت جسمانی مدد سے ہی پوری ہو جائے۔ یا نیک اور مفید مشورے سے اس کا غم دور ہو جائے اور ڈھارس بندھ سکے۔ یا کسی اور شخص سے کہہ سُن کر اس کی حاجت پوری کرا دی جائے۔ بعض بیچارے یہ کام کرنے سے بھی معذور ہوتے ہیں ان کے لئے رخصت اور سہولت حاصل کرنے کے لئے اصحابہ نے پھر سوال کیا کہ اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے۔ تو حضور نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرے۔ مگر سب میں یہ اہلیت نہیں ہوتی۔ مثلاً کم علم ہے۔ مافی الضمیر ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ معاش کے دھندے ہی سے فرصت نہیں پاتا۔ ہکلاتا ہے یا ویسے ہی گونگا ہے۔ تو ایسا شخص اس نیکی سے محروم رہ جائے گا۔ اس کے لئے اس کا بدل کیا ہو گا۔ لہٰذا اصحابہ نے اس قسم کے لوگوں کے لئے بھی بارگاہ نبوی سے رخصت حاصل کی۔ اس طرح کہ حضور کی بارگاہ میں عرض کیا۔ کہ اگر وہ نیکی کی تلقین بھی نہ کر سکتا ہو تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو برائی سے بچائے رکھے۔ یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔ تو اس حدیث سے ایک تو صدقہ کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لئے سراپا رؤف اور رحیم ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ "یعنی میرے نبی تم پر حریص ہیں۔ اور مومنین کے لئے رؤف اور رحیم ہیں۔ حضور یہ پسند نہیں فرماتے کہ میرے تحکم کو امتی صدقہ نیکی کے اجر و ثواب سے محروم رہ جائیں۔ نیز اصحابہ کرام بار بار حضور کی بارگاہ میں سوال کرتے کا مقصد رخصت اور سہولت حاصل کرنا تھا۔ تاکہ امت کا کوئی فرد اس سعادت سے محروم نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۹۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ

Marfat.com

عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے بدن میں جتنے جوڑ ہیں ان میں سے ہر ایک پر صدقہ واجب ہے۔ پس دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔ آدمی کو جانور پر سوار کر دینا یا اس کا سامان جانور پر بار کر دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ نماز کے لیے مسجد کو جاتے جو قدم اٹھاتا ہے۔ وہ بھی صدقہ ہے۔ اور راستے سے کسی موذی چیز کا دور کرنا بھی صدقہ ہے۔

تشریح:۔ اس بات پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ کہ اسلام میں عبادت کی طرح صدقہ کا مفہوم بھی بڑا وسیع ہے۔ پیغمبر اسلام حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر نیک کام کو صدقہ سے تعبیر کیا۔ بعض امور خیر کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرانے کے لئے مختلف احادیث میں مختلف اسلوب بیان کیا تھا ان کو صدقہ سے موسوم کیا۔ اس حدیث میں ایک انوکھے مگر دلنشیں انداز میں صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی۔ انسانی جسم کے تندرست و توانا اعضاء خصوصاً جوڑوں کا نظام انسان کے لئے کتنی بڑی نعمت ہے نیز جسم کے اندر جوڑوں کی اہمیت کیا ہے اناٹومی یعنی علم الابدان سے شناسائی رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے۔ کہ منعم حقیقی کی اس نعمت کا شکر ادا کیا جائے چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسانی جسم کے اندر جوڑوں کی جتنی تعداد ہے۔ اس تعداد کے مطابق شکر ادا کرنا چاہیئے مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا ہو۔ شکر کی ادائیگی صدقہ سے ہوتی ہے

Marfat.com

موجودہ حدیث میں جن نیکی کے کاموں کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ سب سے پہلے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا ہے۔ انصاف کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ انصاف ہی کے بل بوتے پر کوئی قوم دنیا میں زندہ رہ سکتی ہے۔ انصاف ہی زمین میں امن و سلامتی کا ضامن ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے فرمایا۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف کا حکم دیتا ہے۔ ہر انسان کو کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی حیثیت سے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا پڑتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ ، ایسا کرنا صدقہ ہے جو اس کے لیے باعث اجر و ثواب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایسے کاموں کو جو خدمت خلق میں داخل ہیں نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مخلوق کو حدیث میں عیال اللہ یعنی اللہ کی عیال فرمایا گیا ہے۔ مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرنا خداوند کریم کی بارگاہ میں ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں حضور کسی شخص کو جو بن رسیدگی، بیماری یا اور کسی وجہ سے اپنے سواری کے جانور پر سوار نہ ہو سکتا ہو اسے سوار کر دینا یا اس کا بوجھ اس کے جانور پر لاد دینے میں مدد کرنے کو صدقہ فرماتے ہیں۔ دین اسلام ایک دوسرے کے لیے کس قدر خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ حضور نے تو فرمایا۔ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی دین خیر خواہی کا ہی دوسرا نام ہے۔ اسی لیے حضور نے مذکورہ نیکی کو صدقہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد ہر اچھی بات کو بھی صدقہ میں شامل فرماتے ہیں۔ اچھی بات کہنے میں انسان اپنا اور دوسروں کا جو بھلا کرتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اسی لیے مولائے کائنات نے قرآن میں حکم فرمایا۔ "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" لوگوں کے لیے ان کی بھلائی کی بات کہو۔ اندازہ لگائیے تعلیمات نبویہ میں بنی نوع انسان کی بہتری اور فلاح و کامرانی کے کیسے کیسے نفیس اصول ملتے ہیں۔ ایک مفلس مسلمان جو صدقہ خیرات دینے کے لیے مال نہیں رکھتا وہ لوگوں کو نیکی کی باتیں بتائے گا۔ تو اسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔ یہی نہیں بلکہ نماز جو تمام نیکیوں کا

Marfat.com

سرچشمہ ہے۔ دین کا ستون ہے جنت کی کنجی ہے۔ قیامت کے سب سے پہلے دن اسی کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس کی رغبت اور تحریص پیدا کرنے کے لئے حضور نے فرمایا کہ مسجد کی طرف ہر اٹھنے والا قدم صدقہ ہے ایک روایت میں اسے نیکی فرمایا گیا۔ اس سے نماز اور مسجد دونو کی فضیلت و اہمیت واضح ہوتی ہے مسجد میں نماز پڑھنے کے فضائل بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں۔ راستے میں سے ایذا دینے والی چیزوں مثلاً کانٹے۔ اینٹ پتھر ہڈی موذی جانوروں کا ہٹانا بہت بڑی نیکی ہے راہگیروں میں بعض نابینے معذور قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں ان چیزوں کو ہٹانے یا ان سے بچنے کا شعور نہیں ہوتا۔ رب کائنات کو اپنی مخلوق سے کس قدر محبت ہے۔ اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی مخلوق پر کس قدر مشفق اور مہربان ہیں۔ اسی لئے تو ایسی پاکیزہ تعلیم دیتے ہیں۔ مخلوق خدا کی بھلائی کے ایسے عمدہ اصول اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں کم ہی ملیں گے۔ اسلام کی حقانیت کی یہ بھی ایک واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹: عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُلِقَ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَ ثَلٰثَمِائَۃِ مُفَصَّلٍ فَمَنْ کَبَّرَ اللہَ وَحَمِدَ اللہَ وَ ھَلَّلَ اللہَ وَ سَبَّحَ اللہَ وَ اسْتَغْفَرَ اللہَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْکَۃً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ نَھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ عَدَدَ تِلْکَ السِّتِّیْنَ وَالثَّلٰثِ مِائَۃِ فَاِنَّہٗ یَمْشِیْ یَوْمَئِذٍ وَ قَدْ زَحْزَحَ نَفْسَہٗ عَنِ النَّارِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ انسان کو تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے پس جو شخص اللہ اکبر کہے۔ اللہ کی حمد کرے۔ لا الہ الا اللہ کہے سبحان اللہ

کہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور راستے سے پتھر۔ ہڈی اور کانٹے کو ہٹائے یا کسی کو نیک کام کرنے کے لیے کہے اور بری بات سے روکے۔ اور یہ سب باتیں تین سو ساٹھ تک پہنچ جائیں۔ تو وہ شخص اس روز اس طرح چلتا ہے گویا اس نے آپ کو آگ سے دور رکھا ہے۔

تشریح:۔ منعم کی دی ہوئی نعمت کا شکر بجا لانا ایک اخلاقی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو منعم حقیقی ہے۔ اس کی لا تعد ولا تحصیٰ نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہر لحاظ سے انسان پر فرض ہے۔ خداوند کریم کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت تندرست و توانا جسم ہے جس کے لئے خالق کائنات جل و علیٰ شانہٗ کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی سے انسان کی بہبود وابستہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ۔ وَلَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ (یعنی اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمت زیادہ کروں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے۔ (تو اپنا ہی کچھ بگاڑو گے) اس لئے کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ان کی بھلائی کے پیش نظر تعلیم دی کہ وہ اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کریں۔

حدیث مذکور میں جسم کے جوڑوں کی تعداد بتانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو یہ احساس پیدا ہو کہ اُسے اپنے رب کا کس قدر شکر ادا کرنا چاہیئے اور وہ کتنا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی لئے حضور نے چند اہم امور خیر جس پر پہلے بھی تفصیلی تبصرہ ہو چکا ہے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اگر اس قسم کی نیک کاموں کی تعداد ۳۶۰ ہو جائے تو اس دن وہ یہ سمجھے کہ وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہا۔ لامحالہ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے اللہ رسول کا ذکر اور ان کے احکامات پر عمل ضروری ہے نیز یہ نیک کاموں کو تادم زیست اختیار کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ چند دن کر لئے اور پھر ترک کر دیئے۔

حدیث نمبر ۱۹۸:۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ

Marfat.com

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَةُ الصَّدَقَةِ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَتَرُوحُ بِآخَرَ

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ ایسی دودھ دینے والی اونٹنی ہے جو کسی کو دودھ پینے کے لئے عاریتاً دے دی جائے۔ اور پھر وہ زیادہ دودھ دینے والی بکری ہے جو دودھ پینے کے لئے کسی کو دے دی جائے۔ اور صبح کو برتن بھر کر دودھ دیتی ہے۔ اور شام کو برتن بھر دیتی ہے۔

تشریح:- احسان ایک ایسا پسندیدہ فعل ہے کہ اس سے بڑھ کر مخلوق کے دلوں کو مسخر کرنے والا اور کوئی فعل نہیں۔ دل میں محسن کی محبت کا پیدا ہونا ایک فطرتی بات ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ عَلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَآءَ عَلَيْهَا" یعنی دلوں کی سرشت یوں بنائی گئی ہے۔ کہ وہ احسان کرنے والے کی محبت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور برائی کرنے والے کے لئے ان میں بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ تبھی تو اللہ تعالٰے نے فرمایا لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" یعنی ایک دوسرے پہ احسان کرنا نہ بھول جاؤ۔ اپنے مسلمان بھائی کو دودھ دینے والا جانور عاریتہً دینا واقعتہً بہت بڑا احسان ہے۔ دودھ اتنی بڑی نعمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالٰی نے قرآن میں یوں فرمایا" وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (یعنی اے انسانوں تمہارے لئے دودھ دینے والے جانوروں میں سامانِ عبرت ہے۔ ہم تمہیں ان کے گوبر اور خون میں سے ایسا دودھ پلاتے ہیں جو خالص ہوتا ہے۔ اور پینے والوں کو لذت دیتا ہے۔ اس نعمت کا ہر چھوٹا بڑا محتاج ہوتا ہے۔ غذاؤں میں ایک مکمل غذا ہے۔ اس کے بغیر بچوں کی پرورش

Marfat.com

اچھی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی صحت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ حضور نے دودھ دینے والی اونٹنی اور بکری کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اس لئے کہ اونٹنی کا دودھ تو کئی ایک بیماریوں مثلاً استسقاء وغیرہ کا علاج بھی ہے۔ بکری کا دودھ لطیف ہونے کے باعث زود ہضم ہوتا ہے۔ خصوصاً بچوں کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دودھ دینے والے یہ جانور باہر چر کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکور نیکی کو بہترین صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ فی الواقعہ یہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان بھائی کے لئے بہت بڑی قربانی اور ایثار ہے ہر شخص دودھ دینے والے جانور خصوصاً ایسا جانور جو صبح و شام دودھ سے برتن بھر دے پسند کرتا ہے یہ نیکی قرآن کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"۔ یعنی تم نیکی حاصل نہیں کر سکتے تا وقتیکہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

حدیث نمبر ۱۹۹ — عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ (متفق علیہ) فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی بوئے اور اس میں سے انسان پرندا اور چرند کھائیں تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ اس میں سے جو کچھ چرایا جائے وہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح: (یہ انسانی بہبود کے وہ کام جن کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ اور انہیں صدقہ شمار کرکے ان کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے) بلاشبہ مسلّمہ اہمیت کے حامل ہیں۔ درختوں کے فوائد عظیم سے کون واقف نہیں۔ انسان ابتدا

Marfat.com

پیدائش سے موت تک ان کا محتاج رہتا ہے۔ بچپن میں درخت کی لکڑی سے بنے
ہوئے پنگھوڑے کو استعمال کرتا ہے جوانی یا بڑھاپے میں پھلدار ہونے کی صورت
میں اس کا پھل کھاتا ہے۔ موسم گرما میں اس کی ٹھنڈی چھاؤں سے لطف اندوز
ہوتا ہے۔ اس کی خشک لکڑی سے اپنا کھانا تیار کرتا ہے۔ رہنے کے لئے مکان بے
اکثر اشیائے صرف لکڑی ہی سے بنتی ہیں۔ جب فوت ہوتا ہے تو اس کی لکڑی
سے بنی ہوئی چارپائی پر اٹھا کر اُسے دفن کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔

علم الزراعت کی رُو سے زمین کی زرخیزی کا دارومدار بہت حد تک درختوں پر
ہے۔ جملہ ممالک کے لوگ ان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اہل چین اس گھر کو ویران
سمجھتے ہیں۔ جن میں درخت نہ ہوں۔ ہمارے ملک میں ہر سال شجر کاری کا ہفتہ منایا جاتا ہے۔
الغرض درخت خصوصاً جو پھلدار ہو انسان کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے اسی
طرح کھیتی جس کی پیداوار اجناس خوردنی کی صورت میں انسان کی خوراک بنتی ہے
صرف انسان ہی کی نہیں بلکہ چرندے پرندے سب کھاتے ہیں۔ گویا ان کی زندگی
کا سہارا کھیتی ہے تو اگر کوئی مسلمان اس نیت سے درخت لگاتا ہے۔ یا کھیتی بوتا
ہے۔ کہ مخلوق خدا ان سے فائدہ اٹھائے۔ تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اسی لئے
حضور نے اس نیک کام کی طرف توجہ دلائی۔

مسلم کی روائت کے مطابق اگر کوئی شخص ان سے چوری کر کے بھی لے
جائے تو بھی ان کے بونے والے کو صدقہ ہی کا اجر ملے گا۔ دین اسلام کی تعلیمات
میں مخلوق خدا کی بھلائی اور بہتری کا کتنا خیال رکھا گیا ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ
حدیث نمبر ۲۰۰ : صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ
مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَأْسِ رَکِیٍّ یَلْهَثُ کَادَ یَقْتُلُهُ
الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ
لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ

Marfat.com

اجراً قال فی ذات کبد رطبۃ اجرٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بدکار عورت کی اس بنا پر بخشش کی گئی کہ وہ راستہ سے گزر رہی تھی کہ اس نے کنوئیں کے پاس ایک کتا دیکھا جو پیاس سے اپنی زبان نکالے ہوئے تھا اور قریب تھا کہ پیاس اس کو ہلاک کر دے۔ پس اس عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اپنی اوڑھنی سے باندھ کر کنوئیں سے اس کے لئے پانی کھینچا پس اس کی بخشش کر دی گئی۔ پوچھا گیا کہ جانوروں پر احسان کرنے میں بھی ہم کو ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہر جاندار کے احسان کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے

تشریح:۔ اسلام کی وہ خوبیاں جن کی وجہ سے اسے دیگر مذاہب عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ ان میں سے ایک خوبی جو سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ دین اپنے پیروکاروں کو سوائے موذی جانوروں مثلاً سانپ بچھو کیڑا کے باقی تمام مخلوق پر رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:۔

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو۔ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ جس کی حکومت آسمان میں ہے۔ ترمذی۔ ابوداؤد عن عبداللہ بن عمرا) موجودہ حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق پر رحم کرنے کی وہ نظری تعلیم جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک عملی مثال پیش فرماتے ہیں جو اس ضمن میں تحریص دینے کے لئے انتہائی موثر مثال ہے۔ شرعی نقطہ نظر کے پیش نظر کتا ایک نجس جانور ہے۔ ایک روایت میں ہے:۔

"لَن تَدخُلَ الملائکۃُ بیتاً فیھا کلبٌ و صُورۃٌ" یعنی جس گھر میں کتا اور کسی ذی روح چیز کی تصویر ہو اس میں ملائکہ (رحمت) نہیں آتے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے کس قدر محبت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنے نیز اس پر ترس کھانے کی نیکی اسے

نیکی ہے جس سے نہ ہی صرف صغیرہ گناہوں کی بلکہ کبیرہ گناہوں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہ خصوصیت بہت کم نیکیوں کو حاصل ہے۔ حالانکہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخشے نہیں جاتے۔ تو اگر ایک پیاسے کتے پر ترس کھا کر اسے پانی پلانے سے ایک بدکار عورت کو بخشش ہو سکتی ہے۔ تو کیا ایک پریشان حال مصیبت زدہ اور دکھی انسانوں کیساتھ ہمدردی کرنے سے مغفرت نہیں ہو سکتی۔ یقیناً ہو سکتی ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اسلام گناہوں کی بخشش کا یہ طریقہ بتا کر گناہوں پر تحریص دلاتا ہے۔ اس لئے کہ گناہوں سے بچنے اور امورِ خیر کو اختیار کرنے کی تعلیم ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ قصداً عمداً گناہ کریں۔ اور یہ توقع رکھیں کہ حدیث میں مذکور قسم کی نیکیاں کر کے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کروا لیں گے۔ قرآن پاک کی تعلیم ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔" یعنی اے ایمان والو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ بے شک شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اسی لئے خداوند کریم اُمتِ مسلمہ کو نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی تعلیم دیتا ہے۔ بقولہ تعالیٰ! "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی تم تمام اُمتوں سے بہتر اُمت ہو۔ تمہیں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ تم لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دو۔ اور برائیوں سے منع کرو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ

حدیث نمبر ۲۰۱: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کے سبب عذاب دیا گیا۔ جس کو اس نے باندھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھوکی مر گئی۔ وہ نہ تو اس کو کھانے کو دیتی تھی۔ اور نہ کھولتی تھی۔ کہ زمین کے جانوروں میں سے کچھ کھا لیتی۔

تشریح:۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو پروردگار عالم کی رحمت کے مظہر اتم ہیں رحمت اللعالمین کی صفت سے متصف ہیں مخلوق پر احسان کرنے ان پر رحم کرنے کیساتھ ساتھ انہیں اذیت نہ پہنچانے کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ حضور کی تعلیم کی جامعیت کا یہ ایک بیّن ثبوت ہے۔ حدیث میں ایک عورت کے بلّی کو باندھ کر بھوکی پیاسی رکھنے کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ وہ عورت ایک جانور پر ایسا ظلم کرنے کی پاداش میں عذاب میں گرفتار ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں سوائے موذی جانوروں کے باقی جانوروں کو کس قسم کی ایذا دینا ایک قبیح فعل ہے۔ اس حدیث سے اشارۃً یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ گھریلو جانوروں کو بھوکا پیاسا نہیں رکھنا چاہیے۔ ان سے حد سے زیادہ مشقت نہیں لینی چاہیے۔ جو شخص مخلوق خدا پر رحم اور شفقت نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے " مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ:
یعنی جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔
معاشرتی زندگی میں اس صفت سے متصف ہونا خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے ازحد ضروری ہے۔ احادیث میں اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے کا مقصد عبرت آموزی ہے۔

حدیث نمبر ۲۰۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَۃٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ ہٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْہِمْ۔ فَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ۔ (متفق علیہ)

Marfat.com

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص راستے میں پڑے ہوئے ایک درخت کے ٹہنے سے گذرا۔ اُس نے کہا کہ میں اس کو مسلمانوں کے راستہ سے دور کروں گا۔ تاکہ وہ اس سے اذیت نہ پائیں۔ اُس شخص کو جنت میں داخل کیا گیا۔

تشریح: دین کی اصل برادران دین وملت کی خیر خواہی ہے۔ جس مسلمان کے دل میں یہ جذبہ نہیں وہ دولتِ ایمان سے تہی دست ہے ایک حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام ملتِ اسلامیہ کو جسم واحد کے ساتھ تشبیہہ دی ہے۔ حضور نے فرمایا جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صحیح معنیٰ میں مسلمان وہ ہے جسے دوسرے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس ہو۔ چنانچہ راستے سے ایذا دینے والی چیزوں کا دور کرنا بھی گویا راہ گیر مسلمانوں سے تکلیف دور کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے پیشتر اس مضمون کی حدیث گذر چکی ہے۔ جس میں حضور نے اس فعل کو نیکی یا صدقہ سے تعبیر فرمایا۔ یہ حدیث ایسی نیکی کرنے والے ایک شخص کے دخولِ جنت کا واقعہ پیش کرتی ہے۔ تاکہ ہر مسلمان ایسے نیک کاموں کی رغبت رکھے۔ معلم انسانیت صلے اللہ علیہ وسلم کیسے نفیس سنہری اصولوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر انہیں عملی زندگی میں اپنایا جائے تو مسلمان کی زندگی رشکِ جناں بن جائے۔

حدیث نمبر ۲۰۲:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّةِ فِیْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِیْقِ کَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے اندر ٹہل رہا ہے۔ اس

لئے کہ اس نے راستے میں سے ایک درخت کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ جو لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔

تشریح: یہ حدیث معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ماسبق حدیث کے مماثل ہے۔ اُس میں ایسے شخص کے دخول جنت کا واقعہ مرقوم تھا جس نے راستے سے کٹے ہوئے درخت کے حصّے کو ہٹا کر راہ گیروں کو اس کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھا۔ اِس حدیث میں حضور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو جنت میں دیکھنے کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ جس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ کر علیحدہ کر دیا جو لوگوں کی تکلیف کا باعث تھا۔ یہ درخت کانٹے دار تھا۔ یا ویسے ہی گذرنے والے کے لئے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ بہر نوع کبھی نہ کسی طرح سے راہ گیروں کو ایذا پہنچاتا تھا۔ رفاہِ عامہ کے اِس نوعیت کے کام کرنے والوں کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت ہے۔ دارِ آخرت میں جنت کی سعادت سے بڑھ کر کونسی سعادت ہو سکتی ہے۔ لقولہٖ تعالےٰ "اِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ" اور "اِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْحَیَوَانُ" حقیقتاً فوز و فلاح یہی ہے۔ ربّ کریم کا ارشاد ہے۔ مَنْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔" یعنی جو شخص جنت میں داخل ہو گیا تو اسے وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔

اس حدیث کی رو سے اگر ایک مسلمان کو راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنے سے جنت مل سکتی ہے تو یقیناً ایسا شخص بھی جنت میں جائے گا جو خلوص کیساتھ راہ گیروں کو آرام پہنچانے کے لئے راستے پر سایہ دار درخت لگائے پانی پینے کا انتظام کرے یا اور سفری سہولتیں مہیا کرے۔

حدیث نمبر ۲۰۴: عَنْ اَبِیْ بَرْزَۃَ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَنْتَفِعُ بِہٖ قَالَ اَعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ :- حضرت ابی برزہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا نبی اللہ مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے جس سے میں نفع پا سکوں۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کے راستے سے موذی چیزوں کو دور کیا کرو۔

تشریح :- احادیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ہدایت و رشد کے حصول کے لئے نبیٔ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اکثر اس قسم کے سوالات پیش کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابی برزہ نے محض انفرادی فائدے ہی کی غرض سے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ کے پیش نظر انتفاع عام تھا۔ اس لئے کہ جس کام کو زبانِ رسالت نفع بخش کہہ دے تو اس کے کرنے والے ہر مسلمان کو اس کا فائدہ پہنچے گا۔ نہ کہ صرف سائل کو نیز مطلوبہ نفع سے مراد دنیوی نفع ہی نہیں بلکہ آخرت کا نفع بھی ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ کامیابی و کامرانی جو ایک عظیم نفع ہے صحیح معنیٰ میں آخرت ہی کی ہے۔ اور خسارہ بھی وہی خسارہ ہے جو دارِ آخرت میں ہوگا۔ اسی لئے ربّ کائنات نے فرمایا " ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ " وہی (آخرت کا) خسارہ کھلم کھلا خسارہ ہے۔ ویسے تو اسلام اپنے ماننے والوں کو دونوجہان کی کامیابی و کامرانی کے لئے دعا کرنا اور ان کے لئے کوشاں رہنے کی قسم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں نماز کو جس دعا کی تعلیم دی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی اے ہمارے ربّ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری نصیب کر اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

Marfat.com

بَابُ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ

(بہترین صدقہ کا بیان)

حدیث نمبر ۲۰۵ :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَحَکِیْمِ ابْنِ حِزَامٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ -

(رواہ البخاری و رواہ المسلم عن حکیم وحدہٗ)

ترجمہ :- حضرت ابی ہریرہ اور حکیم بن حزام سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے۔ جو غنا کیساتھ دیا جائے۔ اور صدقہ کو اس شخص سے شروع کر جس کا نفقہ تجھ پر واجب ہے۔

تشریح :- صدقہ کے فضائل اس سے ماقبل باب میں گذر چکے ہیں۔ اب ایسی احادیث کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جن میں بہتر یا افضل صدقہ کی علامات بیان ہوں گی۔ موجودہ حدیث میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم ایسے صدقہ کو افضل قرار دیتے ہیں۔ جو غنا کیساتھ دیا جائے۔ یعنی صدقہ دینے والے کو صدقہ دینے کے بعد یہ فکر دامن گیر نہ ہو جائے۔ کہ میں مفلس ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ اس قسم کا اندیشہ اس شخص کو کرب و بے چینی میں مبتلا کر دیگا۔ اسے صدقہ کے بجائے خوشی حاصل ہونے کے رنج حاصل ہو گا۔ جو مشیّت خداوندی کے خلاف ہے۔ تو گویا یہ حدیث مسلمان کو وسیع الظرف بننے کی تعلیم دیتی ہے استغناء اللہ تعالےٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ نعمت اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو رب کی ذات پر پورا پورا توکل رکھتا ہو۔ وہ فکر فردا سے بے نیاز ہو۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مثال اس ضمن میں قابل ذکر ہے۔ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضور نبی کریم

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے مالی امداد کی اپیل فرمائی تو گھر کا سب اثاثہ بارگاہِ نبوی میں لا حاضر کیا۔ اور جب حضور نے پوچھا کہ گھر کیا چھوڑ آئے ہو تو فرمایا۔

"اللہ اور اس کے رسول کو" غنا کا یہ مقام ہر مسلمان حاصل نہیں کر سکتا۔ غنا کیساتھ صدقہ دینے کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو اطمینان قلب میسر ہے۔ اور کسی قسم کی بے چینی سے دوچار نہ ہو۔ اس کے بعد صدقہ کے متعلق حضور یہ بھی تعلیم دیتے ہیں کہ مسلمان صدقہ کی ابتداء اپنے ان خویش واقربا سے کرے جن کا نفقہ اس پر واجب ہو۔ اہل وعیال کی حاجات ضروریہ پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے قرآن پاک مال خرچ کرنے میں اہلِ قرابت کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے"۔ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ۔ الآیۃ اور (نیکی کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کو محض اللہ کی محبت کے لئے اپنے قرابت والوں پر یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر انسان اپنے والدین، اہل وعیال و دیگر ایسے محتاج رشتہ دار جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہیں۔ کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت نہیں کرتا۔ تو یہ لوگ اس کا جینا دوبھر کر دیں گے۔ ان کو چھوڑ کر اور کسی پر صدقہ کا مال خرچ کرنا کس طرح سے بھی مصلحت آمیز نہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ ایک انسان اتنا خوشحال ہے کہ اس کے پاس مذکورہ اہل قرابت کی ضروریات پوری کرنے کے بعد سرمایہ بچ جاتا ہے۔ تو وہ اس میں سے غرباء ومساکین پر خرچ کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو پہلے بھی گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۲۰۶:۔ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ

نَفَقَةً عَلٰى أَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً۔ متفق علیہ

ترجمہ:۔ حضرت ابو مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنے اہل وعیال پر کچھ خرچ کرتا ہے اور اس سے ثواب کی توقع رکھتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہی شمار ہوتا ہے۔

تشریح:۔ اہل وعیال پر خرچ کرنے کا اجمالی بیان اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا ہے۔ اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ حقوق العباد میں والدین کے بعد اہل وعیال کے حقوق سب سے مقدم ہیں۔ ان کے حقوق ہیں ان کی جائز ضروریات کے لئے مال خرچ کرنا سب سے اہم حق ہے۔ اس لئے کہ جب کھانے پینے پہننے و دیگر لوازمات زندگی میسر نہ ہوں تو زندگی کس قدر تلخ ہو جاتی ہے۔ اہل وعیال کے ساتھ انسان جس رشتے کے ذریعہ منسلک ہوتا ہے۔ وہ اسی صورت میں مستحکم رہ سکتا ہے جب کہ ان پر مال خرچ کیا جائے۔ اسی لئے اسلام نے ان کا نفقہ مسلمان پر واجب قرار دیا۔ جو شخص اس سے روگردانی کرے اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک نے مرد کو عورت کا قوام فرمایا۔ قوام لغت میں کفالت کرنے نیز نگہداشت کرنے والے کو کہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

عائلی زندگی میں بیشتر و اکثر اختلافات کا سبب یہی ہوتا ہے۔ کہ خاوند اپنی بیوی کی یا باپ اپنی اولاد کی ضروریات پوری نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں عورتیں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں۔ خاوندوں کے خلاف نان و نفقہ یا تنسیخ نکاح کے دعوے دائر کرتی ہیں۔ اولاد گھر سے راہ فرار اختیار کرتی ہے۔ تو ایسا گھر انسان کے لئے مسرتوں کا گہوارہ بننے کی بجائے عذاب کی جگہ بن جاتا ہے۔ کتنے ہی بستے گھرانے محض اس لئے ویرانے میں تبدیل ہو گئے۔ کہ افراد خانہ کی کفالت کرنے والوں نے کفالت کرنے سے گریز کیا۔ اسلام

Marfat.com

میں چونکہ ہر فعل کے بدلے کا دارومدار نیت پر موقوف ہے۔ رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات" نیت کے بدل جانے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مسلمان جو فعل اللہ رسول کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہے۔ تو وہی اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔ اور اس پہ اسے اجرو ثواب دیا جاتا ہے۔ اہل وعیال پہ خرچ کرنا اگرچہ انسان کا اخلاقی فرض ہے۔ مگر جو شخص بہ نیت ثواب اس فرض کو سرانجام دیتا ہے اُسے صدقہ کرنے کا اجر ملتا ہے۔ اس نیت سے خرچ کرنے والے کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خرچ کرتے وقت تنگدلی محسوس نہیں کرے گا۔ اور خرچ کرنے کے بعد رنجیدہ خاطر نہیں ہوگا۔ نیز جب وہ گھر والوں پر دل کھول کر خرچ کرے گا۔ تو ان کے دلوں میں اس کے لئے خلوص بھری محبت پیدا ہوگی۔ جس سے گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

حدیث نمبر ۲۰۷:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک دینار ہے جس کو تو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ ایک دینار ہے جس کو تو غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرے۔ ایک دینار ہے۔ جس کو تو مسکین پر صدقہ کرے۔ ایک دینار ہے جس کو تو اپنے اہل پہ خرچ کرتا ہے۔ ان سب میں اپنے اعتبار سے وہ دینار سب سے بڑا ہے۔ جس کو تونے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث ماقبل حدیث کی تائید و توثیق کرتی

نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم مختلف امورِ خیر میں خرچ کیے ہوئے روپے کا اہل وعیال پر خرچ کیے جانے والے روپے سے مقابلہ فرماتے ہیں یعنی سب نیک کاموں میں خرچ کرنے والا اگرچہ مساوی رقم خرچ کرے۔ مگر جو رقم اپنے گھر والوں پر خرچ ہو گی۔ اس حدیث کی رو سے۔ اس کا زیادہ اجر و ثواب ملیگا اسلام میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ غلام کی آزادی پر خرچ کرنا اور کسی مسکین پر صدقہ کرنا اگرچہ نمایاں اہمیت کے حاصل کارِ خیر ہیں۔ مگر اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی نیکی اتنی بڑی نیکی ہے۔ کہ وہ اس کے مقابلہ میں کمتر ہیں الحاصل اس حدیث میں اہل وعیال پر مال خرچ کرنے کی فضیلت و اہمیت بتائی گئی ہے

حدیث نمبر ۱۲۰۸:- عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ أَلِيْ أَجْرٌ أَنْ أُنْفِقَ عَلٰى بَنِيْ أَبِيْ سَلَمَةَ إِنَّمَا إِنَّهُمْ بَنِيَّ فَقَالَ أَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ:- حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر جو میرے بیٹے ہیں پر خرچ کروں تو کیا مجھ کو اس کا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تو ان پر خرچ کر تجھے جو تو ان پر خرچ کرے گی اس کا ثواب ملے گا۔

تشریح:- حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ازواجِ مطہرات میں سے ہیں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد پاک میں آنے سے پہلے ایک صحابی ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوگیا۔ تو حضور نے انہیں شرفِ زوجیت بخشا۔ حضرت ابو سلمہ کے نکاح میں رہ کر ان کے ہاں کئی ایک بچے ہوئے۔ علاوہ ازیں ابو سلمہ کے اور بیوی سے بھی بچے تھے۔ حضرت اُمِ سلمہ حق قرابتداری کے پیشِ نظر ان اپنی حقیقی اور سوتیلی اولاد پر خرچ کیا کرتی تھیں۔ اگرچہ انہیں اس کے امرِ خیر ہونے میں شک تو نہ تھا۔

Marfat.com

مگر اسے ایک اصولی حیثیت دینے کے لئے حضور کی بارگاہ میں یہ سوال بطور استفتاد پیش کیا۔ کہ اس پہ انہیں ثواب بھی ملے گا یا نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان کو جس کام کے کرنے سے ثواب کو توقع ہو۔ اسے زیادہ ذوق و شوق سے کرتا ہے۔ نیز اس سے کسی قسم کی تنگ دلی محسوس نہیں کرتا۔

چنانچہ حضور نے حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے سوال کا جواب اثبات میں فرمایا۔ تاکہ امت کے لئے یہ ایک لائحہ عمل بن جائے۔ کہ مسلمان اپنی حقیقی اولاد ہی کو نہیں بلکہ سوتیلی اولاد کو بھی جب کہ ان کی کفالت کا اور کوئی سہارا نہ ہو۔ حسن سلوک کا مستحق سمجھتے۔ سوتیلی اولاد اور سوتیلے والدین کے مابین سنگین قسم کے اختلافات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ اختلافات اتنی شدت اختیار کر جاتے ہیں۔ کہ کسی نہ کسی کے لئے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان اس اس حدیث میں مذکور پاکیزہ تعلیم کو عملی جامہ پہنائیں تو اس قسم کے اختلافات پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عَنْ مَیْمُوْنَةَ بِنْتِ حَارِثٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا

حدیث نمبر ۲۰۹:- اَنَّھَا اَعْتَقَتْ وَلِیْدَةً فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ اَعْطَیْتِہَا اَخْوَالَکِ کَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِکِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک لونڈی آزاد کی پھر اس کا ذکر رسول اللہ صلعم سے کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو یہ لونڈی اپنے خالاؤں کو دے دیتی تو تجھے زیادہ اجر ملتا۔

تشریح:- اسلام میں غلام لونڈیوں کا آزاد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ حتی کہ زکوٰۃ کا مصرف جو قرآن پاک میں رقم ہے۔ اس میں غلاموں لونڈیوں کے آزاد کرانے کا بھی ذکر موجود ہے۔ مگر چونکہ قرابت داروں کا حق

Marfat.com

مقدم ہے۔ اس لئے صلہ رحمی کے پیش نظر اسلام صدقہ کا زیادہ مستحق نادار اور محتاج اہل قرابت کو قرار دیتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ" قرابت والے کا حق ادا کرو۔ احادیث نبویہ میں رشتہ داروں کیساتھ حسن سلوک کرنے یا صلہ رحمی کرنے کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر لونڈی اپنے خالاؤں کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ملتا۔

حدیث نمبر ۲۱۰: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكَ بَابًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ میرے دو ہمسائے ہیں۔ ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو اس کو۔

تشریح: اعزاء اقربا کے بعد جن کے حقوق کی ادائیگی کی اسلام زیادہ تاکید کرتا ہے۔ وہ پڑوسی ہیں۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معتبر کتب حدیث میں کم وبیش بیس احادیث میں رحمت عالم نور مجسم شفیع معظم صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق بیان فرمائے اور ان کی ادائیگی کی تاکید فرمائی اس سلسلے میں مسند بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ایک طویل حدیث مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے۔ کہ جب وہ تم سے مدد مانگے مدد کرو اور جب قرض مانگے قرض دو۔ اور جب محتاج ہو تو اسے دو اور جب بیمار ہو عیادت کرو جب اسے خیر پہنچے تو مبارک باد دو۔ جب مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو۔ اور مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ بغیر اجازت اپنی عمارت بلند نہ کرو۔ کہ اس کی ہوا روک دو اور اپنی ہانڈی سے اس کو ایذا نہ دو مگر اس میں سے اسے بھی کچھ دو۔ اور

Marfat.com

میوے خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو اور اگر نہ کرتا ہو تو چھپا کر مکان میں لاؤ اور تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں کہ پڑوسی کے بچوں کو رنج ہو گا۔ تمہیں معلوم ہے پڑوسی کا کیا حق ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے پورے طور پر پڑوسی کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ہیں۔ وہی ہیں جن پہ اللہ کی مہربانی ہے حضور پڑوسی کے متعلق برابر وصیت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ پڑوسی کو وارث کر دیں گے۔۔۔۔ الخ

ایک دوسری حدیث میں حضور نے فرمایا کہ وہ شخص صحیح معنوں میں مسلمان نہیں جس کے پڑوسی اس کی آفتوں سے محفوظ نہ رہیں۔ پڑوسیوں کے اس قدر حقوق اور ان کی ادائیگی کی تاکید میں جو حکمت مخفی ہے وہ یہ ہے کہ پڑوسیوں کیساتھ تعلقات کا خوشگوار رہنا بہت حد تک قلبی سکون کا ضامن ہے۔ اس لئے کہ روزمرہ کی زندگی میں انسان کا جس قدر پڑوسیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور کسی سے نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر پڑوسی ایک کی بجائے کئی ایک ہوں تو پھر کس کو ترجیح دی جائے۔ اس سلسلے میں موجودہ حدیث مسلمان کی رہنمائی کرتی ہے۔ حضور نے فرمایا جس پڑوسی کا گھر تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہے اُسے ہدیہ وغیرہ بھیجنا چاہیئے۔ وہ دور کے پڑوسیوں سے زیادہ مستحق ہے۔ حضور کا یہ ارشاد گرامی عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے حقوق العباد کا تعین کرتے وقت تعلقات کے قرب و بعد کا خاص خیال رکھا ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۱: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَۃً فَاَکْثِرْ مَآءَھَا وَتَعَاھَدْ جِیْرَانَکَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو شوربا لگائے تو اس میں زیادہ پانی ڈال اور اپنے ہمسایوں کی خبرگیری کر۔

Marfat.com

تشریح:- حضرت ابوذر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں پڑوسیوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ پڑوسی اگر غریب ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ بسا اوقات روٹی کے ساتھ سالن وغیرہ نہ پکا سکیں۔ یا بعض اوقات ویسے ہی مخصوص حالات کے پیش نظر ضرورت پڑ جاتی ہے ان حالات میں پڑوسی سالن مانگ لیتے ہیں۔ اگر گھر میں حسابی اعداد وشمار کے مطابق صرف افراد خانہ ہی کی ضرورت کے لیے سالن پکایا ہو۔ تو پڑوسیوں کی حاجت کیسے پوری ہوگی۔ لہذا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شوربا پکاؤ پانی زیادہ ڈال لو۔ تاکہ ایسے اوقات میں پڑوسیوں کی حاجت روائی ہو سکے۔ نیز حذار سول کی خوشنودی کے لئے لذت کا خیال نہ رکھیں۔ اس لئے کہ شوربے میں پانی زیادہ پڑنے سے لذت میں ضرور کمی آجائے گی۔ گویا اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لذات نفسانیہ کو پڑوسیوں کے حقوق پر ترجیح نہ دی جائے۔

بَابُ مَا تُنْفِقُهُ الْمَرْأَةُ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا

(شوہر کے مال سے بیوی کے خیرات کرنے کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۱۲:- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہُ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِہَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَہَا اَجْرُہَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِہَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ

Marfat.com

مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی عورت گھر کے کھانے سے خرچ کرے اور اسراف نہ کرے تو اس کو اس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے شوہر کو اس کی کمائی کا ثواب ملے گا۔ اور خازن کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اور ان کے ثواب میں سے کسی کا ثواب کوئی کمی نہیں کرے گا۔

تشریح :۔ اسلام نے صدقہ و خیرات کو کیا مقام بخشا ہے۔ اللہ تعالے کی بارگاہ میں خلوص کے ساتھ صدقہ کرنے والوں کے لئے کس قدر عظیم اجر و ثواب ہے۔ اس کا بیان باب فضائل صدقہ میں گزر چکا ہے۔ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا مسلمان مرد ہو یا عورت اپنی استطاعت کے مطابق اس نیکی میں حصہ لے سکتا ہے اس ضمن میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی تعلیم دی کہ امت کا کوئی فرد اس سے محروم نہ رہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں عورت کے کھانا صدقہ کرنے کا بیان ہے۔ اگر بالغرض گھر میں صدقہ دینے کے لئے نقدی وغیرہ نہ ہو تو عورت کسی بھوکے سائل کو کھانا کھلا کر یا غریب پڑوسیوں کو کھانا بھیج کر صدقہ کا اجر حاصل کر سکتی ہے۔ کھانا کھلانا ایک عظیم نیکی ہے جس کا ذکر بالتفصیل پہلے گذر چکا ہے۔ نبی پاک نے جہاں گھر کی مالکہ کو اس نیکی پر ثواب کی خوشخبری سنائی ساتھ ہی گھر کے مالک یعنی اس کے خاوند کو بھی تسکین خاطر کے لئے اتنا ہی ثواب ملنے کی خبر دی تاکہ وہ یہ نہ خیال نہ کرے کہ کما کر تو میں لاتا ہوں۔ یہ کیوں کھانا وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالے عورت کے خاوند کو ثواب سے محروم نہیں رکھے گا۔ اس لئے کہ اس نیکی کا سبب تو در اصل وہی تھا۔ اگر وہ کما کر نہ لاتا تو عورت کہاں سے صدقہ کرتی یہی نہیں بلکہ حضور نے کرم فرمایا اور باورچی خانہ کا خازن یا داروغہ وغیرہ جس کے زیر اہتمام کھانا تیار ہوتا ہے۔ اسے بھی اس نیکی میں شامل فر

Marfat.com

دیا ہے۔ تاکہ وہ بھی بخوشی اس نیکی میں حصّہ لے۔ اور ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں۔ اگرچہ صدقہ کرنے والی تو عورت ہے مگر چونکہ اس کا خاوند اور خانزن۔ طبع بھی اس کی اس نیکی میں ممد و معاون ہیں اس لئے ان کو برابر اجر ملے گا۔ اس لئے دین اسلام نے یہ اصول مقرر کر دیا کہ جتنا اجر نیکی کرنے والے کو ملیگا اتنا ہی اس میں اس کا ہاتھ بٹانے والے کو ملے گا۔ کھانا صدقہ کرنے کی نیکی کی طرف تحریص دلاتے کے ساتھ حضور نے عورتوں کو گھر میں میانہ روی کی بھی تعلیم دی۔ میانہ روی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ عورتیں چونکہ مردوں کی نسبت اسراف کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں خصوصاً جبکہ گھر میں دولت کی ریل پیل ہو اس لئے انہیں فضول خرچی یا اسراف سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔ یعنی بے شک اللہ تعالےٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

حدیث نمبر ۲۱۳: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ کَسْبِ زَوْجِھَا مِنْ غَیْرِ اَمْرِہٖ فَلَھَا نِصْفُ اَجْرِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے خیرات کرے اس کو اس کا آدھا ثواب ملے گا۔

تشریح:۔ اسلام میں شوہر بیوی کا رشتہ نہایت مقدس رشتہ ہے۔ جس کی بنیاد باہمی محبت والفت ہے۔ اگر زوجین کے آپس کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ تو دونوں کی زندگی پرلطف گذرتی ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے اختلافات پیدا ہو جائیں۔ اور یہ اختلافات باہمی نفور، بیزاری کا باعث بن

Marfat.com

جائیں۔ تو اندریں صورت شوہر بیوی کی زندگی جہنم کا نمونہ بن کر رہ جاتی ہے اس لئے اسلام نے عائلی زندگی کے شعبہ حیات کے لئے مرد و عورت دونو کو اس طرح کی تعلیم دی اور ایسے زریں اصول سکھائے۔ کہ ان کو عملی جامہ پہنانے سے زوجین کے درمیان تلخی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ان اصولوں میں ایک اصول یہ ہے کہ عورت جو اپنے خاوند کے گھر کی امین ہوتی ہے۔ وہ اس کی غیر حاضری میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے بلکہ اس کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اللہ رسول نے ایسی مسلمان عورتوں کی تعریف کی ہے۔ جو خاوند کی غیر حاضری میں اپنی عصمت نیز خاوند کے مال و دولت کی حفاظت کرتی ہیں۔ صدقہ ایک بہت بڑی پسندیدہ نیکی ہے۔ مگر اس کے لئے بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو تعلیم دی۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ دیں۔ اگر ایسا کریں گی۔ تو انہیں ثواب تو مل جائے گا۔ مگر پورا نہیں بلکہ نصف اس لئے کہ میاں بیوی میں خواہ کتنی بھی محبت ہو۔ مگر خاوند کے دل میں کسی نہ کسی وقت یہ بات ضرور کھٹکے گی۔ کہ اس کی بیوی اس کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرتی ہے۔ عین ممکن ہے۔ کہ اسی سے ان کی محبت نفرت میں تبدیل ہو جائے۔ اور دونوں کی گھریلو زندگی تلخ ہو جائے۔

گویا اس حدیث میں صدقہ کی ترغیب بھی موجود ہے۔ مگر ساتھ ہی نہایت لطیف انداز میں عورتوں کے لئے اپنے خاوندوں کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنے کی تنبیہ بھی ہے

حدیث نمبر ۴۱۲ ؎ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِہٖ کَامِلًا مُّوَفَّرًا طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ فَیَدْفَعُہٗ اِلَی الَّذِیْ اُمِرَلَہٗ بِہٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔

Marfat.com

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ امانت دار مسلمان خزانچی جو اپنے آقا کے حکم کے مطابق صدقہ خیرات وغیرہ دے اور آقا کے حکم کے مطابق پورا پورا اور خوشی کے ساتھ اس شخص کو دے جس کو دینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ بھی دو صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

تشریح:۔ دیانت وامانت قابلِ قدر اور پسندیدہ وصف ہے۔ بددیانتی کرنا امانت میں خیانت کرنا منافقت کی علامت ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں "اِذَا اؤتُمِنَ خَانَ" یعنی جب منافق کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے۔ حضور نے اس ضمن میں ایک مسلمان اور امین خازن کی تعریف بیان فرمائی اور اُسے اجروثواب کی خوشخبری دی۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ایک امین خازن کی دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مالک جب اُسے صدقہ خیرات دینے کا حکم دے۔ تو اُسی شخص کو دے جس کو دینے کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ ذاتی تعلقات کی بنا پر اور کسی کو دے دے، نیز جتنی رقم صدقہ کرنے کا اسے حکم ملا اسے چاہیئے۔ کہ اس میں کم بیشی نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا۔ تو وہ خائنوں میں شمار ہو گا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسلمان خازن امانتداری کی مذکور کسوٹی پر پورا اترے تو اُسے بھی صدقہ کرنے کا اسی طرح اجر ملے گا جیسے مالک کو اگرچہ اُس نے اپنے ذاتی مال سے صدقہ نہیں کیا۔ دراصل یہ صدقہ دینے میں دیانتدار رہنے کا صلہ ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۵:۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلے اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ قَالَ نَعَمْ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ ایک شخص نے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ میری ماں یکایک مرگئی۔ اگر اس کو بات چیت کرنے کا موقع ملتا۔ تو وہ ضرور صدقہ خیرات کرنے کی وصیت کرتی پس اگر میں صدقہ دوں تو کیا اس کا ثواب اُسے ملے گا آپ نے فرمایا ہاں۔

تشریح :۔ جمہور اہل علم کا یہ عقیدہ ہے کہ زندہ مسلمان نیک کاموں مثلاً صدقات وخیرات وغیرہ کا ثواب اپنے فوت شدگان اعزہ واقربا دوست احباب یا دیگر برادران دین کو بھیج سکتے ہیں۔ اسے ایصال ثواب کہتے ہیں اس کی اصل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ کونسا صدقہ افضل ہے حضور نے فرمایا۔ پانی۔ چنانچہ حضرت سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور اس کا نام سعد کی ماں کا کنواں رکھا۔

حدیث مذکور بالصراحت اس امر کی تائید و توثیق کرتی ہے۔ صدقہ چونکہ بہت بڑی نیکی ہے اس لئے ہر مسلمان مرد ہو یا عورت حتی المقدور صدقہ دینے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی لئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے شخص نے اپنی فوت ہوتے والی والدہ کے متعلق اپنا ظن غالب ظاہر کیا۔ کہ اگر اسے وصیت کا موقع ملتا تو ضرور خیرات کرنے کی وصیت کرتی اس نے حضور سے استفسار کیا کہ اگر میں اب صدقہ کروں تو کیا اس کا اجر وثواب میری فوت شدہ والدہ کو مل جائے گا۔ حضور نے اسے یقین دلایا کہ ملے گا۔ گویا صدقہ ایسی افضل نیکی ہے۔ جس کا اجر دنیا سے انتقال کرنے والوں کو بعد میں بھی ملتا رہتا ہے۔

Marfat.com

بَابُ مَنْ لَا يَعُوْدُ فِي الصَّدَقَةِ

(جو شخص صدقہ دے کر واپس نہ لے اس کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۱۶:- عَنْ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ قَالَ حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ فَاَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِيَهُ وَظَنَنْتُ اَنَّهُ يَبِيْعُهُ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ وَاِنْ اَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مجاہد کو گھوڑا دیا۔ پس اس نے گھوڑے کو خراب کر دیا۔ میں نے اُسے اس سے خرید لینے کا ارادہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس کو سستا بیچ ڈالے گا۔ تو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اس کو خرید لوں آپ نے فرمایا ہرگز نہ خرید و اور اپنے صدقے کو واپس نہ لو۔ اگرچہ وہ تجھ کو ایک درہم قیمت میں دے۔ اس لئے کہ اپنے صدقے کو واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کتا قے کرے اور پھر اُسے چاٹ لے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے صدقہ کو واپس نہ لے اس لئے کہ صدقہ کو واپس لینے والا اس شخص کی مانند ہے جو قے کر کے اُسے چاٹ لے۔

تشریح:- مندرجہ بالا حدیث دراصل صدقہ یا ہبہ کر کے اُسے واپس لینے والے کے لئے سخت وعید ہے۔ اگرچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مجاہد سے دیا ہوا

گھوڑا واپس لینے کی معقول وجہ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ اُس نے گھوڑے کی اچھی طرح نگہداشت نہ کی۔ جس سے وہ دُبلا پتلا ہو گیا۔ مزید براں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھوڑا ویسے ہی واپس لینا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ اس کی قیمت بھی ادا کر دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پسند نہ فرمایا۔ تاکہ صدقہ دینے والا یا ہبہ کرنے والا کوئی عذر رکھ کر صدقہ کی ہوئی چیز واپس نہ کرے۔ جب کوئی شخص ایک چیز صدقہ میں دے دیتا ہے۔ تو وہ اسے اپنی ملک سے نکال دیتا ہے اُسے دوبارہ واپس لینا از حد نامناسب ہے۔ اسلام نے جس مقصد کے لئے صدقہ دینے کی تعلیم دی ہے۔ صدقہ واپس لے لینے کی صورت میں وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں صدقہ کا سب سے بڑا مقصد غریب پروری اور معاشرہ کے مختلف طبقات میں موانست و محبت پیدا کرنا ہے۔ صدقہ و ہدیہ واپس لے لیا جائے تو اصلاح معاشرہ کی بجائے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حضور نے اس ناپسندیدہ امر کی مذمت فرمائی اور مذمت کے لئے ایسی مثال بیان فرمائی جس کا مصداق بننا کوئی عقلمند شخص پسند نہیں کرتا۔ اس حدیث میں صدقہ دے کر واپس لوٹانے کا ذکر ہے ایک اور حدیث میں ہبہ کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

اَلرَّاجِعُ فِي هِبَتِهٖ كَالرَّاجِعِ فِيْ قَيْئِهٖ "۔ یعنی ہبہ کو واپس لے لینے والا قے کر کے اُسے چاٹ لینے کے مترادف ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۷:- عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ تَصَدَّقْتُ عَلٰى أُمِّيْ بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ، قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا۔
(رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ :- حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی والدہ کو ایک لونڈی صدقہ دی تھی۔ اب میری ماں فوت ہو گئی ہے۔ حضور نے فرمایا تیرا ثواب تجھے ملے گا۔ اور میراث نے لونڈی کو تجھے واپس کر دیا۔ اس عورت نے دوبارہ پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری ماں پر مہینہ بھر کے روزے واجب تھے کیا میں اس کی طرف سے یہ روزے رکھ لوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں اُس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ پھر اس نے پوچھا میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں اُس کی طرف سے حج کرے

تشریح :- حدیث ماقبل میں صدقہ دے کر واپس لے لینے پر مذمت کا بیان تھا۔ اس حدیث میں اگرچہ صدقہ کی ہوئی چیز کا صدقہ دینے والے کے پاس لوٹ آنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر یہ صورت پہلی صورت میں مختلف ہے۔ اس میں صدقہ دینے والا قصداً صدقے کو واپس نہیں لیتا بلکہ میراث کی شکل میں وہ چیز اس کے پاس خود بخود آ جاتی ہے۔ لہٰذا ایسا شخص سابقہ حدیث میں مذکورہ مثال کا مصداق نہیں بنتا۔ اسی لئے حضور نے سائلہ کے جواب میں فرمایا کہ تجھے صدقہ دینے کا ثواب مل گیا۔ اس لئے کہ تو نے صدقہ میں دی ہوئی لونڈی خود واپس نہیں کی بلکہ وراثت میں تجھے مل گئی۔ تو ایسی صورت میں صدقہ دی ہوئی چیز واپس لینے میں مضائقہ نہیں۔ حدیث کے دوسرے حصے کا تعلق فوت شدہ کی طرف سے عبادت کرنے کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک فرضی عبادت کی ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً ایسی عبادت جو خالصتاً بدنی ہو جیسے مالی جیسے نماز اور زکواۃ۔ البتہ نفلی عبادت کر کے اُس کا اجر و ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید میں حدیث گذر چکی ہے۔

حدیث میں فوت شدہ والدہ کی طرف سے حج کرنے یا روزے رکھنے کا ذکر ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اس ضمن میں یہ حدیث منفرد ہو۔ اور حضور نے اُس عورت

Marfat.com

کو خصوصیت کے ساتھ اجازت فرمائی ہو۔

کتاب الزکوٰۃ ختم شد

کتاب الزکوٰۃ کے متعلق اہم امتحانی سوالات

۱۔ سونے، چاندی، اناج اور سامان تجارت میں نصاب زکوٰۃ کیا ہے۔ اور نصاب کے پورا ہو جانے کے بعد مقدار زکوٰۃ کیا ہے۔ نیز بتایئے کہ زکوٰۃ کے حقدار کون ہیں۔ (۱۹۵۴)

۲۔ زکوٰۃ کی اہمیت بیان کیجئے اور اس سے متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالیے اور بتایئے کہ کیا اس سے ٹیکس کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ (۱۹۵۷)

۳۔ انفقی ولا تحصی فیحصی اللہ علیک ولا توعی فیوعی اللہ علیک ارضخی ما استطعت۔

حدیث کا مطلب بیان کیجئے۔ اور انفاق و اسراف کی حدود متعین کرکے انفاق کی فضیلت پر نوٹ لکھیے۔ (۱۹۶۵)

۴۔ مندرجہ ذیل حدیث کا ترجمہ کیجئے اور زکوٰۃ کی اہمیت پر نوٹ لکھیے۔

مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ۔ الآیة (۱۹۶۶)

۵۔ مندرجہ ذیل حدیث کی تشریح کرکے سوال اور گداگری پر مفصل نوٹ لکھئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَأَقُوْلُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ خُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ
(۱۹۶۶)

۶ - حدیث ذیل کی روشنی میں مسائل صدقۃ الفطر بیان کیجیے۔ اور مختلف فقہی مسالک کی وضاحت بھی کیجیے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ۔ (۱۹۶۷)

کتاب الصوم

Marfat.com

کِتَابُ الصَّوْمِ (روزہ کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۱۸ :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (متفق علیہ)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں۔ شیطانوں کو قید کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

تشریح :- یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے مطیع و فرمانبردار بندوں پر ہر آن رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے۔ مگر اس حکیم مطلق نے بعض مہینے بعض دن راتیں اور گھڑیاں اپنی رحمت کے لئے مخصوص کی ہوئی ہیں ان میں اس کی رحمت کے طلب گاروں پر اس کی رحمتوں کی بارش موسلا دھار برستی ہے۔ چنانچہ مہینوں میں ماہ رمضان کو یہ فضیلت حاصل ہے۔ حدیث مذکور اس حقیقت کی توثیق کرتی ہے۔ اس ماہ مبارک میں آسمانوں کے دروازوں کے کھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں خوب نازل ہوتی ہیں۔ اس میں یہ بھی لطیف اشارہ پایا جاتا ہے۔

کہ اس ماہ میں دعائیں کرنے والوں کی دعائیں بلا روک ٹوک فوراً مستجاب ہوتی ہیں اسی طرح جنت کے دروازوں کا کھل جانا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس ماہ میں مسلمان کو منجانب اللہ اُن امورِ خیر کی توفیق مل جاتی ہے۔ جن کے کرنے سے وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ نیز معاصیات سے نفور و بیزاری اختیار کر کے جہنم سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ سرکش جنات و شیاطین جو ہر آن انسانوں کو گمراہ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ قید کر دیے جاتے ہیں۔ حضور کے اس فرمان کی صداقت کا ثبوت ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ دیگر مہینوں کی نسبت اس ماہ مبارک میں مساجد کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ مسلمان کا میلان نیک کاموں کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔ عبادت الٰہیہ کا ذوق شوق بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ ساری باتیں جن کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت یا آسمانوں اور جنت کے دروازوں کا کھل جانا۔ دوزخ کے دروازوں کا بند ہو جانا صرف اُنہی باسعادت مسلمانوں کے لئے ہیں۔ جو ماہ رمضان کا حق ادا کرتے ہیں۔ بلا عذر شرعی روزہ نہیں چھوڑتے اور اس ماہ مبارک کا احترام کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱۹:- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے۔ اس دروازے میں سے جنت کے اندر صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

Marfat.com

تشریح:- اسلام میں روزہ کی عبادت کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس سے انسان کا تزکیہ نفس ہوتا ہے ساتھ ہی سے تقوےٰ جیسی بیش قیمت اخلاقی و روحانی دولت سے سرفراز ہوتا ہے یہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے مسلمان کے خداوند قدوس کیساتھ خلوص کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے ایک حدیث قدسی میں روزہ کی جزا کے سلسلے میں یہ الفاظ ہیں۔ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" یعنی روزہ میرے ہی لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ دار چونکہ محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے کھانے، پینے و دیگر حوائج نفسانیہ سے اپنے آپ کو روکتا ہے۔ اس لئے اس کا اجر بے حد و بے شمار ہے۔ تو مندرجہ بالا حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی فضیلت نیز بارگاہ ایزدی میں اس کی مقبولیت کو آشکارہ فرمایا۔ گویا روزہ اتنی مقبول عبادت ہے۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کا ایک دروازہ صرف روزہ داروں ہی کے لئے مخصوص فرمایا۔ بالفاظِ دیگر حضور نے روزہ داروں کو جنتی ہونے کی بشارت سے نوازا۔ حضور نے جس دروازہ سے روزہ دار جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کا نام بھی بتا دیا۔ تاکہ ان کو جنت میں داخل ہوتے وقت یہ تردد نہ ہو کہ ہم نے جنت میں کس دروازہ سے داخل ہوتا ہے۔ کسی مکان کے اگر متعدد دروازے ہوں تو نو وارد کو اس میں داخل ہوتے وقت کچھ جھجک سی محسوس ہوتی ہے۔ اس جھجک اور پریشانی کو دور کرنے کے لئے حضور نے پہلے ہی اُس دروازہ کا نام بتا دیا۔

حدیث نمبر ۲۲۰:- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ

مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عقیدت و ایمان کیساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا اس کے تمام پہلے گناہ بخشے جائیں گے۔ نیز جس شخص نے عقیدت و ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان میں قیام کیا۔ اور شب قدر کو جاگا اس کے پہلے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

تشریح:۔ کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں مکفرات یعنی گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کا بیان ہے۔ ان میں رمضان کا بھی بیان ہے بمذکورہ بالا حدیث اس حدیث کی موید ہے۔ حدیث ماقبل میں اس روزہ دار کو جنتی ہونے کی بشارت دی گئی۔ جنت میں وہ شخص داخل ہوگا۔ جیسے گناہوں کی مغفرت کا مژدہ جانفزا سنایا جائے گا۔ چنانچہ اس حدیث نے روزہ دار کا پہلے گناہوں سے مغفور ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ بخشش کے لئے ایمان شرط ہے۔ اسے اعمال صالحہ پر مقدم رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔" اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ " بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے مغفرت ہے۔ اسی لئے حدیث مذکور میں بھی صاحب ایمان روزہ دار کو ماسبق گناہوں سے بخشش کا وعدہ کیا گیا۔ ایمان کے ساتھ روزہ دار کے لئے خلوص بھی شرط ہے۔ اسلام میں چونکہ اعمال کی جزا کا دارومدار نیت پر موقوف ہے اس لئے حضور نے روزہ کی جزا کے سلسلے میں بھی اس کا بیان فرما دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ریاکاری کے لئے یا لوگوں سے ڈرتے ہوئے روزہ رکھتا ہے یا محض

Marfat.com

اس نیت سے روزہ رکھتا ہے کہ وہ تندرست ہو جائے گا۔ تو ایسے شخص کو مذکور جزا نہیں ملے گی۔ ویسے مکفرات کے متعلق یہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ ان سے صغائر ہی کی بخشش ہوتی ہے۔ یا کبائر ہلکے ہو جاتے ہیں۔ اگر گناہ نہ ہوں۔ (جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) تو درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے حدیث میں مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ گناہوں کی مغفرت حاصل کرنے کے لئے یا حصولِ جنت کے لئے عمر بھر میں صرف ایک ہی رمضان کے روزے رکھنا شرط نہیں بلکہ سِن بلوغ کے بعد جتنے بھی رمضان پائے۔ بلا عذر سب کے روزے رکھے۔ رمضان میں قیام سے مراد صلوٰۃ تراویح ہے۔ جس کی خصوصی فضیلت کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔ لیلۃ القدر رمضان کی ایک نہایت بابرکت رات ہے۔ جس کی فضیلت کا ذکر بالتفصیل آگے آئے گا۔ اس رات میں قیام بھی گناہوں سے بخشش کا موجب ہے۔ مگر لیلۃ القدر میں قیام یا رمضان میں عام قیام اُسی مسلمان کے لئے مفید ہے جو رمضان کی حق ادائیگی کرے۔ حدیث سے یہ مفہوم لینا غلطی ہے۔ کہ محض لیلۃ القدر کا قیام ہی بخشش کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے روزہ رکھنے کو رمضان میں یا لیلۃ القدر میں قیام پر مقدم رکھا۔

حدیث نمبر ۲۲۰:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ حَسَنَةٌ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَالْقِیَامُ

جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ صَوْمُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّىْ اِمْرَءٌ صَائِمٌ

(متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے ہر نیک عمل کا ثواب اس طرح زیادہ کیا جاتا ہے۔ کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے یہاں تک کہ یہ ثواب سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ کا ثواب اس سے بھی بالاتر ہے۔ اس لئے کہ روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار اپنی خواہشات کو اور کھانے کو صرف میری خوشی کے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خوشی روزہ کھولنے کے وقت اور ایک خوشی اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبو ہوتی ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بیہودگی سے چلائے اور اگر اس کو کوئی بُرا کہے یا اس سے کوئی لڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

تشریح:۔ روزہ کی فضیلت کے سلسلے میں یہ حدیث بڑی واضح ہے۔ کسی عبادت یا امرِ خیر کی فضیلت کا اندازہ اس کے موعود اجر و ثواب سے ہوتا ہے۔ جس قدر ثواب زیادہ ہو گا اسی قدر اس کی فضیلت زیادہ ہو گی۔ ادنےٰ درجے کی نیکی وہ ہے جس کا اجر دس گنا ملے گا اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہے " مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا " یعنی جو شخص ایک نیکی کرے گا۔ اُسے اُس کا دس گنا اجر ملے گا" اس سے اعلیٰ قسم ان نیکیوں کی ہے۔ جن کا ثواب سات سو گنا ملے گا انہی میں انفاق فی سبیل اللہ کی نیکی ہے۔ جس کا ذکر صراحتہً

Marfat.com

قرآن میں موجود ہے۔ مسجد نبوی۔ خانہ کعبہ نیز مسجد اقصٰے وہ بابرکت مقامات ہیں جہاں نماز پڑھنے کا ثواب لاکھوں گنا ہے۔ لیکن روزہ وہ عبادت ہے۔ کہ اس کے اجر و ثواب کی مقدار نہیں بتائی گئی۔ بلکہ حضور نے حدیث قدسی جس کا پیشتر بھی ضمناً ذکر آگیا ہے بیان فرمائی کہ روزہ خاص میرے ہی لئے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ کے علاوہ باقی جملہ عبادات کی کوئی نہ کوئی ظاہری صورت پائی جاتی ہے۔ جس سے دوسرے لوگ دیکھ لیتے ہیں۔ کہ یہ شخص فلاں عبادت کررہا ہے تو گویا ان عبادات میں ریاکاری کا کچھ نہ کچھ شائبہ پایا جاسکتا ہے۔ تو ریاکاری کی صورت میں عبادت کرنے والا خدا کے لئے نہیں بلکہ دیکھنے والے لوگوں کے لئے عبادت کرتا ہے مگر روزہ میں تو اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ روزہ کی کوئی ظاہری صورت نہیں جس سے روزہ دار کا روزے سے ہونا ثابت ہوسکے۔ خصوصاً ہمارے ملک میں موسم سرما کے روزے۔ تو ایسی صورت میں جب تک روزہ دار خود نہ بتائے کہ میں روزہ سے ہوں اس کا روزہ سے ہونا کسی طریقہ سے بھی معلوم نہیں ہوسکتا۔ روزہ دار کا بھوکا پیاسا رہنا نیز اپنے آپ کو دیگر جائز و مباح خواہشات نفسانی سے روک کر ایسی جسمانی تکلیف برداشت کرنا جو نفس پر بڑی ہی شاق گزرتی ہے۔ محض اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا رب کائنات نے اس عبادت کی جزا کی مقدار بیان نہیں فرمائی۔ گویا روزہ کا اجر بے حد و بے حساب ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان منفعت بخش کاموں کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے۔ جو کام جس قدر زیادہ نفع دینے والا ہوگا۔ انسانی توجہ اتنی ہی اس طرف زیادہ مبذول ہوتی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ السلام نے عین انسانی فطرت کے مطابق مسلمان کی توجہ روزہ کی طرف مائل کرنے کے لئے کس قدر دلنشیں پیرائے میں روزہ کی جزا کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ روزہ کا اجر اس قدر کیوں رکھا گیا ہے۔ روزہ کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد حضور مخلص روزہ دار کی نشانی

بیان فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ اُسے ایک تو روزہ افطار کرتے وقت روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس امر پر کہ توفیق ایزدی سے اس کا روزہ پورا ہو گیا۔ دوسرا خوشی قیامت کے دن ہوگی۔ جس وقت روزہ دار خداوند کریم کی زیارت کیف سے مشرف ہوگا۔ علاوہ ازیں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار اپنے رب کی بارگاہ میں اس قدر مقبول اور محبوب بن جاتا ہے۔ کہ خداوند کریم کو اس کے منہ کی بو مشک سے بھی بہتر معلوم ہوتا ہی ہے۔ اس کے بعد حضور نے روزے کو ڈھال کے ساتھ تشبیہہ دی۔ جس طرح ایک ڈھال انسان کو جنگ میں دشمن کی گزند سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس طرح روزہ انسان کو شیطان لعین و نفس امارہ کے شر سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ نیز قیامت کو نار جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ مگر روزہ کے مذکورہ بالا فوائد صرف اس روزہ دار کو ملتے ہیں۔ جو روزہ سے تزکیہ باطن حاصل کرتا ہے۔ روزہ ایک طرح سے مسلمان کی روحانی اور اخلاقی تربیت ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ روزہ جسم کے سارے اعضاء کا ہوتا ہے۔ یعنی تمام اعضاء کو منہیات و معصیات سے بچائے رکھے۔ ایک حدیث میں حضور نے فرمایا کہ کتنے ہی روزہ دار وہ ہیں جن کو روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ روزہ کا صحیح مقصد حاصل کرنے کے لئے حضور نے صراحتہً حکم فرمایا کہ روزہ کی حالت میں بدگوئی اور بدزبانی نہ کرو۔ اگر کوئی شخص تمہیں گالی بھی دے دے یا تمہارے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہو تو اسے کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں تاکہ اُسے بھی پتہ چل جائے کہ روزہ رکھ کر ایسی نامناسب حرکات سے گریز لازمی ہے۔ گویا اسلام میں روزہ ایک بامقصد عبادت ہے۔ ایک ماہ کی اخلاقی تربیت کا اثر روزہ دار مسلمان پر اتنا ہوتا ہے کہ وہ سال کا باقی حصہ۔ اسی طرح عمر بھر سال بہ سال روزہ رکھنے سے سوسائٹی کا ایک بااخلاق فرد بن کر اخلاق حسنہ کا ایک اعلےٰ مرقع بن جاتا ہے۔ اور ملک و ملت کے لئے باعث فخر ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

باب رُؤيَةِ الْهِلَالِ (چاند دیکھنے کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۲۲:- عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْہِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدِرُوْا لَہٗ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ قَالَ الشَّھْرُ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ لَیْلَۃً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلٰثِیْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک رمضان کا چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور روزہ افطار نہ کرو جب تک عید کا چاند دیکھ نہ لو۔ اگر تمہارے سامنے ابر ہو تو اندازہ کر لو۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ مہینہ کبھی انتیس رات کا ہوتا ہے۔ پس تم اس وقت روزہ نہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو۔ اور اگر تمہارے سامنے ابر ہو جائے تو پورے تیس دن شمار کر لو۔

تشریح:- اسلام نے ایسا ضابطہ حیات پیش کیا ہے۔ جو ایسے سیدھے سادے اور عام فہم اصولوں پر مبنی ہے۔ جن پر ہر شخص نہایت آسانی کیساتھ عمل کر سکتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ رمضان میں روزہ کا آغاز اور عید الفطر جو یکم شوال کو ہوتی ہے کا دار و مدار چاند کی رویت پر رکھا۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ہر جگہ چاند نظر آ سکتا ہے۔ اگر بالفرض انتیس شعبان کو مطلع صاف ہونے کی بجائے ابر آلود

Marfat.com

ہو تو حضور نے فرمایا کہ شعبان کے تیس دن پورے کر لو اور پھر رمضان کو شروع کر لو۔ اسی طرح عید الفطر کا معاملہ ہے۔ اس اصول پر عمل کرنا کس قدر سہل ہے۔ رمضان ویسے بھی ایک قمری مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی عبادت کا تعلق قمری مہینہ کے ساتھ رکھا نہ کہ شمسی مہینہ سے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قمری مہینے بخلاف شمسی مہینوں کے ہمیشہ ایک ہی قسم کے موسم میں نہیں رہتے۔ بلکہ کبھی گرمیوں میں اور کبھی سردیوں میں۔ اُمت مسلمہ کے لیے رب کائنات کی طرف سے ایک بہت بڑی سہولت ہے۔

رمضان کی ابتدا کرنے کے لیے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان ہے۔ روئیت ہلال شرط ہے۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو ایک مسلمان مرد کی روئیت عینی کی شہادت سے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا۔ چاند کی روئیت کے لیے شہادت کا لینا دوسری احادیث میں موجود ہے۔ محض خبر پر روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ خط، تار، ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ سب خبروں کو نشر کرنے کے آلات نہیں۔ ان ذرائع سے شہادت نہیں ہو سکتی اسی لیے جمہور علمائے حق کا یہی مسلک ہے۔ کہ بغیر عینی روئیت یا اس پہ شہادت کے بغیر ۲۹ شعبان کے بعد رمضان کا آغاز نہیں کیا جائے گا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم شعبان کے آخری دو تین دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کی عادت مکرمہ تھی کہ شعبان میں رمضان کے علاوہ باقی سب مہینوں سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔ اس میں مصلحت یہی تھی۔ کہ کسی کو یہ شک نہ گذرے کہ حضور نے رمضان شروع کر دیا ہے۔ جس طرح رمضان کے روزہ کی ابتداء روئیت ہلال سے کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح عید الفطر جو یکم شوال کو منائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق بھی حضور نے فرمایا کہ جب تک چاند نہ دیکھ لو عید نہ کرو۔ روئیت ھلال کی شہادت کے سلسلے میں رمضان اور عید الفطر میں فرق ہے۔ جہاں پہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں

Marfat.com

رمضان کا آغاز ایک مرد کی شہادت سے ہوتا ہے۔ عید الفطر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پر ہوگی۔ اگر مطلع صاف ہو تو رمضان کا ہونا یا عید الفطر کے لئے ایک جماعت کثیرہ کی شہادت شرط ہے۔ مظاہر حق۔ شرح مشکوٰۃ شریف میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ایک روایت ہے کہ کم از کم پچاس مرد ہوں۔

حدیث نمبر ۲۲۲: عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ اَلشَّھْرُ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَعَقَدَ الْاِبْھَامَ فِی الثَّالِثَۃِ ثُمَّ قَالَ اَلشَّھْرُ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَھٰکَذَا یعنی تَمَامَ الثَّلٰثِیْنَ مَرَّۃً تِسْعًا وَّ عِشْرِیْنَ وَمَرَّۃً ثَلٰثِیْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ایک اُمّی قوم ہیں لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب نہیں جانتے مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے۔ اور تیسری بار انگوٹھا بند کر لیا اور پھر فرمایا مہینہ ایسا ایسا اور ایسا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کبھی پورے تین عشرے اور تیس دن کا مہینہ ہوتا ہے۔ اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے۔

تشریح: ابتدائے عہد رسالت میں چونکہ عربوں کی اکثریت ناخواندہ تھی۔ اس لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اُمّی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے قرآن پاک اس امر کی توثیق یوں کرتا ہے "ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔ الآیۃ" یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اُمیوں میں اپنے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) بھیجے۔

حضور کا اپنے آپ کو ان میں شامل کرنا از راہ تواضع ہے۔ اُمّی حضور کا لقب عالی بھی ہے۔ حضور کے اُمّی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے کسی انسان سے اکتساب علم نہیں کیا۔ بلکہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اولین و آخرین نیز ما کان و ما یکون کے علوم عطا

Marfat.com

فرمائے۔ انخواندوں اور ان پڑھوں کو گنتی کی کوئی بات سمجھانے کا عام طریقہ وہی ہے جو حضور نے اختیار فرمایا۔ اس طریقہ سے ہر شخص آسانی کیساتھ سمجھ سکتاہے۔ اسلامی کیلنڈر کا تعلق چوں کہ قمری مہینوں سے ہے اور قمری مہینہ تیس دن کا ہوتاہے یا انتیس دن کا۔ چنانچہ حضور نے انگلیوں کے شمار سے یہی بات سمجھائی۔ یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی کہ رمضان یا اور کسی قمری مہینے کا چاند دیکھنے کا اہتمام اس سے پہلے مہینے کی انتیس تاریخ کو کرنا چاہیئے یا تیس تاریخ کو۔ اس سے پہلے یا بعد میں نہیں۔ نیز اگر تیس تاریخ کو کسی وجہ سے چاند نظر نہ بھی آئے تو اگلے دن سے نیا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ البتہ انتیس تاریخ کو نظر نہ آنے کی صورت میں حسب حدیث سابقہ تیس دن پورے کرنے پڑیں گے۔

حدیث نمبر ۲۲۴:- عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرَا عِیْدٍ لَا یَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَ ذُوالْحِجَّۃِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو بکرۃ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید کے دونو مہینے یعنی رمضان اور ذوالحجہ کم نہیں ہوتے۔

تشریح:- اس حدیث کی توضیح میں علماء نے دو قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ ایک ہی سال میں حدیث میں مذکور دو مہینے یعنی رمضان اور ذوالحجہ انتیس دن کے نہیں ہوتے ایک انتیس ہوگا تو دوسرا تیس کا دوسرا قول یہ ہے ان دونو مہینوں میں ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ خواہ ان میں سے کوئی مہینہ یا دونو ہی انتیس دن کے ہوں۔ ثواب پورا تیس دن ہی کا ملتا ہے۔ عیدالفطر اگرچہ شوال میں ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس کا تعلق رمضان کے ساتھ ہے اس لئے حدیث میں رمضان ہی کو عید کا مہینہ کہا گیا۔ گویا اس میں اشارہ یہ ہے کہ اگر بالفرض رمضان کا مہینہ انتیس دن کا ہو تو روزہ دار یہ خیال نہ کرے

کہ اگر تیس دن کا ہو جاتا تو بہتر تھا تاکہ پورے تیس دن کا ثواب مل جاتا۔ اس حدیث سے رمضان المبارک اور ذوالحجہ کی فضیلت آشکارہ ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۴:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْ ذٰلِکَ الْیَوْمَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر وہ جو رکھنے کا عادی ہو اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

تشریح:۔ گذشتہ احادیث میں رمضان کے روزوں کی ابتدا رویت ہلال کے شرعی ثبوت سے کرنے کا بیان گذر چکا ہے۔ ۲۹ رشعبان کے بعد اگر ایسا شخص روزہ رکھے گا۔ جسے ابتدائے شعبان میں سے نفلی روزے رکھنے کی عادت نہ ہو۔ تو چاند نہ ہونے کی صورت میں ایسے شخص کے روزہ رکھنے سے لوگوں کو شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔ اسلام امور شرعیہ کا دارومدار محض ظن یا شک وشبہ پر نہیں رکھتا۔ وقولہ تعالیٰ "ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً" نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک دوسری روایت میں جو ابو داؤد ترمذی۔ ابن ماجہ اور دارمی میں موجود ہے۔ حضور نے نصف شعبان گذر جانے کے بعد روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ بعض اوقات جہلا ایسے دن میں کسی شخص کے روزہ رکھنے ہی کو حجت سمجھ لیتے ہیں۔ اسی لئے حضور نے حفظ ما تقدم کے طور پر نصف شعبان کے بعد یا کم از کم اس ماہ کے آخری دو تین دن روزہ رکھنے سے منع فرما دیا۔ حضور نے ایسے شخص کو اس ممانعت سے مستثنےٰ فرما دیا جو عادتاً ابتدائے شعبان سے آخر تک روزے رکھنے کا عادی ہو۔ چونکہ ایسے آدمی کم ہی ہوتے

Marfat.com

میں نیز ان کے متعلق عام لوگوں کو علم ہوتا ہے۔ اس لیے اس قسم کے آدمیوں کا روزہ رکھنا اس مقصد پر اثر انداز نہیں ہوتا جس کے لیے حضور نے ممانعت فرمائی۔

سحری اور افطار کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۲۵:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِیْ السَّحُوْرِ بَرَکَۃً۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کے کھانے میں برکت ہے۔

تشریح:۔ سحری کھانے میں برکت کے معنی و مفہوم جو مظاہر حق شرح مشکوٰۃ کے مصنف نے بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ اس میں عظیم اجر و ثواب ہے۔ اس لئے کہ سحری کھانا نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نیز اس سے روزہ رکھنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ سحری کھانے سے دن کے روزہ پر استعانت کرو۔ اور قیلولہ سے رات کے قیام پر۔ سحری کھانے کا فعل اللہ رسول کو اس لئے بھی پسند ہے۔ کہ اس میں یہود و نصاریٰ جیسی مغضوب اور ملعون قوموں کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس کی صراحت اگلی حدیث میں ملے گی۔ اسلام میں بہت سے کام محض اس لئے باعث اجر و ثواب ہیں کہ ان میں مذکور قوموں کی مخالفت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ نیز ان کی مشابہت اختیار کرنے سے پیغمبر اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم حکماً منع فرمایا۔ سحری کھانے کے فضائل دیگر احادیث میں بے شمار

ملتے ہیں۔ طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ حضور نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں پر کھانے میں انشاءاللہ تعالیٰ کے حساب نہیں جبکہ حلال کھایا۔ روزہ دار سحری کھانے والا۔ اور سرحد پر گھوڑا باندھنے والا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا سحری کل کی کل برکت ہے اسے نہ چھوڑنا اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لے کیونکہ سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ سحری کھائے بغیر روزہ رکھ لینے سے بدن میں زیادہ ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر عادتاً کئی روز تک ایسا ہی کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے اس قدر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ کہ انسان دیگر عبادات یا معاش سے متعلقہ فرائض کو سرانجام نہیں دے سکے گا۔ دین اسلام میں اللہ رسول کی طرف سے احکام دین میں اس طرح کے سہولت دینے والے مفید اصولوں کی ہزاروں مثالیں ہیں بلکہ اسلام کی اساس ہی اسی اصول پر ہے۔ چنانچہ حضور کی یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں بھی گذر چکی ہے۔

"اَلدِّیْنُ یُسْرٌ" یعنی دینِ اسلام آسان ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۶:- عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارا اور اہل کتاب کے روزوں کا فرق سحری کھانے کا ہے۔

تشریح:- سابقہ الہامی مذاہب جن میں یہودیت اور عیسائیت بھی شامل ہیں۔ امور شریعہ میں دینِ اسلام سے کچھ نہ کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی رات کو سو جانے کے بعد کھانا حرام سمجھتے تھے دیسے ان کے مذہب میں حکم بھی یہی تھا۔ اور ابتدائے اسلام میں بھی اسی

Marfat.com

پر عمل رہا۔ حتیٰ کہ روزہ کو افطار کرنے کے بعد طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت کے متعلق قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے روزوں سے اپنے روزوں کو تمیز کرنے کے لئے سحری کھانے کا حکم فرمایا۔ اور اس کے فضائل بیان فرمائے تاکہ سحری کھانے کی رغبت پیدا ہو ویسے بھی سحری کھانا ہر لحاظ سے نافع ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۷:۔ عَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت سہل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے۔ جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔

تشریح:۔ حدیث میں افطار میں جلدی کرنے کی تعلیم ہے۔ حضور نے فرمایا کہ امت کی بھلائی اسی میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرنے میں غیر معمولی تاخیر عند اللہ محمود و مستحسن نہیں۔ روزہ کے ضمن میں قرآن کا حکم یہ ہے۔ "وَاَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔ یعنی روزے کو رات پڑنے تک پورا کرو۔ یعنی رات پڑنے سے روزہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ رات سورج غروب سے شروع ہوتی ہے۔ تو غروب آفتاب کے بعد روزہ افطار نہ کرنا اور تاخیر کرنا گویا رب کائنات کے حکم میں بے جا تصرف کرنا ہے۔ روزہ داروں میں لاکھوں مسلمان محنت کش ہوتے ہیں۔ جو روزہ کیساتھ دن بھر محنت مزدوری بھی کرتے ہیں۔ روزہ کے سلسلے میں بھوک و پیاس پر صبر اختیار کرنا بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ مگر جب روزہ کا وقت ختم ہو جائے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ روزہ فوراً افطار کر لیا جائے۔ ہاں حضور نے وصال کا روزہ رکھنے

Marfat.com

میں وقت کی پابندی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ اگر کوئی کام اپنے مقررہ وقت پر ادا نہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ قضا ہو گیا ہے کسی کام کو اپنے وقت پر نہ کرنا بلکہ اس میں خواہ مخواہ تاخیر کرنا نہایت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ پابندی وقت ہی کی تعلیم کے لئے حضور نے روزہ کو وقت پر افطار کرنے کا اور تاخیر نہ کرنے کا حکم فرمایا۔

افطار میں اتنی جلدی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ سورج اچھی طرح غروب نہ ہو۔ سورج کے اچھی طرح غروب ہونے کی علامت یہ ہے کہ افق میں سورج کے غروب ہونے کی جگہ کا پتہ نہ چل سکے۔

حدیث نمبر ۲۲۸:- عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰہُنَا وَاَدْبَرَ النَّہَارُ مِنْ ھٰہُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عمر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس جگہ سے رات آئے اور ادھر سے دن جائے یعنی آفتاب غروب ہو جائے۔ تو روزہ دار افطار کرے۔

تشریح:- گذشتہ حدیث میں افطار میں عجلت کا بیان تھا۔ اس حدیث میں افطار کا وقت بتایا گیا ہے۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ کہ قرآن پاک کے اس حکم کے مطابق "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ"۔ یعنی روزہ کو رات کی ابتدا ہونے تک پورا کرو۔ تو اس حکم کے تحت افطار کا وقت دن کے اختتام اور رات کے آغاز ہونے کا وقت ہے چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے احکام کو مخلوق کے لئے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ ان پر عمل آسانی سے ہو سکے۔ لہذا اس سلسلے اہل کتاب یعنی یہود اور عیسائی ہونے کے وقت کی پہچان کے لئے فرماتے ہیں ویسے ان کے مذہب میں حکم ہو

کہ جب رات مشرق کی جانب سے شروع ہو جائے۔ اگرچہ حدیث میں حضور **ھٰھُنَا** کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور نے اشارہ کرکے بتایا۔ ویسے اس سے مراد مشرق ہی ہے۔ اس لیے کہ رات کا اندھیرا پہلے اسی سمت سے شروع ہوتا ہے یہ بات عام مشاہدہ میں آتی ہے۔ کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔ تو مشرق کی جانب افق پر سیاہی سی نمودار ہونے لگتی ہے۔ اسی سیاہی کی جگہ طلوع فجر کے وقت سفیدی ظاہر ہوتی ہے۔ افطار کا وقت حسب حدیث اس وقت ہوتا ہے جب سارے افق پر مذکور سیاہی نظر آنے لگے اور آفتاب جانب مغرب غروب ہو جائے۔ آفتاب غروب ہونے کی علامت گذشتہ حدیث کی تشریح میں گذر چکا ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۹:۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روزۂ وصال رکھنے سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو روزۂ وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں میری مثل کون ہے۔ میں رات کو اس طرح گذارتا ہوں میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں روزہ پر روزہ رکھنے کی ممانعت کا بیان ہے۔ گویا افطار کے بغیر دوسرا روزہ رکھنا محمود و مستحسن نہیں۔ اس لئے کہ یہ فعل ضعف بدن کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک اور حدیث میں حضور نے وصال کا روزہ رکھنے

Marfat.com

سے منع فرما دیا۔ اس بارے میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے مگر جمہور کے نزدیک
ایسا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام
شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ بعض جواز کے بھی قائل ہیں یہ حضرات
حضرت عبداللہ ابن زبیر اور تابعین میں سے حضرت عبداللہ بن ابی نعیم
اور حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر کے اس قسم کے روزہ رکھنے کو لیا، یہ سند
پیش کرتے ہیں۔ حضور کا ایسا روزہ رکھنا حضور کے خصائص سے ہے۔ چنانچہ
اصحابہ الکرام جو حضور کے ہر فعل کی اتباع کرنے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔
حضور کے اس فعل مبارکہ کی بھی پیروی کرنے لگے۔ جب حضور کو علم ہوا تو آپ
نے منع فرما دیا اس پر بعض حضرات نے عرض کیا کہ آپ بھی تو ایسا روزہ رکھتے
ہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میرا پروردگار
مجھے رات کو کھلاتا پلاتا ہے۔ حضور کے اس ارشاد کے متعلق بھی علماء کے کئی
ایک قول ہیں۔ مگر قول مختار یہ ہے کہ اس سے مراد ظاہری غذا نہیں بلکہ روحانی
غذا ہے۔ حضور کا مشاہدہ حق میں محو رہنا اور نہایت کثرت کیساتھ اپنے رب کا
ذکر و فکر کرنا حضور کو کھانے پینے سے مستغنی کر دیتا تھا۔ حضور نے جمال حق کے
مشاہدہ سے حاصل شدہ لذت سرور کو کھانے پینے سے تشبیہ دی۔ بعض اوقات
عام انسان مجازی محبت سے اس قدر سچی مسرت حاصل کرتا ہے۔ کہ وہ اکل
و شرب کی احتیاج سے گھنٹوں بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ
"وَ اَیُّکُمْ مِثْلِی" کا بظاہر قرآن کی آیت "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
یُوْحٰی اِلَیَّ" دیکھنے سے تعارض اٹھ جاتا ہے۔ حدیث میں حضور کا خطاب
اپنے اصحابہ سے ہے۔ جو کبھی بھی حضور کے ساتھ مماثلت کا دعویٰ
نہیں کرتے تھے۔ کتب احادیث یا قرآن پاک سے کسی اصحابی یا حضور کے
کسی نیازمند امتی کا حضور آقائے دو جہاں شہنشاہ کون و مکاں علیہ
افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی مثل بشر کہنا ثابت نہیں۔ البتہ کفار و مشرکین

Marfat.com

کہ حضور یا انبیائے سابقہ کو اپنی مثل بشر کہنے کا بیان قرآن پاک میں بیسیوں مقامات پر ملتا ہے۔ چنانچہ سورہ یٰسٓ کی ابتدائی آیات میں یہ آیت استشہاد کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔ قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ یعنی جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا پھر تیسرے کیساتھ ان کی مدد کی۔ پھر ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں (کافروں) نے کہا کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو۔ اور رحمٰن نے کوئی چیز نہیں اتاری تم جھوٹے ہو۔ اٹھارویں پارے کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت نوح و حضرت موسیٰ و ہارون و دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کافروں کا اس قسم کے کلمات کیساتھ مکالمہ کرنے کا بیان موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نوع بشریت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ایک مسلمان کا ایمان اسے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ حضور کو اپنی مثل بشر کہے۔ یہ سراسر گستاخی و بے ادبی ہے۔ یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کسی صحابی کا حضور کو ان کلمات سے یاد کرنا ثابت نہیں۔

بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ (روزہ کو پاک کرنے کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۴۲۰ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

تَمْرِيْدَاءُ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بولنا اور بُرا کام کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی ضرورت نہیں ۔

تشریح :۔ روزہ کا اصل مقصد مسلمان میں تقوٰے پیدا کرنا ہے محض کھانے پینے یا دیگر حوائج نفسانیہ سے روکنا نہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے " کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ " یعنی تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلوں پر تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم روزہ رکھو تو اپنی آنکھوں ، کان ، زبان و دیگر اعضاء کو بُرے اور ناپسندیدہ کاموں سے روک کے رکھو۔ اس حدیث میں حضور نے نہایت جامع الفاظ میں روزہ دار کو باطل بولنے اور بُرا فعل کرنے کی ممانعت فرمادی۔ باطل گوئی سے مراد جھوٹ بولنا غیبت کرنا۔ گالی دینا کسی پر بہتان لگانا ، کفر و شرک کی باتیں کرنا فحش کلامی کرنا ہے ۔ ایسا .... روزہ دار ان باتوں سے باز نہیں رہتا تو گویا وہ روزہ کے صحیح مقصد کو نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو روزہ رکھنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اسی لئے حضور نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالٰے کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی ضرورت نہیں۔ گویا اُسے روزہ رکھنے کا اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

حدیث نمبر ۲۳۲ :۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ

Marfat.com

مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے احرام اور روزہ کی حالت میں سینگیاں کھچوائیں۔

تشریح:۔ اس حدیث میں روزہ یا احرام کی حالت میں سینگیاں لگوانے کے جواز کا بیان ہے۔ ابوداؤد کی حدیث "اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَھُوَ صَائِمًا مُحْرِمًا" بھی حدیث مذکور کی مؤید ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ روزہ کی حالت میں سینگیاں لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک نیز امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک یہ فعل روزہ کی حالت میں بلاکراہت جائز ہے مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھری سینگی لگوانے سے روزہ باطل ہوجاتا ہے۔ مگر اس روزے کی صرف قضا لازم ہے۔ کفارہ نہیں۔

حدیث نمبر ۲۳۲:۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَ ھُوَ صَائِمٌ فَاَکَلَ اَوْشَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَہُ اللّٰہُ وَسَقَاہُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرے اس لئے کہ خدا نے اسے کھلایا پلایا ہے۔

تشریح:۔ خداوند کریم کا امت مسلمہ پر یہ خاص کرم ہے کہ سہو ونسیان سے ہونے والی خطا پر گرفت نہیں۔ فرمایا۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک روایت میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے نسیان یا بھول چوک کو معاف فرمادیا

Marfat.com

ہے۔ ویسے بھی چونکہ اس صورت میں قصد کو دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے عقل بھی یہی چاہتی ہے۔ کہ ایسے گناہ پہ مواخذہ نہ ہو۔ حضرت آدم علے نبینا وعلیہ الصلٰوۃ والسلام کے متعلق قرآن پاک میں سورہ طٰہٰ میں یوں مذکور ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ یعنی ہم نے پہلے آدم (علیہ السلام) سے عہد لیا تو وہ بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ رتبے کے مقرب نبی و خلیفہ تھے۔ اس لئے ان سے سہواً ... لغزش سرزد ہونے پہ بھی مواخذہ ہوا۔ مگر چونکہ اس میں اُن کا عزم شامل نہ تھا۔ اس لئے توبہ قبول کر لی گئی۔ لہٰذا روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ایسا شخص روزہ کو پورا کرے۔ البتہ اگر یاد آ جانے پر بھی کھاتا پیتا رہا تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔ پہلی صورت میں روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق سوائے امام مالک کے جملہ ائمہ محدثین کا اجماع ہے۔ ان سب کے نزدیک نہ تو روزہ ٹوٹے گا۔ اور نہ قضا ہی واجب ہوگی البتہ امام مالک کے نزدیک قضا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر فعل کا خالق ہے۔ اس لئے حضور نے بھول کر کھانے پینے کے متعلق فرمایا۔ کہ ایسے شخص کو خدا ہی نے کھلایا پلایا۔

بَابُ صَوْمِ الْمُسَافِرِ مسافر کے روزے کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۳۳:۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ

Marfat.com

لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِی السَّفَرِ وَکَانَ کَثِیْرَ الصِّیَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حمزہ بن عمرو سلمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں اور حمزہ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا جی چاہے رکھ اور نہ جی چاہے تو نہ رکھ۔

تشریح:۔ سفر میں روزہ رکھنے کے لئے سحری اور افطار کا اہتمام گھر کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسلام نے سفر کی حالت میں روزہ قضا کرنے کی اجازت دی۔ مسافر کے لئے نمازیں قصر کے احکامات کا بیان کتاب الصلوٰۃ میں باب صلوٰۃ المسافرین گذر چکا ہے۔ مسافر کو سفر میں نماز بالکل چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس لئے کہ نماز کا معاملہ روزے سے مختلف ہے۔ نماز کا اہتمام روزہ کی نسبت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے مگر روزہ کے سلسلے میں ممکن ہے کہ سحری یا افطار کے لئے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ آئے۔ اگر بالفرض ایسا انتظام ہو بھی جائے تو روزہ کیساتھ سفر کرنا خصوصاً شدت کی گرمی کے موسم میں تکلیف بالایطاق ہے۔ لہٰذا رب تبارک و تعالیٰ نے مسلمان کو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں یہ سہولت عطا فرمائی کہ وہ روزہ کو قضا کرکے اور دنوں میں رکھ لے۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن کا حکم بھی موجود ہے جو یہ ہے

وَاِنْ کُنْتُمْ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"

یعنی اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے۔ یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے

Marfat.com

اور تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔
تو اس آیت قرآنی میں مسافر کے لیے روزہ قضا کرنے کا بیان بھی ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان فرما دی۔ کہ یہ سہولت مسافر کو آسانی دینے کے لیے ہے۔ اس اُمت کو ربّ کریم کی طرف سے کس قدر آسانیاں عطا کی گئی ہیں۔ سفر خواہ تکلیف دہ ہو یا آرام دہ حکم ایک ہی ہے۔ ویسے روزہ دار کو اجازت ہے کہ اگر چاہے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن نے فرمایا" وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ " اگر تم روزہ رکھ لو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔

حدیث مذکور روزہ کے بارے میں سفر کی حالت میں قرآن کے حکم ہی کی توضیح و تشریح ہے۔ حضور نے صحابی کی اجازت فرمائی کہ چاہے روزہ چھوڑ دے چاہے رکھ لے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھنے کی سہولت میسّر آ سکے۔ نیز سفر کرنے کا ذریعہ ایسا ہو کہ زیادہ جسمانی مشقت نہ اُٹھانی پڑے تو روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا جو اُوپر گذر چکا ہے۔

المختصر سفر میں روزہ چھوڑنے یا رکھنے کا اختیار ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۲۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا مُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔ (رواہ المسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم سولھویں تاریخ رمضان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ جہاد کو روانہ ہوئے۔ ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ نہ رکھا۔ روزہ رکھنے

والوں نے روزہ چھوڑنے والوں کو بُرا نہ کہا۔ اور نہ ہی روزہ چھوڑنے والوں نے روزہ رکھنے والوں کو بُرا کہا۔

تشریح: اسلام نے جس طرح مسافر کو روزہ قضا کر لینے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح جہاد میں بھی یہ اجازت ہے۔ جہاد میں سفر کی نسبت میں زیادہ تکالیف و مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ ویسے جو شخص قوی اور تنومند ہو اور اُسے اپنے نفس پر پورا پورا بھروسہ ہو کہ وہ روزہ رکھ سکے گا۔ اُسے رکھنے کی اجازت ہے۔ مگر اس بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نیز اصحابہ کرام کا طرز عمل ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنے والے اور روزہ چھوڑنے والے ایک دوسرے کو طعن و تشنیع نہ کریں۔ مندرجہ بالا حدیث میں مذکور واقعہ اس سلسلے میں بیّن ثبوت ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۵: عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ ‎(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ کہ آپ نے لوگوں کا ایک اژدحام دیکھا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا جس کے اوپر سایہ کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا روزہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

تشریح: مسلمان کا جان و مال اللہ رسول کو بے حد عزیز ہیں۔ یہاں تک کہ جان بچانے کے لئے اضطراری حالت میں حرام چیز کا بھی کھانا پینا مباح ہے۔ نیز کفر و شرک کے کلمات بھی زبان سے کہنے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل میں انکا انکار موجود ہو۔ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے۔ " وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ " یعنی اپنی جانیں خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالو۔ تو سفر کی حالت میں

Marfat.com

حسب ظن غالب ہو کہ روزہ رکھ کر زیادہ تکلیف ہوگی تو روزہ چھوڑ دے۔ ایسا حالت میں روزہ رکھنے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ حدیث اسی قسم کا واقعہ پیش کر رہی ہے۔ کہ ایک شخص نے گرمی کی شدت میں روزہ رکھ لیا جب زیادہ تکلیف ہوئی تو دوسرے ساتھی اسے دھوپ سے بچانے کے لئے سایہ کرنے لگے۔ حضور نے اسے ناپسند فرمایا کہ ایک تو اپنی جان بھی ہلاکت میں ڈالا نیز دوسروں کو بھی تکلیف دینا۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ایسے حالات میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

حدیث نمبر ۲۳۶:- عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ بِالْاَجْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض نے ہم میں سے روزہ رکھا ہوا تھا جب کہ بعض نے نہیں .... پس ہم ایک روز گرم دن میں ایک منزل میں اترے جن لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ وہ ضعف سے نڈھال ہو کر گر پڑے اور جن لوگوں سے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے خیموں کو کھڑا کیا اور اونٹنیوں کو پانی پلایا۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہیں رکھا تو اب لے گئے۔

تشریح:- سفر میں اگرچہ روزہ چھوڑنے یا رکھنے دونوں کی اجازت ہے۔ مگر جیسا کہ ماقبل حدیث کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ کہ اگر

Marfat.com

موسمی یا دیگر حالات ایسے ہوں کہ روزہ رکھنے سے اتنا ضعف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ انسان ضروری فرائض بھی سرانجام نہ دے سکے۔ تو ایسے حالات میں روزہ چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ نفسِ مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث اس سے پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہے۔ حدیث میں سفر کے اندر روزہ رکھنے والے اصحابہ کے ضعف کا بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ انتہائی کمزوری کی وجہ سے اپنے خیمے بھی نہ گاڑ سکے اور نہ ہی رہے پیاسے جانوروں کو پانی پلا سکے۔ تو ان امور کا ان کے لئے سرانجام دینا بھی از حد ضروری تھا۔ روزہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روزہ رکھ کر باقی کاموں سے چھٹی کر لی جائے۔ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے اور روزہ کے مقصد سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔ تو صحابہ کی وہ جماعت جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ انہیں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشادات مثلاً خیمے نصب کرنا۔ سواری کے جانوروں کو پانی پلانا وغیرہ پر عمل کرنے کا موقع مل گیا۔ لہٰذا حضور نے فرمایا کہ یہ حضرات اول الذکر کی نسبت اجر و ثواب میں سبقت لے گئے۔

حدیث نمبر ۲۲۷: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلَی الْمَکَّۃَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ عَسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَہُ اِلٰی یَدَیْہِ لِیَرَاہُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّۃَ وَ ذٰلِکَ فِیْ رَمَضَانَ فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّہُ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے۔ آپ نے مقام عسفان تک روزہ

رکھا۔ پھر عسفان پہنچ کر آپ نے پانی منگایا اور لوگوں کو دکھانے کے لئے پانی کو ہاتھ میں اونچا کیا۔ اور پھر پی لیا اسی طرح آپ نے مکہ تک کا سفر کیا۔ اور یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا بھی ہے۔ اور افطار بھی کیا ہے تو جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے مقام عسفان میں عصر کے بعد روزہ افطار کیا۔

تشریح:۔ امور شرعیہ میں کسی امر کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خود عمل کر کے دکھانا اس چیز کے شروع ہونے کا بین ثبوت ہے۔ حضور نے احکام دین کی محض زبانی تبلیغ ہی نہیں فرمائی بلکہ خود عمل کر کے دکھایا۔ عملی تعلیم کا نظری تعلیم سے زیادہ موثر ہونا ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ حضور کا سفر کی ابتدا میں روزہ رکھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ سفر میں بالکل روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں۔ اگر کلی ممانعت ہوتی تو حضور روزہ رکھ کر سفر اختیار نہ فرماتے۔ حضرت ابن عباس کا قول اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کی تائید کرتا ہے۔ پھر رمضان کے روزہ کا سفر میں افطار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سفر میں جب فرض روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے تو پھر نفلی روزہ کا چھوڑنا بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ حضور کا عصر ہی کے وقت روزہ افطار کرنا امت کو وہ تعلیم دینا تھا۔ جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ وگرنہ حضور کی ذات مقدس کئی کئی دن مسلسل کھانے پینے کے بغیر ہی گذار دیتی اسے روزہ وصال کہتے ہیں جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ عسفان پہنچ کر حضور کا روزہ کھولنا اس لئے تھا۔ کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس امر شرعی سے واقف ہو جائیں یا یہ کہ اس مقام سے پہلے پانی نایاب تھا۔ بہر حال حضور کے اس فعل مبارک سے مسافر کے لئے روزہ کی رخصت واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے

Marfat.com

بَابُ الْقَضَاءِ (روزہ کی قضا کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۳۸:- عَنْ عَائِشَةَ كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ تَعْنِي الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ میرے ذمہ رمضان کے قضا روزے ہوتے تھے۔ لیکن میں انہیں شعبان کے سوا اور کسی مہینے میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں۔ کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ روزے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی خدمت کی وجہ سے قضا ہو جاتے تھے۔

تشریح:- رمضان المبارک کے ایسے روزے جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے قضا ہو جائیں۔ انہیں سال کے باقی مہینوں میں سے کسی مہینہ میں رکھنا واجب ہے۔ مثلاً عورت حیض و نفاس یا بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے اور یا ایام حمل میں اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ کمزوری محسوس کرے۔ تو ان سب صورتوں میں روزہ قضا کر سکتی ہے۔ مرض اور سفر کی حالت مرد و عورت دونو کے لئے مشترکہ عذر ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بھی چونکہ عبادت میں شامل ہے۔ بلکہ نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے مارے

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات حضور کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے روزے قضا کر دیتیں اور شعبان میں جب کہ انہیں فراغت ملتی ادا کر لیتیں۔ گویا قضا روزوں کی ادائیگی سال کے باقی مہینوں میں جب جی چاہے ہو سکتی ہے۔ مگر ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابی ھریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خاوند گھر میں موجود ہو تو اُس کی اجازت کے بغیر عورت روزہ نہ رکھے اور نہ ہی وہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر آنے کی اجازت دے۔

تشریح:- اس حدیث میں عورت کو بلا اجازت شوہر جس روزہ کے رکھنے کی ممانعت ہے وہ نفلی روزہ ہے۔ جو روزے فرض ہیں ان میں خاوند کی اجازت شرط نہیں۔ جسمانی قوت کے پیش نظر عورت مرد کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ روزہ رکھنے سے قوائے بدنیہ میں کمزوری آجانا بدیہی امر ہے۔ مرضعہ اور حاملہ کو اسی لئے رمضان کے فرض روزے قضا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ پے در پے نفلی روزے رکھنے سے اسے اس قدر ضعف لاحق ہو کہ وہ ازدواجی زندگی کے اہم فرائض ادا کرنے سے بھی قاصر رہ جائے۔ جس سے زوجین کے باہمی تعلقات پہ ناخوشگوار اثر پڑے۔ تو یہ بات اللہ رسول کو قطعاً ناپسند ہے۔ میاں بیوی کی عائلی زندگی پرسکون اور پُرلطف گزارنے کے لئے خالقِ کائنات اور اس کے محبوبِ پاک حضور نبیؐ

Marfat.com

کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لئے خاوند کی خدمت بجا لانے کو نفلی عبادت پر ترجیح دی ایک روایت میں حضور نے فرمایا کہ اگر میں خدا کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ جس طرح شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنے سے خاوند بیوی کے درمیان تلخی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کا کسی دوسرے شخص کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل کرنا بھی ان دونوں کے مابین کشیدگی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص خواہ قرابت داروں میں سے ہو یا اور کوئی فرد ہو۔ البتہ اگر عورت کو یقین ہو کہ اس کا خاوند ناراض نہیں ہوگا۔ اور برا محسوس نہیں کرے گا۔ تو اجازت دے سکتی ہے۔ دراصل ایسا اقدام عورت کی عصمت اور عزت کی حفاظت کے لئے از حد ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۴۲:۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ قضا روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا وارث روزے رکھے

تشریح:۔ فرائض دین مثل صلوٰۃ و صوم کی ادائیگی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اگر ان کی ادائیگی نہ ہو سکے تو یہ ایک قسم کا بوجھ ہوگا۔ وہ مسلمان جو اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کے ذمہ قضا نمازیں یا قضا روزے ہوں تو اگرچہ بعد میں ان کا پورا پورا بدل

Marfat.com

نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اگر ورثا اس کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کردیں جسے اصطلاح دین میں فدیہ کہتے ہیں۔ تو اس سے میت پر سے کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ میت کی طرف سے اس کے قضا روزے رکھنے کے سلسلے میں علماء محدثین کا اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ۔ امام مالک امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک روزے رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس لئے کہ مؤطا امام مالک میں حضرت ابن عمر سے مروی ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے سے منع فرما دیا۔ آئمہ مذکور کے نزدیک اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ فوت شدہ کی طرف سے فدیہ دینا چاہیئے۔ جیسا کہ ترمذی میں حضرت نافع سے حضرت ابن عمر کی مروی روایت موجود ہے۔ کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ اس سلسلہ میں امام احمد رحمۃ اللہ کا مسلک اس حدیث کے ظاہر سے ہے یعنی وارث کو میت کے قضا روزے رکھنے چاہئیں۔ نیز احناف کے نزدیک اگر میت فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کر جائے۔ تو وارث پر اسکی ادائیگی واجب ہو گی۔ بشرطیکہ فدیہ تہائی مال سے تجاوز نہ کرے اور اگر تجاوز کر جائے تو وارث پر اس کی ادائیگی ضروری نہیں۔ اگر کرے گا۔ تو یہ بہت بڑا احسان ہو گا۔ مزید برآں فدیہ کیسا تھ قضا کا تدارک اسی صورت میں ہو سکے گا۔ جب میت کو قضا روزے رکھنے کا موقع ہی نہ ملا اور اگر مل گیا۔ مگر اس نے دانستہ طور پہ نہ رکھے تو فدیہ سے تدارک نہیں ہو گا۔ مگر طاؤس اور قتادہ نے اس صورت میں بھی فدیہ دینا واجب قرار دیا ہے۔

Marfat.com

بَابُ صِيَامِ التَّطَوُّعِ (نفل روزوں کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۱۴۲۲:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَ يُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا مَا فِيْ شَعْبَانَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ حضور افطار نہیں کریں گے۔ اور افطار کرتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب حضور روزہ نہیں رکھیں گے۔ اور میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور نے سوائے رمضان کے سارے مہینے کے روزے رکھے ہوں۔ نیز میں نے شعبان کی نسبت دوسرے مہینوں میں اتنے زیادہ روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ شعبان کے پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے۔

تشریح:- نفلی عبادت خواہ نماز ہو خواہ روزہ تقرب الی اللہ کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ بندہ اپنے رب کی بارگاہ کا جتنا مقرب

ہوتا ہے۔ اتنی ہی وہ زیادہ نفلی عبادت کرتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رب کی مخلوق میں سب سے زیادہ تقرب الٰہی رکھتے ہیں۔ اس لئے حضور نفلی عبادت بھی سب سے زیادہ کرتے۔ ویسے نفلی عبادت کی اہمیت کے پیش نظر اپنے اسوۂ حسنہ سے امت کو ترغیب و تحریص دلانے کے لئے بھی حضور نفلی عبادت گذارتے۔ نفلی روزوں میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات بغیر افطار مسلسل کئی کئی دن تک روزہ رکھتے اسے روزۂ وصال کہتے ہیں۔ ایسا روزہ حضور ہی کے لئے مخصوص تھا۔ باقی افراد امت کو ایسا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کے ساتھ بھی حضور بے شمار نفلی روزے رکھتے مگر اس میں بھی اعتدال کو پسند فرماتے رکبھی رکھ لیتے کبھی چھوڑ دیتے۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ رمضان کے علاوہ باقی تمام مہینوں کی نسبت شعبان میں زیادہ نفلی روزے رکھتے۔ اسی مہینے کے متعلق حضور نے فرمایا "الشعبان شہری" کہ شعبان میرا مہینہ ہے۔ غالباً اسی مہینہ میں چونکہ شب برات کی مبارک رات ہے۔ اس لئے اس ماہ میں نفلی عبادت کی کثرت فرماتے۔

حدیث نمبر ۲۴۲: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهُ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهُ صَامَ شَهْرًا كُلَّهُ اِلَّا رَمَضَانَ وَلَا اَفْطَرَ كُلَّهُ حَتّٰى يَصُوْمَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی مہینے کے پورے روزے رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتی کہ حضور نے سوائے رمضان کے اور کسی مہینے کے پورے

Marfat.com

روزے رکھے ہوں اور کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرا جس میں آپ نے بالکل روزے نہ رکھے ہوں۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔

تشریح:- نفلی روزوں کے سلسلے میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کے متعلق یہ حدیث، کم وبیش پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں رمضان کے بعد سب سے زیادہ روزے رکھنے کے ضمن میں شعبان کا ذکر تھا۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور رمضان المبارک کے سوا باقی کسی مہینہ میں سارا مہینہ روزے نہیں رکھتے تھے۔ تاکہ اس سلسلہ میں اُمت اعتدال پسندی کی روش اختیار کرے مگر حضور نے عمر بھر کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرا کہ اس میں کچھ نہ کچھ روزے نہ رکھے ہوں۔ اس میں تعلیم اُمت ہے یہ کہ ہر مسلمان کو حتی المقدور ہر ماہ کچھ نہ کچھ نفلی روزے رکھنے کا عادی بنے۔ اس لیے کہ اس عبادت میں جسمانی اور روحانی بے شمار فوائد ہیں۔ مگر میانہ روی ضروری ہے۔ ایسی نفلی عبادت جو دیگر فرائض میں رکاوٹ ثابت ہو کسی طرح بھی مناسب نہیں بہرحال اگر اعتدال کیسا تھ ہو تو فائدہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۳:- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ سَأَلَهُ اَوْسَأَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یا آپ نے اور کسی شخص سے پوچھا اور عمران سنتے تھے۔ کہ اے فلاں شخص کے باپ، کیا تو نے آخر شعبان کے روزے نہیں رکھے اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا جب تو رمضان

Marfat.com

کے روزوں سے فارغ ہو تو دو روزے اور رکھ۔

تشریح:۔ رویت ہلال کے باب میں ان احادیث کا ذکر گزر چکا ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نصف شعبان کے گذر جانے کے بعد یا شعبان کے آخری چند دن نفلی روزے نہیں رکھتے تھے۔ نفلی روزوں کی تحریص پیدا کرنے کے لئے آپ نے حضرت عمران سے یا اور کسی صحابی سے دریافت فرمایا کہ کیا تم شعبان کے آخری دنوں میں روزے نہیں رکھتے۔ صحابی کا نفی میں جواب اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ حضور کی اتباع میں یہ روزے نہیں رکھتے تھے۔ عید الفطر گزر جانے کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزوں کی فضیلت کئی ایک احادیث میں مذکور ہے۔ مثلاً مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ اور طبرانی میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر ان کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو ایسا ہے۔ جیسے دہر کا روزہ رکھا یعنی وہ سارا سال روزہ سے رہا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ گناہوں سے ایسے نکل گیا۔ جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ موجودہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم صحابی کی عید الفطر کے بعد صرف دو روزے رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں گو یا چھ کی بجائے دو کا حکم ان کے لئے خاص ہے۔ مصنف مظاہر حق فرماتے ہیں۔ کہ اس شخص کی ہر ماہ کے آخری دو دنوں کے روزے رکھنے کی عادت تھی۔ حضور نے شعبان کے آخری دو دنوں کی بجائے عید کے بعد شوال میں رکھنے کی اجازت فرمائی۔

حدیث نمبر ۲۴۴:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ صَلٰوةُ اللَّیْلِ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

ترجمہ: ۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہتر روزے خدا کے مہینے یعنی محرم کے ہیں۔ اور فرض نماز کے بعد بہترین نماز رات کی نماز ہے۔

تشریح: ۔ ماہ محرم الحرام کا شمار ان چار مہینوں میں کیا جاتا ہے جن کو اسلام میں حرمت کے مہینے کہا جاتا ہے۔ یہ مہینے محرم۔ رجب۔ ذی قعد اور ذوالحج ہیں۔ ان کی حرمت کا بیان قرآن پاک میں بھی مذکور ہے۔ قرآن میں اگرچہ یہ تصریح نہیں کہ مذکورہ مہینے ہی حرمت کے مہینے ہیں مگر حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ تو جن مہینوں کی بزرگی قرآن سے ثابت ہو۔ اس کی فضیلت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ عہد رسالت سے پہلے بھی عربوں کے ہاں ان مہینوں کی بزرگی مسلمہ تھی۔ ان مہینوں میں ماہ محرم کو فضیلت مخصوصہ حاصل ہے اس لئے کہ اس میں دس تاریخ جس کو یوم عاشورہ کہتے ہیں۔ نمایاں فضیلت رکھتی ہے۔ یہی وہ دن ہے جس دن اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی اور فرعون و اس کی قوم کو دریائے نیل میں غرق کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل اسی خوشی میں رب کا شکر ادا کرنے کے لئے اس تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرنے میں زیادہ حق دار ہیں۔ اس لئے ہم بھی یہ روزہ رکھیں گے۔ اور یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے ساتھ ایک اور روزہ رکھیں گے۔ مذکورہ وجوہات کی بنا پر نبی پاک شہنشاہِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزوں میں محرم کے روزوں کو زیادہ فضیلت عطا فرمائی۔ بہرحال یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ نفلی عبادت کو اولیت حاصل نہیں بلکہ فضیلت میں اس کا درجہ فرض عبادت کے بعد ہے۔ اسی لئے حضور نے محرم کے روزوں کو رمضان کے بعد افضل فرمایا۔ تہجد کی فضائل کتاب الصلوٰۃ میں ملاحظہ

کے بیان میں گذر چکے ہیں۔ نماز تہجد کی ادائیگی نفس امارہ پر بے حد شاق گذرتی ہے۔ بقولہ تعالیٰ۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا " بے شک رات کا اٹھنا بہت زیادہ دباؤ ڈالتا ہے۔
اسی لئے نفلی نمازوں میں اس نماز کو باقی پر فوقیت و افضلیت حاصل ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۴۵ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهِ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اس خیال سے کسی دن کے روزے کا ارادہ کیا ہو کہ اس کو باقی دنوں کے روزوں سے افضل سمجھتے ہوں۔ سوائے عاشورہ کے اس دن کے اور ماہ رمضان کے مہینے کے روزوں کے۔

تشریح:۔ حدیث ماقبل میں ماہ محرم میں نفلی روزوں کی فضیلت کا بیان تو تھا مگر یہ تخصیص نہ تھی۔ کہ اس مہینے میں کن دنوں کے روزے رکھنا افضل ہیں۔ اس حدیث میں صراحت سے بیان کر دیا گیا۔ کہ وہ دن عاشورہ کا دن ہے۔ عاشورہ دس محرم کو کہتے ہیں یہ عشر سے ماخذ ہے جو عربی میں دس کو کہتے ہیں۔ عاشورہ کی فضیلت کی وجہ اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ صحیح مسلم میں ابو قتادہ سے مروی ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ پر گمان ہے۔ کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال قبل کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ رمضان کے روزوں کی فضیلت محتاج بیان نہیں۔ گویا حضور کے فعل مبارک سے نفلی روزوں میں عاشورہ کے روزہ باقی دنوں کے روزوں

پر فضیلت ثابت ہوئی۔ اور مہینوں میں رمضان المبارک کے مہینے کے روزوں کی۔

حدیث نمبر ۲۴۴:- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُہُ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کا حکم فرمایا تو اصحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دن کی تو یہود نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔

تشریح:- یہود و نصاریٰ چونکہ بارگاہِ خداوندی سے راندی ہوئی قومیں ہیں۔ قرآن میں ہے کہ حضرت عیسےٰ نیز حضرت داؤد علیہما السلام نے ان قوموں پر لعنت فرمائی۔ خدا کا ان قوموں پر غضب نازل ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ ان قوموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے سے منع فرما دیا فرمایا " لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ " یعنی اہل ایمان کو چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ اپنے رب کے حکم کی تعمیل ہی میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اَخْرِجُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ " یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ نیز فرمایا " خَالِفُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی " یہودیوں

Marfat.com

اور عیسائیوں کی مخالفت کرو۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب الاذان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ نماز کے لئے نمازیوں کو جمع کرنے کے لئے جب آگ جلانے اور ناقوس بجانے کی تجویز پیش ہوئی تو اسے اسی لئے رد کر دیا گیا کہ یہ طریقے ان قوموں میں رائج تھے۔ لہٰذا اذان کا طریقہ شروع کیا گیا۔ اسی طرح عاشورہ کے روزے کے سلسلے میں جب حضور نے صحابہ کو فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یہود ونصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کیساتھ مشابہت سے بچنے کے لئے فرمایا کہ آئندہ عاشورہ کے ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عاشورہ کے روزہ کے ساتھ نو تاریخ کا روزہ رکھنا چاہیے تاکہ یہود ونصاریٰ سے جو صرف عاشورہ ہی کا روزہ رکھتے تھے تمیز ہو سکے۔

حدیث نمبر ۲۴۷:۔ عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهٗ

(متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ام فضل بنت حارث کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن کے روزہ کی بابت ان کی موجودگی میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا کہ آپ روزے سے ہیں بعض نے کہا نہیں۔ تو میں نے آپ کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ آپ اس وقت عرفہ کے میدان میں اونٹ پر سوار تھے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لیا اور پی لیا۔

تشریح:۔ عرفہ نو ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس دن حاجی میدان عرفات میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس دن کا روزہ رکھنا حج کرنے والوں

کے لئے مکروہ ہے۔ اور جو مسلمان حج میں حاضر نہ ہوں ان کے لئے سنت ہے۔ اس دن کی فضیلت بھی مسلمہ ہے۔ اس دن کے روزہ کی فضیلت کے سلسلے میں صحیح مسلم و سنن ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ پر گمان ہے کہ عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ نیز مسند بیہقی و طبرانی میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روزے کو ہزار روزے کے برابر فرمایا۔ مگر حج کرنے والے پر جو عرفات میں ہے اسے عرفہ کے دن کا روزہ مکروہ ہے۔ حاجیوں کے لئے اس دن روزہ رکھنے کی مالغت کے سلسلے میں ایک دوسری حدیث جس کی ابو داؤد و نسائی و ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ موجودہ حدیث اس بارے میں عملی ثبوت پیش کرتی ہے۔ کہ حضور نے عرفہ کے دن مقام عرفات میں دودھ نوش فرمایا۔

حدیث نمبر ۲۴۸:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عشرہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

تشریح:- اس حدیث میں مذکور عشرہ سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ یعنی پہلے دس دن میں دیئے اس حدیث سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا سوائے عید الضحٰے کے دن یعنی دس ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں میں

Marfat.com

بالکل روزہ نہ رکھنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی فضیلت دوسری روایات میں موجود ہے بعض حدیثوں میں ہے کہ ان دنوں میں سے ہر دن کے روزے کے ثواب ایک برس کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اور ان راتوں میں ہر رات کو قیام کرنے کا ثواب لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ اس حدیث میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف اپنے مشاہدے کی نفی فرما رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ حضور کا ان دنوں میں روزہ رکھنا ان کے مشاہدے میں نہ آیا ہو۔ دگر نہ ان ایام میں نفلی روزے نہ رکھنے کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی جبکہ ان میں روزہ رکھنے کی فضیلت کی روایات بھی موجود ہیں۔

حدیث نمبر ۲۴۹ :- عَنْ قَتَادَہ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزہ کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اُسی روز میں پیدا ہوا اور اسی دن قرآن نازل ہونا شروع ہوئے۔

تشریح :- باعتبار فضیلت ہفتہ کے دنوں میں پیر کو خصوصی اور نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس دن سید الانبیاء حبیب کبریا شہنشاہ ہر دوسرا حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ اگر جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی وجہ سے باقی دنوں پر فضیلت دی جائے۔ تو پیر کا دن جمعہ سے بھی افضل ہے احادیث سے ثابت ہے۔ کہ حضور پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں۔ تو میں

پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس وقت پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔

حضور کے ان دنوں میں روزہ رکھنے کا بیان ابن ماجہ کی حدیث میں موجود جو حضرت ابوہریرہ ہی سے مروی ہے۔ کہ جب ان دنوں میں روزہ رکھنے کے متعلق حضور سے عرض کی گئی تو فرمایا کہ ان دونو دنوں میں اللہ تعالےٰ ہر مسلمان کی مغفرت فرماتا ہے۔ مگر ایسے دو شخصوں کی جنہوں نے باہم جدائی کر لی ہو۔ اُن کی نسبت ملائکہ سے فرماتا ہے۔ انہیں چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ صلح کر لیں۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کے سلسلے میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ اس دن کا روزہ یہودی بھی رکھتے تھے اس لئے کہ اس دن انہیں اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے نجات دلائی۔ گویا رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھنا ابتدا ہی سے شروع چلا آرہا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کے لئے رب کی جملہ نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہیں۔ لِقَوْلِہٖ تعالیٰ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا —— الآیۃ" تو جس دن یہ نعمت ملی اس دن روزہ رکھ کر رب کائنات کا شکرانہ ادا کرنا ضروری ہے۔ پیر کے نفلی روزے کا دوسرا سبب حضور نے یہ فرمایا کہ اس دن قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن حکیم بھی امت مسلمہ کے لئے ایک بہت لازوال بڑی نعمت ہے جس کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آں کتابے زندہ قرآن حکیم
حکمت او لازوال است و قدیم

ایسی نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۰:- عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ قَالَتْ

Marfat.com

نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ حضرت معاذہ عدویہ کہتی ہیں۔ کہ انہوں نے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے انہوں نے فرمایا ہاں پھر میں نے پوچھا کہ مہینے کے کن دنوں میں روزے رکھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ آپ کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ جن دنوں میں چاہتے روزہ رکھ لیتے تھے۔

تشریح :۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین نفلی روزے رکھتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ یہ تین دن ہر ماہ کی تیرہ۔ چودہ اور پندرہ تاریخیں ہوتی تھیں۔ ان ایام کو ایام بیض بھی کہتے ہیں۔ ان تاریخوں میں روزہ رکھنے کی فضیلت مسلمہ ہے۔ مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور نے یہ تین روزے ہمیشہ پابندی کیساتھ مقررہ تاریخوں پر نہیں رکھے۔ کتاب الصلوٰۃ میں نماز تراویح کے ذکر میں یہ بیان گذر چکا ہے۔ کہ حضور نے اصحابہ کرام کے بے حد اشتیاق کے باوجود نماز تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ فرمایا کہ کہیں اُمت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس طرح نفلی روزوں کے سلسلہ میں سوائے محدودے چند ایام مثلاً عاشورہ۔ عرفہ وغیرہ۔ حضور نے ہمیشہ مقررہ تاریخوں پر نفلی روزے نہیں رکھے۔ حضرت معاذہ عدویہ کو یہ تو علم تھا۔ کہ حضور ہر ماہ تین روزے رکھتے تھے۔ مگر استفسار کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ شاید حضور مقررہ دنوں کے روزے رکھتے ہوں اگر ایسا ہو تو ان کا پتہ چل جائے۔ تاکہ اس ضمن میں حضور کی پوری پوری اتباع سے زیادہ اجر و ثواب ملے۔

Marfat.com

حدیث نمبر ۲۵۱: عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے ہمیشہ روزے رکھے۔

تشریح: ضمناً اس حدیث کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کی توضیح میں علماء نے ایک لطیف نقطہ ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو ایک نیکی کرنے پر اس کا دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا۔ رمضان کے تیس روزوں کے ساتھ شوال کے مذکور چھ روزے بھی شامل کرلئے جائیں تو یہ چھتیس ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا دس گنا تین سو ساٹھ ہو جاتا ہے۔ قمری سال ۳۶۰ دنوں سے تجاوز نہیں کرتا۔ تو جو مسلمان رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے بھی چھ نفلی روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال ہی روزے رکھے۔ اب یہ کہ یہ چھ روزے ماہ شوال میں کب رکھے جائیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عیدالفطر گذرنے کے بعد ان کا متصل رکھنا افضل ہے۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سارے ماہ میں متفرق رکھنا افضل ہیں۔

حدیث نمبر ۲۵۲: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول

Marfat.com

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید اضحٰے کے دن روزے رکھنے سے منع فرمایا۔

تشریح:- ایام عید جیسا کہ لفظ عید ہی سے ظاہر ہے خوشی کے دن ہوتے ہیں۔ ان میں مسلمان اپنے رب کی نعمتوں کو کھاتا پیتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مشروع طریقوں سے انبساط و سرور حاصل کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر ان امور سے رُکنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ایسے دنوں میں روزہ رکھنا فطری تقاضوں کے منافی ہے۔ اس لئے حضور نے حکماً منع فرما دیا۔ اس حدیث لفظ نحر سے مراد قربانی کے دن ہیں۔ جو ذوالحجہ کی دس گیارہ اور بارہ تاریخیں ہوتی ہیں۔ ان کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ گویا اس حدیث کی رو سے سال بھر میں ان چار دنوں کے روزے رکھنا حرام ہے۔ ایک عید الفطر کا دن اور تین ایام تشریق۔ بعض آثار میں منقول ہے۔ کہ عید کے دن شیطان روزہ رکھتا ہے۔ تو گویا مسلمان عید کے دنوں میں روزہ نہ رکھ کر شیطان سے نفور و بیزاری کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ عوام الناس میں جو یہ بات مشہور ہے۔ کہ عید قربان کے پہلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو نصف دن تک روزہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے اصل بات یہ ہے کہ قربانی دینے والے شخص کے لیے یہ امر مستحب ہے۔ کہ وہ صبح کے کھانے کی ابتداء اپنے قربانی کے جانور کے گوشت ہی سے کرے تو یہ روزہ نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۲۵۳:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَصُوْمُ اَحَدُكُمْ یَوْمَ جُمُعَةٍ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَهٗ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کا روزہ رکھے تو اس طرح رکھے کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھے۔

تشریح:۔ جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ دن اہل اسلام کی ہفتہ وار عید ہے۔ چنانچہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے تصریحاً یہ الفاظ ہیں۔ کہ جمعہ کا دن عید ہے لہٰذا عید کے دن کو روزہ کا دن نہ کرو مگر یہ کہ اس کے قبل یا بعد روزہ رکھو۔ اس دن روزہ رکھنے کی ممانعت کے سلسلے میں بخاری و مسلم کی ایک اور روایت مندرجہ بالا حدیث کی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے:

"محمد بن عباد سے روایت ہے کہ حضرت جابر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے میں نے ان سے پوچھا کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزہ سے منع فرمایا کہا ہاں اس گھر کے رب کی قسم جمعہ کے ساتھ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد روزہ رکھنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص قضا یا منت وغیرہ کے روزے رکھ رہا ہو تو ان میں جمعہ بھی آجائے۔ تو ایسی صورت میں قباحت نہیں امام محمد اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزدیک جمعہ کی دن روزہ رکھنے کی کراہت کراہت تنزیہی ہے۔ گویا روزہ رکھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

صحیحین کی مذکورہ بالا حدیث کو ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی حضرت ابوہریرہ ہی سے روایت کیا ہے۔

حدیث ۲۵۴:۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کو ستر برس کی راہ پر ڈال دے گا۔

تشریح: سفر کی طرح جہاد میں روزہ رکھنے یا چھوڑنے کی اجازت ہے۔ جیسا سفر میں روزہ رکھنے کے متعلق خداوند کریم نے ارشاد فرمایا وَاِنْ تَصُوْمُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ "یعنی اگر تم روزہ رکھ لو تو تمہارے لئے بہتر ہی ہے۔ اسی طرح جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت کا ذکر اس حدیث میں موجود ہے۔ روزہ کس قدر افضل عبادت ہے۔ کہ ایک ہی دن کے روزہ سے انسان جہنم سے ستر برس کی راہ کی مسافت کے برابر دور ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ روزہ کی فضیلت صراحۃً بیان کی گئی ہے مگر غور کیا جائے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی فضیلت کے ساتھ جہاد کی فضیلت بھی بیان فرما دی۔

حدیث نمبر ۲۵۵: عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَاِ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاؤُدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَاِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَاْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ

Marfat.com

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے عبداللہ مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا ایسا نہ کر۔ روزہ بھی رکھ اور روزہ کا ناغہ بھی کر رات کو عبادت بھی کر اور سو بھی۔ اس لئے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیرے مہمان کا بھی تجھ پہ حق ہے۔ جس شخص نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے روزہ نہیں رکھا۔ مہینہ کے تین دن کے روزے ہمیشہ کے روزوں کے برابر ہیں تو ہر مہینہ میں صرف تین دن کے روزے رکھ اور مہینہ میں ایک قرآن پڑھ میں نے عرض کی کہ میں اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر بہترین روزے رکھ یعنی داؤد علیہ السلام کا روزہ یعنی ایک دن کا روزہ اور ایک دن کا ناغہ اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر اس سے زیادہ نہ کر۔

تشریح :- دین اسلام مسلمان کو افراط و تفریط سے بچنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ میانہ روی ہی فطرت انسانی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہترین اصول بیان فرما دیا۔ فرمایا۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" کاموں میں سے بہترین کام وہ ہے جس میں اعتدال پایا جائے عبادات ہوں یا دنیوی امور سب میں میانہ روی اختیار کرنے ہی میں بہتری ہے مسلمان پر دو طرح کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد نجات حاصل کرنے کے لئے ان دونوں سے عہدہ برآ ہونا لازمی ہے۔ ایسا مسلمان جو ہر وقت عبادت ہی میں مصروف ہے اور اس سے حقوق العباد ادا نہ ہو سکیں تو اس کی عبادت

Marfat.com

کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح جو شخص حقوق العباد کا تو خیال رکھے مگر حقوق اللہ ادا نہ کرے وہ بھی خطا کار ہے۔ گویا یہ دونوں قسم کے حقوق لازم و ملزوم ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھنا اور ساری رات عبادت کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس سے جسمانی ضعف کا لاحق ہو جانا لازمی امر ہے۔ اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو صیام و قیام میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم فرمائی۔ حضور کا طریقہ تعلیم بے نظیر و بے مثال ہے حضور نے صحابی کو فرمایا۔ کہ رات کو اتنی عبادت کر کہ سونے کا موقع بھی مل سکے۔ اس لئے کہ انسان پر اس کے جسم کا بھی حق ہے وہ یہ کہ مناسب آرام دیا جائے۔ اسے مناسب طور پر کھلایا پلایا جائے۔ ریاضت و مشقت کا اس قدر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ کہ وہ بیمار یا ہلاک ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر جسم کے یہ حقوق ادا نہیں کیے جائیں گے۔ تو وہ ضروری فرائض سرانجام دینے کے قابل نہیں رہے گا۔

کتاب الصلوٰۃ میں قصص فی العمل یعنی عمل میں میانہ روی اختیار کرنے کے باب میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ جسم کے حقوق کے علاوہ ازدواجی زندگی میں شوہر پہ بیوی کے حقوق زوجیت کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ عبادت میں غیر معمولی کثرت کرنے سے انکا ادا کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ حضور نے مہمانوں کے حقوق بھی یاد دلائے۔ کہ ان کے ساتھ بیٹھکر کھانا ہو گا۔ ان کے ساتھ مصروفیات کے لئے بھی وقت درکار ہو گا۔ مذکور حقوق کی ادائیگی تب ہی ممکن ہو گی جب رات کو متوسط درجے کا قیام کیا جائے۔ اور نفلی روزے بھی کم رکھے جائیں حضور نے فرمایا کہ ہر ماہ تین روزے رکھنے سے ہمیشہ روزے رکھنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ تو تین روزے

Marfat.com

رکھنے سے پورے ماہ روزے رکھنے کا اجر ملے گا۔ روزہ رات کے قیام کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت بھی عظیم اجر و ثواب کا باعث ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ اس لئے کہ قیامت کے دن قرآن تمہاری سفارش کرنے والا ہو گا۔ مگر اس امر خیر میں بھی میانہ روی ہی کی تعلیم دی فرمایا کہ مہینہ میں قرآن پاک کو ایک بار ختم کر لیا کرو۔ جب حضرت عبداللہ نے عرض کی کہ مجھ میں زیادہ عبادت کرنے کی طاقت ہے گویا وہ زیادہ عبادت کر کے بھی دیگر فرائض ادا کر سکتے ہیں۔ تو حضور نے فرمایا کہ صوم داؤدی رکھ لیا کرو۔ یعنی ایک دن روزہ رکھ کر دوسرے دن ناغہ کرنا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بہترین روزہ ہے۔ اس سے پیشتر ہمیشہ روزہ رکھنے والوں کو تنبیہہ فرما دی کہ ان کا اسطور روزہ رکھنا قبول نہیں ہو گا۔ نیز تلاوت قرآن کے متعلق حضرت عبداللہ کو سات دن میں ایک بار قرآن ختم کرنے کا مشورہ فرمایا۔ ہر شخص جسمانی قوا میں منفرد ہوتا ہے۔ اسلام نے عبادات کے سلسلے میں ایسی تعلیم دی ہے جس پہ ہر کس و ناکس ہر حالت میں عمل کر سکے۔ اولیائے امت کے مجاہدوں کی ریاضتیں جو انہوں نے تہذیب نفس اور تزکیہ باطن کے لئے کیں وہ انہیں کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ امت کے ہر فرد پہ فرض و واجب نہیں اور نہ ہی ہر شخص میں ان کو ادا کرنے کی طاقت ہے۔

پرواز ہر کس بقدر ہمت اوست

ا باب) زوال سے پہلے روزہ کی نیت کا بیان

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۵۶؛۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَى

Marfat.com

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَ کُمْ شَیْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّیْ اِذًا صَائِمٌ ثُمَّ اَتَانَا یَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُهْدِیَ لَنَا حَیْسٌ فَقَالَ اَرِیْنِیْہِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَکَلَ (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک روز میرے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے ۔ ہم نے عرض کیا نہیں ۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت روزہ دار ہوں پھر اسی طرح ایک دن اور آپ تشریف لائے اور اسی طرح پوچھا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس حیس ہدیہ میں آیا ہے ۔ آپ نے فرمایا مجھ کو دکھاؤ ۔ صبح کو میں نے روزہ کا ارادہ کر لیا تھا ۔ پھر آپ نے اس کو کھا لیا ۔

تشریح :۔ حیس ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے جو کھجور گھی اور پنیر سے بنایا جاتا ہے ۔ اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے ایک تو یہ کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنے پر یہ کہا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت روزہ دار ہوں گویا آپ نے اس وقت روزہ رکھنے کی نیت کر لی ۔ اور یہ وقت زوال سے پہلے کا وقت تھا ۔ اسی حدیث سے جمہور علمائے اُمت روزہ کی نیت کا مسئلہ مستنبط کرتے ہیں ۔ یہ کہ روزہ کی نیت زوال سے قبل کر لینی چاہیے ۔ البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ روزہ کی نیت رات ہی سے کرنی واجب ہے ۔

دوسری بات جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے ۔ یہ ہے کہ جب دوسرے کسی دن حضور تشریف لائے حضور اگرچہ روزہ سے تھے مگر جب حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ گھر میں کھانا ہے تو

Marfat.com

آپ نے منگوا کر کھا لیا۔ اس کی توضیح میں علماء محدثین فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ روزہ نفلی تھا۔ آپ نے غالباً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آپ کے بہت ہی محبوب حرم تھے کی تالیف قلب کے لیے کیا اور کسی عذر کے تحت روزہ افطار فرما لیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ نفلی روزہ کا پورا کرنا واجب ہے۔ بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں۔ البتہ بسبب کسی عذر کے افطار کیا جا سکتا ہے مگر اس کی قضا کرنا واجب ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۷: عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ فَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ وَاِنْ کَانَ مُفْطِرًا فَلْیَطْعَمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت پر بلایا جائے تو وہ قبول کرے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو کھانا کھائے۔

تشریح: دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ اس سے باہمی تعلقات پر خوشگوار اثر پڑتا ہے انکار کرنے سے دعوت کرنے والے کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اگر ایسی صورت ہو کہ دعوت پر جانے سے انکار کرنے سے دعوت کرنے والا رنجیدہ خاطر ہو گا تو باوجود نفلی روزہ رکھنے کے دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ اس حدیث میں دوسری روایت کے الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے بلکہ ایسی صورت میں جمہور کا مذہب یہی ہے۔ کہ روزہ دار دعوت میں شریک ہو کر کھانا کھائے اور اس روزہ کی قضا کر لے۔ اس سے پہلی حدیث نا

کی تشریح میں یہ بیان گذر چکا ہے۔ کہ بلا عذر نفلی روزہ افطار کرنا جائز نہیں رسورت مذکورہ اہل علم کے نزدیک معقول عذر ہے۔ البتہ اگر یہ یقین ہو کہ دعوت پر نہ جانے سے بُرا محسوس نہیں کیا جائے گا۔ تو روزہ کی صورت میں معذرت کر دے ویسے مستحب یہ ہے کہ دعوت پر چلا جائے اور مؤخر الذکر صورت میں کھانے میں شریک تو نہ ہو مگر دو رکعت نفل پڑھ کر صاحب خانہ کے لئے دعا کرے۔

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (شب قدر کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۵۸:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں میں تلاش کرو۔

تشریح:- وہ راتیں جن کو اللہ تعالیٰ خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے ان میں لیلۃ القدر بھی شامل ہے۔ اسی کو شب قدر بھی کہتے ہیں اس رات کی فضیلت کا بیان بالتفصیل قرآن پاک کے تیسویں پارہ کی سورہ قدر میں مذکور ہے۔ اسی سورۃ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس ایک رات کی عبادت کا اجر و ثواب ایک ہزار ماہ کی بے ریا عبادت سے

بھی افضل ہے نیز یہ کہ اس میں اللہ تعالےٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں طلوع فجر تک نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اُمتِ مسلمہ پر یہ لطف و کرم حضور سرورِ انبیاء حبیب کبریا شہنشاہ ہر دوسرا نبیٔ کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک روز نبیٔ پاک صلے اللہ علیہ وسلم امم سابقہ کی طویل عمروں اور ان کی نیکیوں کا ذکر فرمایا۔ اصحابہ اکرام کو خیال گذرا کہ ہم مختصر عمروں میں کی ہوئی نیکیوں کیساتھ اس کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ اس پر حضرت جبریل امین سورہ قدر لیکر حاضر ہوئے۔ اس کے تعین کے سلسلے میں اگرچہ قرآن خاموش ہے مگر احادیثِ نبویہ کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رات رمضان المبارک میں واقع ہے۔ اس کو متعین نہ کرنے میں وہی حکمت ہے جو جمعہ کے دن ساعت کی گھڑی کو متعین نہ کرنے میں ہے۔ وہ یہ کہ اس رات کی تلاش کے ذوق وشوق میں مسلمان زیادہ عبادت کریں گے۔ مگر مہینہ بھر کی راتوں میں جاگنا عام انسان کی قوت سے باہر ہے۔ اس لئے حضور نے ازراہِ لطف و کرم فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ یعنی اکیسویں تئیسویں پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں میں۔ بعض دوسری احادیث میں اس رات کا آخری سات راتوں میں پایا جانا مذکور ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۹:- عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَیْشٍ قَالَ سَأَلْتُ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ مَنْ یَقُمِ الْحَوْلَ یُصِبْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحْمَةُ اللّٰهِ اَرَادَ اَنْ لَّا یَتَّکِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِیْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِیْ عَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا یَسْتَثْنِیْ اَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ فَقُلْتُ بِاَیِّ شَیْءٍ تَقُوْلُ

Marfat.com

ذٰلِكَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْ بِالْاٰيَةِ الَّتِىْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت زربن حبیس کہتے ہیں۔ کہ میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ تمہارے بھائی ابن مسعود کہتے ہیں کہ جو شخص سال کی تمام راتوں میں عبادت کرے وہ شب قدر کو پائے گا۔ ابی بن کعب نے کہا کہ خدا ان پر رحم کرے۔ انہوں نے اس خیال سے کہا ہوگا۔ کہ کہیں لوگ اسی رات پر بھروسہ نہ کرلیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن مسعود کو یہ معلوم تھا کہ شب قدر رمضان میں ہے۔ اور رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ اور وہ ستائیسویں رات ہے۔ پھر ابی بن کعب نے قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں رات ہے اور انشاء اللہ نہ کہا۔ پس میں نے کہا۔ کہ تم کس دلیل سے ایسا کہتے ہو انہوں نے کہا میں ان نشانیوں اور دلیلوں سے کہتا ہوں کہ جن سے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا۔ یعنی یہ کہ اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس میں روشنی نہیں ہوتی۔

تشریح:۔ لیلۃ القدر کی شب کو مخفی رکھنے میں اللہ رسول کی جو حکمت ہے وہ پہلے بیان ہو چکی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس تصریح فرما دی۔ کہ جس مسلمان کو اس رات کی تلاش کا شوق دامن گیر ہو تو وہ سارا سال راتوں کو جاگ کر اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص تو اس رات کو پا ہی لے گا۔ نیز ابی بن کعب یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے یہ بات لوگوں کی بھلائی کے تحت بھی فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر بتا دیا جائے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو لوگ صرف اسی رات میں عبادت کرنے پر اکتفا کریں گے۔ اور سارا سال یوں ہی گذار دیں۔ تو اگرچہ آپ کو یہ علم تھا۔ کہ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے مگر آپ

Marfat.com

نے مذکور مصلحت کے تحت نہیں بتایا۔ حضرت ابی بن کعب نے ظن غالب کے طور پر قسمیہ اس کا ذکر کیا کہ یہ رات واقعتاً رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ نیز آپ نے اس شب کی یہ علامت بیان فرمائی کہ اس رات کے گذرنے کے بعد جب سورج طلوع ہوتا ہے۔ تو اس کی روشنی کم ہوتی ہے۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ (اعتکاف کا بیان)

فصل اوّل

حدیث نمبر ۲۶:- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ

(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی روح قبض کی پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔

تشریح:- رمضان کا آخری عشرہ خصوصی طور پر بابرکت عشرہ ہے یہی وہ عشرہ ہے جس میں لیلۃ القدر جیسی باسعادت رات پائی جاتی ہے۔ اس عشرہ کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یکسوئی کے ساتھ جس قدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہوسکے رب تعالیٰ کی عبادت کی جائے چنانچہ اس سلسلے میں تعلیم امت کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس عشرہ میں مسجد نبوی میں خلوت نشینی اختیار

Marfat.com

فرمانے اور اپنے رب کی یاد کرتے ۔ اس حدیث میں حضور کے اسی فعل مبارکہ کا بیان ہے ۔ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیئے ٹھہرنا اصطلاح دین میں اعتکاف کہلاتا ہے ۔ لغت میں اعتکاف ٹھہرنے ہی کو کہتے ہیں ۔ شرع میں اس کے معنی بیان ہو چکے ہیں اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے ۔ بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا ۔ اعتکاف کے لیئے شرط یہ ہے ۔ کہ اس مسجد میں اعتکاف کیا جائے جس میں جماعت ہوتی ہو ۔ ابوداؤد کی حدیث کی رُو سے معتکف کے لیئے بلا حوائج ضروریہ مسجد سے باہر نکلنا منع ہے نیز نہ اُسے مریض کی عیادت کرنے کی اجازت ہے نہ جنازے میں حاضر ہونے کی نہ بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتا ہے ۔ گویا معتکف اپنی تمامتر توجہ اللہ رسول کے ذکر میں لگا دیے ۔ دنیا کے شور و شغف سے علیحدہ ہو کر رب کی یاد کا یہ بہترین طریقہ حصول تقویٰ نیز تزکیہ باطن کے لیئے اعتکاف نہایت ضروری ہے ۔ روایات میں اس کے بے شمار فضائل مذکور ہیں مثلاً مسند بیہقی میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف کر لیا ۔ تو ایسا ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کرے ۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا وہ گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیوں سے اُسے اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے اس نے تمام نیکیاں کیں ۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اعتکاف کر سکتی ہیں مگر ان کے لیے تعلیم یہ ہے کہ وہ مسجد کی بجائے گھر ہی میں بیٹھیں ۔ مذکورہ بالا حدیث میں حضور کے بعد ازواج مطہرات کے اعتکاف کرنے کا بیان ہے ۔

حدیث نمبر ۱۲۷۱ ؛۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَکَانَ اَجْوَدَ مَا یَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ کَانَ جِبْرِیْلُ یَلْقَاہُ کُلَّ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ یَعْرِضُ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ان کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے پس جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ کی سخاوت مینہ لانے والی ہوا سے بڑھ جاتی تھی۔

تشریح:۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم رب کائنات کی ذات وصفات کے مظہر اتم ہیں۔ رب کی ذات جواد اور کریم ہے لہذا ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جود وسخا کا کوئی شمار نہیں آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا۔ حضور رحمت اللعلمین ہے۔ مجسم رحمت ہونے کی بنا پر رب کی مخلوق کا ہمیشہ بھلا کرتے رہے اور ان کے نفع کے لیے کوشاں رہے۔ انسان تو انسان جانور بھی حضور کی رحمت سے محروم نہیں رہے۔ رمضان المبارک چونکہ دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بابرکت مہینہ ہے۔ اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ مبارک میں تعلیم امت کے لیے امور خیر کی طرف زیادہ توجہ فرماتے اس لیے کہ اس ماہ میں کی ہوئی نیکی کا ستر گنا اجر و ثواب ملتا ہے۔ حضرت ابن عباس اس ماہ میں حضور کی سخاوت کو

Marfat.com

بارش لانے والی ہوا کیساتھ تشبیہہ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ نفع پہنچانے میں اس ہوا کا عام اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور ماہ رمضان میں بلا اختصاص جھولیاں بھر بھر کر رحمت لٹاتے جس سے عام بنی نوع انسان منتفع ہوتے ہیں رمضان کے دنوں میں حضور کا پاکیزہ شغل مخلوق خدا کی بھلائی ہوتا اور رات کو حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی کا دَور ہوتا۔ حفاظ حضرات کا رمضان المبارک میں قرآن پاک کا دَور کرنا حضور کی اسی سنت کا اتباع ہے۔

حدیث نمبر ۲۶۲ ۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنُ کُلَّ عَامٍ مَرَّۃً فَعُرِضَ عَلَیْہِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ :۔ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل ہر سال حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک بار قرآن پڑھتے تھے۔ جس سال حضور کا وصال ہوا اس سال دو مرتبہ پڑھا گیا۔ اور حضور ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے۔ مگر وصال کے سال حضور نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

تشریح :۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہر سال اعتکاف کرنا نیز جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دَور کرنے کا ذکر پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے۔ وصال کے سال حضور کا دو بار قرآن کا دَور کرنا اور بیس دن اعتکاف کرنا اپنے رب کی ملاقات کے شوق و وجدان کو ظاہر کرتا ہے۔ خالق و مالک کی کثرت سے یاد گویا اس کی بارگاہ عالیہ میں حاضری کے لئے تیاری تھی۔ اس حدیث سے

Marfat.com

ثابت ہوتا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں مسلمان کو رب کی یاد کثرت سے کرنی چاہیے تاکہ سرخرو ہو کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو۔

حدیث نمبر ۲۶۲: عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِکَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میرے والد عمرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں نے جاہلیت میں نذر کی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا۔ آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر۔

تشریح: کسی کام کو عبادت کے طور پر اپنے اوپر واجب کر لینا اصطلاح شرع میں منت یا نذر کہلاتا ہے۔ اگر یہ کام خلاف شرع نہ ہو تو اس کا بجالانا ضروری ہے چنانچہ قرآن پاک میں نذر کا ذکر اس آیۃ مبارکہ میں موجود ہے۔ "وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ" چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے حدیث میں مذکور نذر مانی تھی۔ جب حضور سے استفسار کیا تو حضور نے اس نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اسی حدیث کے موافق ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمان ہونے سے پہلے کوئی نذر موافق اسلام مانی ہو تو مسلمان ہونے کے بعد اُسے پورا کرنا واجب ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں واجب نہیں۔ نیز ان کے نزدیک اعتکاف کی نذر میں روزہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں صرف رات کے اعتکاف کی منت صحیح نہیں بلکہ

Marfat.com

اس کے ساتھ دن کو اعتکاف کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق کی اعتکاف کی نذر کا بیان جو اس حدیث میں ہے اس میں اگرچہ صرف رات ہی کا ذکر ہے مگر ابو داؤد، نسائی اور دار قطنی نے جو روایت نقل کی۔ اس میں دن کا بھی ذکر ہے۔ نیز یہ بھی کہ حضور نے فرمایا کہ اعتکاف کرو اور روزہ بھی رکھو۔

مشکوٰۃ المصابیح

حدیث کی یہ مایۂ ناز کتاب جو جملہ اسلامی ممالک کے مدارس دینیہ کے درسی نصاب میں شامل ہے۔ کم و بیش چھ ہزار احادیث کا مجموعہ ہے جو حدیث کی مشہور معروف اور معتبر گیارہ کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد، مؤطا امام مالک، مسند امام شافعی، سنن دارمی اور سنن بیہقی سے منتخب کی گئی ہے۔

ان احادیث میں چار ہزار چار سو چونتیس احادیث وہ ہیں جو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف المصابیح ہی سے لی گئی ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح کے مصنف ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ العمری الخطیب تبریزی نے ڈیڑھ ہزار اور گیارہ حدیثیں مزید شامل کیں۔ کتاب المصابیح بھی اگرچہ احادیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کے لیئے سند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیئے انہوں نے اعتراضات کیئے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح کو مرتب کیا جن اسناد کا ذکر امام بغوی نے نہیں کیا تھا۔ ان کا ذکر کیا۔ علاوہ ازیں دیگر جن باتوں کو انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔ خطیب تبریزی نے استخارہ کے ذریعہ معلوم کرکے ان کا ذکر کیا۔ احادیث کو تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے اسی طرح رکھا جس طرح آئمہ

Marfat.com

متقدمین نے روایت کیا۔ اس کتاب میں ۲۹ کتابیں اور ۳۲۹ ابواب ہیں۔ یہ کتب اور ابواب اسی طرح رکھے گئے ہیں، جس طرح کہ یہ المصابیح میں تھے ۔ البتہ فصلیں جو تعداد میں ۱۰۲۸ ہیں۔ اس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ اکثر ہر باب میں تین فصلیں ہیں۔ بخلاف مصابیح کے کہ اس میں ہر باب میں دو فصلیں ہیں پہلی فصل ان احادیث پر مشتمل ہے۔ جن کو امام بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے روایت کیا۔ دوسری فصل میں وہ روایات ہیں جو امام بخاری و امام مسلم کے علاوہ دوسروں نے روایت کیا۔ تیسری فصل میں وہ روایات شامل ہیں جو اس باب سے مناسبت رکھتی ہیں۔ لیکن شرط کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں بعض احادیث کے بعد مصنف اپنا یہ قول ذکر کر دیتے ہیں "مَاوَجَدْتُ هذه الروایة فی کتب الاصول۔ یعنی میں نے اس روایت کو کتب اصول میں نہیں پایا۔ اگر کہیں کسی قسم کا کوئی اختلاف نظر آیا تو اس کو ذکر کر دیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کسی حدیث کے غریب و ضعیف ہونے کا اشارہ کیا تو صاحب مشکوٰۃ اس کے اسباب بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اور اگر اصول کے موافق کوئی اشارہ نظر نہیں آتا تو انہوں نے امام بغوی کی پیروی میں اس کو ذکر نہیں کیا۔

کتابُ الصّوم سے متعلقہ اہم امتحانی سوالات

۱۔ اسلام میں روزہ کی اہمیت پر حدیث نبوی کی روشنی میں ایک مفصل اور جامع جواب مضمون قلمبند کریں۔

۲۔ فضائل رمضان پر ایک شذرہ تحریر کیجیے۔

۳۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا مطلب بیان کیجیے اور مسئلہ رویت ہلال پر روشنی ڈالیے:

Marfat.com

(الف) لَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ
فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ ۔

(ب) شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ (۱۹۶۳)

۴۔ مندرجہ ذیل حدیث کی مکمل تشریح کیجئے۔ اور رؤیت ہلال کے مسئلہ کے بارے میں اپنی معلومات اور نظریات قلمبند کیجئے۔

اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوْهُ
فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ (۱۹۶۶)

۵۔ رمضان المبارک کے فضائل و مسائل مختصراً بیان کیجئے۔ (۱۹۶۷)

۶۔ مندرجہ ذیل حدیث کی روشنی میں روزہ کے اغراض و مقاصد پر تبصرہ کیجئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ

۷۔ کتاب الصوم کے باب صوم المسافر کی فصل اول میں درج شدہ احادیث کی روشنی میں سفر میں روزہ کے احکام و مسائل کو بیان کیجئے

۸۔ حدیث کی روشنی میں لیلۃ القدر کے فضائل سپرد قلم کیجئے۔

۹۔ اعتکاف کا مقصد کیا ہے۔ کتاب الصوم میں اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کے پیش نظر اعتکاف کی حدود و قیود بیان کیجئے۔

تمت بالخیر

(مدائن مک پرنٹنگ پریس لاہور)

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حصہ اول	
۱	(فصل اول) علم اصول حدیث کی تعریف	۹
۲	(فصل دوم) حدیث اور خبر میں فرق	۱۱
۳	(فصل سوم) خبر واحد مقبول کی اقسام	۱۴
۴	(فصل چہارم) حدیث میں نسخ کا بیان	۱۸
۵	(فصل پنجم) حدیث ضعیف اور اس کی اقسام	۱۹
۶	(فصل ششم) اسناد کی حیثیت سے احادیث کی تقسیم	۲۲
۷	(فصل ہفتم) موضوع حدیث	۲۶
۸	(فصل ہشتم) دیگر اقسام حدیث	۴۱
۹	(فصل اول) راوی پر طعن	۵۰
۱۰	(فصل دوم) معرفت رواۃ۔ روایت الاقران	۵۳
۱۱	(فصل سوم) سند عالی یا علو سند	۵۸
۱۲	(فصل چہارم) الفاظ ادائے حدیث	۶۱
۱	تتمہ حصہ اول	۶۴
۱	حافظ ابن حجر عسقلانی مصنف شرح نخبۃ الفکر	۶۵
	حصہ دوم	
۱	تاریخ ادب حدیث	۶۹
۱	(فصل اول) حدیث و سنت میں فرق ضرورت اہمیت حدیث۔ مقام حدیث	۷۰
۱	(فصل دوم) حجیت حدیث	۸۳
۱	تاریخ تدوین حدیث	۹۱
۱	(فصل اول) قرن اول وعہد رسالت وعہد صحابہ میں تدوین حدیث	
	عہد رسالت میں تدوین حدیث	۲۰۵

Marfat.com